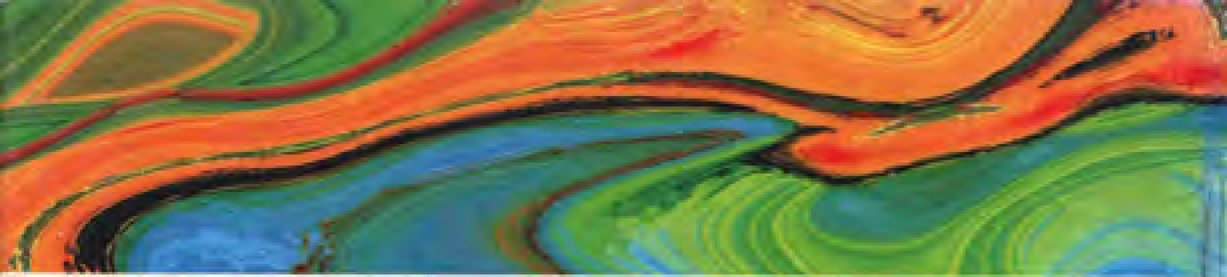

حیرت کدہ

اشفاق احمد

سین 1

ان ڈور

دن

یہ ایک دیہاتی ترکھان کا کمرہ ہے، آرائش کا سامان کم ہے صرف ایک دیوار پر چہرہ دیکھنے کے لئے ایک آئینہ ٹانگ رکھا ہے۔ ایک دروازہ اس کمرے میں باہر کی طرف کھلے جو ایک بار کھلتا ہے تو دیر تک جھولتا رہتا ہے۔ کمرے کے وسط میں ترکھان کی میز ہے، جس پر اس کے رندے، آریاں، تیشے وغیرہ پڑے ہیں۔ اس میز کے اوپر چھت کے ساتھ (گو چھت نہیں دکھائی جائے گی) لیکن یہ تاثر دیا جائے گا کہ چھت کے ساتھ ایک ڈنڈا لٹکا ہے جس پر نواب کے کپڑے لٹک رہے ہیں۔ جب وہ شہر جانے کا قصد کرتا ہے تو ان ہی کپڑوں کو کھینچ کھینچ کر اتارتا ہے اور اپنی ٹین کی ٹرنکی میں بند کرتا ہے۔

جس وقت کیمرہ کھلتا ہے نواب کے ہاتھ لکڑی پر رندہ پھیر رہے ہیں۔ پھر دو نسوانی ہاتھ اس کے ہاتھوں پر آجاتے ہیں اور نواب کا کام رک جاتا ہے۔ کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے دیکھتے ہیں کہ نواب ترکھان چار خانے والی تہمد اور بازوؤں والی بنیان پہنے گلے میں تعویذ لٹکائے کام کر رہا ہے۔ اور صوباں پاس کھڑی ہے۔

یہ باتیں دل لگی کے تحت ہیں ان سے محبت کی خوشبو آنی چاہئے کچھ نواب پر برتری کا چارج نہیں لگنا چاہئے۔

نواب: آ گئی کام کی بیری، ہاتھ اٹھا ابھی دھوئے تھے میں نے۔

صوباں: گندے ہو گئے ہاتھ تیرے میرے چھونے سے؟

نواب: (ہاتھ تہمد سے پونچھتے ہوئے) گندے تو نہیں ہوئے۔ کھردری چیز لگے میرے ہاتھوں کو تو تکلیف ہوتی ہے۔

صوباں: ہائے--- بڑے ریشم کے بنے ہوئے ہاتھ ہیں تیرے۔

نواب: صرف ہاتھ نہیں بھلی لوک--- میں تو سارا ہی بوسکی کا تھان ہوں۔

صوباں: لڑکیاں اپنی تعریفیں کیا کرتی ہیں اس طرح، کسی مرد کے منہ سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔

نواب: کیوں؟ لڑکیوں نے خوبصورت ہونے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے؟ مرد بھی ایک سے ایک اعلیٰ پڑا ہے دنیا میں۔ ویسے بیچارے کو عادت نہیں اپنی تعریف کروانے کی۔

صوباں: توبہ! ابھی عادت نہیں، کم از کم تو تو مت کہہ۔

نواب: اچھا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ تو کوئی ہے مجھ جیسا سارے گاؤں میں۔ مجھ سے پہلے میری ماں کا سکہ چلا کرتا تھا گاؤں میں۔ اب نواب نواب ہوتی پھرتی ہے۔ سچ بتا ہے کوئی مجھ جیسا۔

صوباں: بہت---- پر ایک بات ہے۔

نواب: کیا بات؟

صوباں: میری نظر کمزور ہے نظر بھی آیا تو ایک تو ہی آیا۔ تیرے بعد میں ہی اندھی ہوگئی کوئی گاؤں کے نوجوان تو بدشکل نہیں ہوگئے۔

نواب: (ہنس کر) تو بھی اچھی ہے پر دوسرے نمبر پر----

(اس وقت ایک بڑھیا بالٹی اٹھائے داخل ہوتی ہے یہ بڑھیا خیرخواہ قسم کی عورت ہے لیکن بات تلخی سے کرتی ہے۔)

بڑھیا: (ہنس کر) اے نواب بھیا---- تیری ماں کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو، تیرا بھی مقدر کھلے۔ میری بالٹی تو لے جا میرے گھر تک۔

نواب: یہ تجھے سارے گاؤں میں ایک میں ہی پالی نظر آتا ہوں، چاچی۔

بڑھیا: لے جا میرے سوہنے۔

نواب: اتنا پانی کیوں بھرتی ہے کہ آدھے راستے تک اٹھا کر تیرا سانس پھول جاتا ہے۔

بڑھیا: بھیا! بڑھاپے میں یہی لالچ تو مارتا ہے۔ دو لقمے ہضم نہیں ہوتے اور چار روٹیاں کھانے کا چسکا پڑ جاتا ہے۔ روپیہ پیسہ کام کا نہیں رہتا۔ پر گانٹھ نہیں کھلتی پلے کی، کبھی تکیئے تلے، کبھی پائے تلے، کبھی فرش کھود کر کبھی مٹی کے اندر چھپا کر رکھتا ہے آدمی اپنی پونجی۔ بیٹا لالچ کیا تھا میں نے کہ کہیں دو چکر نہ لگانے پڑیں مجھے، ایک ہی بار بالٹی بھرلی میں نے۔

نواب: لا پکڑا، لیکن دیکھ کل میں نہیں لے جاؤں گا۔

(بالٹی لے کر جاتا ہے، بڑھیا صوباں کی طرف بڑھتی ہے۔ صوباں جلدی جلدی اپنی بوری میں بورا بھرنے لگتی ہے۔)

بڑھیا: اے صوباں تو ادھر کیا کر رہی ہے----؟

صوباں: میں ماسی؟---- میں تو بورا لینے آئی تھی۔

بڑھیا: تو لے بورا اور بھاگ۔

صوباں: چاچی تیرے گھٹنے کا کیا حال ہے؟

بڑھیا: پتہ ہے پتہ ہے مجھے۔ جیسی تو میرے گھٹنے کی خیرخواہ ہے۔ بورا لے اور بھاگ، اس نکھٹو، کم چور آرام طلب سے کیا مطلب تیرا؟ اس کے سارے ساتھی گھر بار والے ہوگئے اور یہ مشٹنڈا ابھی چھڑا پھرتا ہے۔ قلمیں بڑھا کر۔

صوباں: کوئی اپنی مرضی سے گھربار والا تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ اللہ کی مرضی ہوتی ہے چاچی۔

بڑھیا: گائے بھی کھونٹے سے باندھو تو کوئی مفت دودھ نہیں دیتی کھلانا پلانا پڑتا ہے۔ کتا بھی مفت چوکیداری نہیں کرتا۔ دو وقت کی روٹی مانگتا ہے۔ ٹہل سیوا تو بوٹے کی بھی کرو گے تو میوہ کھاؤ گے صوباں، بیوی تو پھر نسل چلاتی ہے۔ گھر بار سنبھالتی ہے۔ وہ کچھ نہ مانگے گی اس ٹھالی سے؟ تین وقت کا فاقہ کرے گی؟ ایک وقت جو کی روٹی کھائے گی اس کے گھر؟

صوباں: فاقے ہی سہی چاچی۔ (آہستہ) کسی کے ساتھ بیٹھ کر جو کی روٹی بھی اچھی لگتی ہے۔

بڑھیا: فاقے ہی سہی۔ ماں نے دودھ مکھن پر پالا۔ سدا ناریل کا تیل ڈالا تیرے سر میں۔ کھلی سے نہلایا، ہاتھ دانت کی کنگھی پھیری تیرے سر پر۔ لگ جائے گا پتہ تجھے جا۔

صوباں: (محبت سے) پر خرابی کیا ہے چاچی، نواب میں ایمان سے کہہ چاچی ہے سارے گاؤں میں اس جیسا؟

بڑھیا: مرجا اس کی شکل و صورت پر---- مرجا اس کے حسن پر---- چار دن کی چاندنی پر ہو جا بیہوش۔ پیٹ نہیں بھرے گا دیدوں کی ٹھنڈک سے۔ روٹی کپڑا مانگے گا تیرا تن بھی۔ سو بار کہا بیٹا چل باہر نکل گھر پھیری لگا آواز دے، کوئی ٹوٹی چوگاٹ کوئی کھاٹ پیڑھی مرمت کر---- پر فرنیچر بنائے گا پورن ماشی کا چاند---- اونہہ، جا بورا اٹھا کر اور مت آیا کر ادھر خواہ مخواہ۔

صوباں: جو کام اس نے سیکھا ہے نا وہی کرے گا نا چاچی اب سارے گاؤں میں کوئی میز کرسی بنوانے والا ہی نہ ہو تو نواب کا کیا قصور؟

بڑھیا: (رازداری کے ساتھ) جو مرد اپنی کنگھی پٹی میں لگا رہے نا اس کے پیچھے چل کر عورت خوار ہوتی ہے جو اپنی حجامت بنوا کر آئینہ دیکھے نیا کپڑا پہن کر لڑکیوں والی گلی سے گزرے کلائی کی گھڑی بار بار دیکھے جوتے سے مٹی جھاڑے، رومال سے منہ پونچھے، حقہ کھینچے تو منہ داب داب کر دھواں چھوڑے ری ایسے مرد کو کمی رہی ہے کبھی عورتوں کی؟ کیوں حرام موت مرنے لگی ہے۔ جا گھر اور آرام سے بات مان لے اپنی ماں کی۔ فضل دین جیسا مرد نہیں ملے گا تجھ کو ساری عمر۔

صوباں: اونہہ فضل دین بجاوے بین۔

بڑھیا: (غصے سے) بجاوے بین، بین بھی ناویں سے بجتی ہے صوباں پچیس گھماؤں کا اکیلا مالک۔ نہ ساس نہ نند، نہ سسرا مٹی پلید کرنے والا۔ بال بڑھی چھوڑ ماں کی بات مان۔ ماں کے پیروں تلے جنت ہوتی ہے۔

صوباں: چاچی دعا کر ہمارے پیروں تلے بھی جنت ہو۔ (ہنس کر) جلدی سے۔

بڑھیا: ہوگی ہوگی، پر اگر تو ماں کا کہنا مانے گی۔ جا بھی اب۔

صوباں: جا رہی ہوں ماسی۔

(صوباں چلی جاتی ہے، ماسی اڈے سے میز پر سے پیار کے ساتھ اپنے پلے سے بورا جھاڑتی ہے ادھر سے نواب آتا ہے اور سیدھا آئینہ کی طرف بڑھتا ہے اور اس میں چہرہ دیکھتا ہے اب بڑھیا کو بہت غصہ چڑھ جاتا ہے۔ وہ پیچھے سے آکر زور زور سے نواب کی پیٹھ پر دھموکے مارتی ہے۔)

بڑھیا: کیا ہے رے نواب؟

نواب: وہ راستے میں مجھے جمیل مل گیا چاچی کہنے لگا یار تمہارے بائیں گال پر تل نکل آیا ہے اس کا کچھ علاج کرو۔

بڑھیا: دیکھ آئینہ کسی من چلی رانڈ کی طرح۔ مرے جا اپنا عکس دیکھ دیکھ کر۔ کوئی تالاب کا کنول بن گیا۔ تو دو کوڑی کا ترکھان کہ ہر گھڑی منہ دیکھے بن تجھے چین نہیں۔

نواب: ہیں ہیں چاچی مارنے کیوں لگی مجھے۔ بات کیا ہے۔

بڑھیا: تجھ کو اپنے چہرے کی اتنی فکر ہے تجھے کسی کی کیا پروا؟

لے چوم اپنے آپ کو۔ لے لگا لے اپنے تن کو اپنے ساتھ۔ چوم اپنے کو سورج کھیا جلا تپا کے مارے گا صوباں کو۔

نواب: چھوڑ چاچی کیا کڑک رہی ہے تو۔

بڑھیا: جی چاہتا ہے ایسا گلا دباؤں تیرا---- ایسا دباؤں کہ یہ تیرے چمکتے دیدے ابل پڑیں باہر۔ کچھ نظر نہ آئے ایسی آنکھوں کا فائدہ۔

نواب: چاچی کالی بلی الانگ کر آئی ہے آج؟

بڑھیا: تیرے جیسا بھورا بلا ایک ہمارے زمانے میں بھی ہوا کرتا تھا گاؤں میں۔ کنک کے سٹے ایسے تو بال تھے اس کے اور کنچے جیسی رنگ بدلتی آنکھیں تھیں کبھی ہری کبھی نیلی۔ پھر اس کو بددعا لگ گئی کسی کی۔

نواب: کس کی چاچی؟

بڑھیا: کسی کی تو کیوں پوچھتا ہے؟

نواب: تو ہی کل جیبھی ہے اس گاؤں کی۔ تیری ہی بددعا لگی ہو گی تھری ناٹ تھری کی طرح۔

بڑھیا: (ہنس کر) لگ گئی چل کسی کی بددعا۔ اپنے پر عاشق ہو گیا دیوانہ۔

نواب: اپنے پر عاشق؟

بڑھیا: رو رو کر اپنے ہی ہاتھ پاؤں چومتا پر کوئی اپنے سے محبت کئے پر ٹھنڈ تھوڑی پڑتی ہے۔ (دل پر ہاتھ رکھ کر) پاگل ہو کر مرا بے چارہ گھوڑے پر سے گر کر۔

نواب: گھوڑے پر سے گر کر؟

بڑھیا: جب لوگ لاش لائے تو منہ پر کپڑا ڈال کر تھوکتے آئے بساندھ ایسی آتی تھی اس سے۔ تیرا بھی وہی حال ہو گا ویسا ہی دیکھنا تو---- لے چوم اپنا چہرہ---- رکا کیوں---- لے لے۔

نواب: کمال ہے جتنا میں ہنسی میں بات ٹالتا ہوں تو سر چڑھتی جاتی ہے۔

بڑھیا: ادھر فضل دین نے دہلیز توڑ دی ہے صوباں کے گھر کی۔ پھیرے ڈال ڈال کر۔ کیسا بھی کوئی قلعہ ہو فتح ہو جاتا ہے جو محاصرہ کئے رہو تو۔

نواب: فضل دین؟ اس کا میرا کیا مقابلہ ماسی۔ اسکے چہرے پر تو ماتا کے داغ ہیں۔

بڑھیا: بس تو دیکھتا جا ان ہی داغوں کی شوبھا کیا کرے گی صوباں سارے گاؤں میں۔ ایک ہزار دینا کیا ہے فضل دین نے صوباں کی ماں کو۔

نواب : ایک ہزار

بڑھیا : مین نے سمجھایا صوباں کی ماں کو---- وہ تو پکڑنے لگی تھی پیسے-

نواب : میں پانچ ہزار دوں گا دس ہزار دوں گا---- اپنی جان دوں گا-

بڑھیا : پانچ ہزار دے گا تو؟ دس ہزار دے گا---- تو آہا جان دے گا؟ چل جا پرے ہو تو تو پانچ پیسے اس کے سر سے وار کر نہیں دے سکتا- تجھے کیا وہ مرے جیئے کنویں میں چھلانگ لگائے کہ پھندا لگا کر مر جائے- تل دیکھ اپنے چہرے کے---- بیٹھا رہ آئینے کے آگے-

(یہ جملے بولتی بڑھیا چلی جاتی ہے- نواب گم سم ہو کر اپنے کپڑے کھینچنے لگتا ہے پھر باقی وقت وہ اپنا سامان بند کرنے میں مشغول رہتا ہے- صوباں آتی ہے-)

صوباں : ایک بوری بورے کی اور لے جاؤں نواب؟

- : سب لکڑی وکڑی لے جاہ بورا وورا سب-

صوباں : ماں تو آنے ہی نہیں دیتی تھی- فضل دین آیا بیٹھا تھا- کالی عینک لگا کر بیٹھا ہوا ہے- چارپائی پر-

نواب : (پاس آکر) وہ لچا جو تیری ماں کو ہزار روپے کا لالچ دے رہا ہے تو کہیں اس کے دام میں نہ آجانا- منہ پر چیچک کے داغ ہیں اس کے- بولتا ہے تو منہ سے چھینٹے اڑتے ہیں-

صوباں : تجھے کیا وہم پڑ گیا ہے چاچی کی طرح-

نواب : میں شہر جا رہا ہوں وہاں میرا فرنیچر یوں بکے گا یوں (چٹکی بجاکر) دنوں میں اکٹھا ہو گا ایک ہزار صوباں دنوں میں-

صوباں : شہر؟---- یہاں روپیہ اکٹھا نہیں ہو سکتا کسی طرح؟

نواب : یہاں کون فرنیچر خریدے؟ پیاز کے ساتھ تو روٹی کھاتے پھرتے ہیں سب بول میری راہ دیکھے گی کہ نہیں-

صوباں : دیکھوں گی---- (وقفہ) لیکن کتنے برس-

نواب : دنوں میں روپیہ اکٹھا ہو گا- میں تو تجھے چھوڑ کر نہیں جا سکا- ورنہ اس فضل دین کو کبھی جرات ہی نہ ہوتی-

صوباں : کتنے برس نواب؟ کچھ تو بتا جا-

نواب : (پیار سے) جب تیرے بالوں میں پہلا چاندی کا بال آجائے ناں تو پھر سمجھ لینا میرا وعدہ ٹوٹ گیا- پھر میری راہ نہ دیکھنا-

صوباں : اور جو---- جو---- سفید بال جلدی آگیا نواب تو؟

نواب : مجھ سے پہلے نہیں آسکے گا سفید بال صوباں--- میری محبت کمزور ہی سہی پر بڑھاپے جتنی کمزور بھی نہیں ہے-

(کٹ)

سین 2

ان ڈور

گہری شام

یہ مائی بلوری کا تکیہ ہے سیٹ کے وسط میں ایک ایسا مزار ہے جس کا منہ غار کی طرح کھلا ہوا ہے اور اس میں مائی بلوری کے بیٹھنے کی جگہ موجود ہے- اس مزار کے علاوہ ایک چبوترہ اور مائی کی جھگی کا بیشتر حصہ نظر آتا ہے چبوترے کے پاس ایک درخت نیم کا لگا ہے قریب فرش پر پانی کا مٹکا پڑا ہے-

منظر کے کھلتے ہی ہم دکھاتے ہیں کہ مائی بلوری جو نوجوان خاتون ہے قبر نما مزار کے اندر بیٹھی ہے اور فارسی کا نعتیہ کلام گا رہی ہے- لانگ شاٹ میں اسے گاتے ہوئے دکھاتے ہیں- یہ گانا پہلے سے ریکارڈ کرنا چاہئے- بہتر ہو کہ یہ نعت یا تو فریدہ خانم یا طاہرہ سید کی آواز میں ریکارڈ کر لی جائے- کیمرہ مزار سے (Pan) کرتا ہوا اب سارے سیٹ کا جغرافیہ دکھاتا ہے- نواب داخل ہوتا ہے اس وقت وہ پھٹے حالوں ہے کندھے پر چھوٹی صندوقچی ہے- مارے پیاس کے ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہے اس کی آتے ہی تیز ہوا چلنے لگتی ہے-

جس وقت نواب یہاں داخل ہوتا ہے تو مائی بلوری قبر کے اندر موجود ہے لیکن نواب کو نظر نہیں آتی نواب جھگی کے اندر داخل ہوتا ہے۔ جھگی کے اندر مغلیہ ٹھاٹھ کا کمرہ ہے شہ نشیں محرابیں دیواریں فانوس کی روشنی میں جگمگا رہی ہیں یہ گویا بہشت کا نمونہ ہے مائی بلوری ایک تخت پر بیٹھی ہے دو مور چھل اسے پنکھا جھل رہے ہیں۔ لیکن خادم نظر نہیں آتے جس کی وجہ سے یہ احساس ہو کہ مور چھل دست غیب سے حرکت میں ہیں۔

نواب: کوئی ہے؟--- کوئی اللہ کا بندہ--- کوئی خدا کا پیارا--- یا میرے مولیٰ---

بیہوشی کے سے عالم میں بیٹھتا ہے مائی بلوری آتی ہے اس کے آتے ہی آندھی چلنا بند ہو جاتی ہے۔ وہ آکر صراحی سے پانی نکال کر نواب کی طرف بڑھتی ہے۔

بلوری: لو پانی پیو۔

(نواب پانی لے کر غٹاغٹ پیتا ہے، اس وقت تک ہلکی موسیقی جو پہلے گانے کا حصہ تھی جاری رہتی ہے۔)

نواب: (پانی پینے کے بعد) ابھی تو آندھی چل رہی تھی۔

بلوری: پانی پیو اور نندنا پور کا رستہ لو---

نواب: میں--- آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں نندنا پور جانا چاہتا ہوں دراصل--- میرا راستہ کھو گیا تھا--- میں دو دن سے مارا مارا پھر رہا ہوں۔ اس جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا۔

بلوری: اب راستہ مل جائے گا جاؤ۔

نواب: آپ کو--- کیسے معلوم ہوا کہ میں نندنا پور کا قصد رکھتا ہوں۔

بلوری: ہر آدمی کا قصد اس کی آنکھوں میں لکھا ہوتا ہے۔ صرف دیکھنے والی آنکھ چاہیے۔

نواب: ابھی جو آندھی چل رہی تھی وہ---

بلوری: آندھی آندھی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بڑی لہر چھوٹی لہر کو کھا جاتی ہے۔ سمندر کے آگے دریا بے معنی ہیں۔ جاؤ۔

نواب: میں بہت تھک گیا ہوں۔

بلوری: پھر بھی جاؤ۔

نواب: اگر آپ اجازت دیں بہن جی تو میں گھڑی دو گھڑی کمر سیدھی کر لوں۔

بلوری: خبردار جو ہم کو کسی دنیاوی رشتے سے پکارا ہم سب بندھن سب زنجیریں توڑ چکے ہیں۔ مائی بلوری کسی کی ماں، کسی کی بہن، کسی کی بیوی نہیں بس ایک رشتہ باقی ہے۔

نواب: وہ کون سا رشتہ ہے جی؟

بلوری: یہ ہم نہیں بتا سکتے۔ ہمیں حکم نہیں ہے۔ یہ سامنے ہماری قبر ہے، اسے جنات نے تعمیر کیا ہے وقت آنے پر ہم خود اس میں داخل ہو جائیں اور وہی اس قبر کو اڑا لے جائیں گے۔ پھر یہاں ہمارا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا۔

نواب: آپ اس جگہ میں کب سے ہیں؟

بلوری: تم ہم سے یہ سب پوچھ کر کیا کرو گے؟ جاؤ نندنا پور جاؤ۔

نواب: کس طرح جاؤں کیسے جاؤں کس آس پر جاؤں۔

مائی: جس آس پر گاؤں سے چلے تھے۔

نواب: ابھی نندنا پور دور ہے۔ راستے سے میں ناواقف ہوں۔ بالفرض میں ایک اجنبی جگہ میں پہنچ بھی جاؤں تو کیا کھاؤں گا کیا پہنوں گا کمانے جوگا ہونے تک میرا کیا بنے گا؟

مائی: (ہنس کر) بس ابھی سے ہار مان گئے بودے آدمی۔ قول ہارنا سہل ہے، نبھانا مشکل ہے۔ محبت لگانا آسان ہے نبھانا مشکل ہے--- سہارا دینا آسان ہے لیکن ہمیشہ کی لاٹھی بننا بہت مشکل ہے۔

نواب: میں قول کا سچا ہوں مائی بلوری جی۔

مائی: کتنے سچے--- ہر ڈالی ایک خاص حد تک بوجھ برداشت کرتی ہے۔

نواب: میں قول کے بوجھ تلے ٹوٹ جاتا ہوں مڑتا نہیں۔

مائی: آزمائش شرط ہے۔

نواب: آزمائیے۔

مائی: (اپنے پلے سے پچاس روپے کھولتے ہوئے) لے! یہ پچاس روپے ان سے اپنا کام چلانا--- اور جب تیرے پاس سو روپیہ ہو جائے اسی روز ہمیں یہ پچاس روپے واپس کر دینا۔ یاد رہے گا تجھے---؟

نواب: رہے گا مائی بلوری جی۔

مائی : ہم کو بڑا شوق ہے کہ ہم دیکھیں لوگ اپنے وعدے کس طرح پورے کرتے ہیں، کیسے ٹوٹتے ہیں، کیسے مڑتے ہیں۔

نواب : آپ مجھے معاملے کا پکا پائیں گی۔

مائی : ہم تمہارا انتظار کریں گے۔

نواب : (رک کر) ایک ایسا ہی وعدہ میں پہلے بھی کر آیا ہوں---- پر----

مائی : کیا بات ہے؟

نواب : آپ کب تک میرا انتظار کریں گی---- میرا مطلب ہے قسمت ہی تو ہے۔ سو روپے بنیں نہ بنیں۔ آپ سمجھیں میں جھوٹا ہوں اور میرے پاس روپیہ ہی اکٹھا نہ ہو پھر---- یہ تو میں جھوٹا ہو گیا ناں۔ خواہ مخواہ۔

مائی : جاؤ روپیہ اکٹھا ہو گا۔ یہ ہماری دعا ہے---- اور ہم---- ہم تمہارا انتظار مرتے دم تک کریں گے یہ ہمارا وعدہ ہے----

نواب : میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں---

مائی : (واپس لوٹتے ہوئے) ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔

(مائی حجرہ نما مزار کی طرف لوٹتی ہے۔)

سین 3

ان ڈور

دن چڑھے

نندنا پور میں نواب کے گھر کا آنگن۔ ایک اہم جگہ پر سنگھار میز پڑی ہے اس کے دراز میں نواب روپے پیسے رکھتا ہے درمیان میں نواب کا اڈا ہے جس پر وہ رندہ وغیرہ پھیرتا ہے ایک جانب نیا فرنیچر دھرا ہے۔

نواب سنگھار میز کے سامنے کھڑا میز کو سپرٹ پالش کر رہا ہے۔ پھر وہ رک کر اپنی قمیض کی جیب سے ایک تھیلی سی نکالتا ہے اور روپے گنتا ہے۔ پھر مسکراتا ہے اور تھیلی جیب میں ڈالتا ہے اور

آئینے میں اپنی شکل دیکھتا ہے۔ اور بال درست کرتا ہے اپنے حسن کو خود ہی نظروں نظروں میں سراہتا ہے دریں اثنا بڑی خوبصورت موسیقی جاری رہتی ہے۔ اب ایک خاتون داخل ہوتی ہے۔ اس نے سر کی چادر کو اس طرح بکل بنا رکھا ہے کہ صرف آنکھیں نظر آتی ہیں۔ قمیض کے بازو بھی اتنے لمبے ہیں کہ ہاتھ آستینوں کے اندر آئے ہوئے ہیں۔

خاتون : میں آ جاؤں۔

نواب : آئیے آئیے۔

عورت : (شرمساری کے ساتھ) آپ بھی کہیں گے کہ یہ ہر بار اپنا خط پڑھوانے آ جاتی ہے، پر کیا کروں جی۔ ماں باپ نے لاڈ پیار ہی کیا پڑھانے لکھانے کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔

نواب : کوئی بات نہیں جی آپ تو تکلف کرتی ہیں۔

عورت : میری ماں کہا کرتی تھی۔ یہ تو ہیروں سے کھیلے گی اسے حرفوں کی شناخت کرانے سے کیا فائدہ؟

نواب : خط دیجئے۔

عورت : (خط پکڑاتے ہوئے) یہ---- ان مردوں کو پردیس کی ہوا راس کیوں آ جاتی ہے۔ گھر پر اللہ کا دیا سب کچھ تھا پر یہ کراچی چلے گئے۔ گھڑی کا وعدہ کر کے گئے تھے۔ اور برس لگا دیئے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

نواب : دور سے کچھ وعدے بڑے آسان سے نظر آتے ہیں۔ لیکن جب پورے کرنے لگو تو پہاڑ بن جاتے ہیں۔ کبھی آپ نے وادی میں کھڑے ہو کر کسی پہاڑ کو دیکھا ہے۔

عورت : جی ہاں قریباً سبھی نے دیکھا ہو گا۔

نواب : پہاڑ کی طرف چلنے لگو تو لگتا ہے کہ یہ پاس ہی تو ہے۔ ابھی اس کی چوٹی تک پہنچ جاؤں گا لیکن جوں جوں آدمی پہاڑ کی طرف بڑھتا ہے پہاڑ جیسے کھسکتا جاتا ہے۔ پیچھے کی طرف کبھی یہ تجربہ ہوا ہے آپ کو۔

عورت : میں تو کبھی----

نواب : آپ کے خاوند آپ کو بڑی پابندی سے خط لکھتے ہیں یہ بڑی بات ہے (ہلکی سی

آہ بھرتا ہے)

عورت: آپ کو کوئی یاد آتا رہتا ہے---- میں نے اندازہ لگایا ہے۔

نواب: لیکن مشکل یہ ہے کہ میں اسے خط نہیں لکھ سکتا۔

عورت: کیوں؟

نواب: کیونکہ وہ بھی آپ کی طرح پڑھنا نہیں جانتی۔ (خط پڑھتے ہوئے)

عزیزہ

بھٹہ صاحب نے پھر مجھے چھٹی نہیں دی اس فیکٹری میں اگر چھٹی کے بغیر نکلا تو فیکٹری کا کام رک جائے گا۔ صاحب کو بیروت سے آنے دو میں ضرور چند دن کے لئے گھر آؤں گا۔ ہمیشہ تمہارا۔

بدرالزماں بھٹہ

عورت: (نظریں جھکا کر) تمہارا کیا خیال ہے یادوں میں اتنی جان ہوتی ہے کہ انسان برس ہا برس ان کے سہارے بسر کرلے۔

نواب: (دور دیکھتے ہوئے) کئی یادیں بڑی جاندار ہوتی ہیں۔

عورت: (یکدم عام سا لہجہ بنا کر) یہ ڈریسنگ ٹیبل نہیں بکا پھر؟

نواب: جو آدمی بیعانہ دے گیا تھا وہ لینے ہی نہیں آیا پھر۔

عورت: (پاس آکر کندھے پر ہاتھ رکھ کر) دل میلا نہ کرو ہمارا کام چل جائے گا کچھ دنوں میں---- یہ---- سنگھار میز مجھے بھجوا دینا کتنی قیمت بتائی تھی اس کی۔ ساڑھے تین سو----

نواب: نہیں جی آپ پہلے ہی اس جیسی ایک ڈریسنگ ٹیبل لے چکی ہیں۔

عورت: میرے گھر میں ابھی تین اور ایسے میز کھپ سکتے ہیں۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں بھجوں گی اپنے بھائی کو---- اچھا خدا حافظ۔

(کیمرہ ان دونوں کو چھوڑ کر پھر سنگھار میز پر جاتا ہے۔ سنگھار میز کی دراز کھلی ہے۔ اس میں نوٹ اور نقدی پڑی ہے۔ کچھ اور نوٹ اوپر سے گرائے جاتے ہیں۔ منظر ڈزالو ہوتا ہے۔ پھر کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے اب نواب آئینے کی طرف پشت کئے اور ہاتھ میں ایک چھوٹا آئینہ لئے اپنی کمر کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس کا لباس پہلے سے ذرا زیادہ بہتر ہوچکا ہے۔ کیمرہ اور آگے بڑھتا ہے۔ خاتون دروازہ کھول کر داخل ہوتی ہے۔ ملیشیا کا شلوار قمیض پہنا ہے اوپر کھلی چادر ہے۔)

خاتون: آپ کہیں گے کہ یہ عورت اچھی ہے، ہر روز چلی آتی ہے۔

نواب: آیئے آیئے۔ آپ ہی کی ساری برکت ہے۔

عورت: (ہنس کر) آج میں خط پڑھوانے نہیں آئی۔ آپ سے ایک شکایت کرنے آئی ہوں۔

نواب: فرمایئے----؟

عورت: آپ کی بنائی ہوئی الماری کھلتی ہے تو چرک چوں کی آواز نکلتی ہے۔ اس میں سے۔

نواب: میں ٹھیک کر دوں گا جی۔

خاتون: (کھلے دراز کو اور کھول کر) یہ سارے پیسے کھلے چھوڑ رکھے ہیں۔ آپ نے۔

نواب: تیرہ سو روپیہ ہوا ہے۔

خاتون: آپ انہیں بینک میں جمع کروایئے۔ کل میں ساتھ لے چلوں گی آپ کو۔ اکاؤنٹ کھولیئے اپنا فوراً۔

نواب: مہربانی ہے جی آپ کی۔

خاتون: لیکن---- اگر آپ کے واپس لوٹتے تک صوباں کی شادی کر دی گئی تو----

نواب: صوباں ایسی لڑکی نہیں ہے جس کی شادی زبردستی کی جاسکے۔

خاتون: کبھی---- تمہیں بہت یاد آتی ہے صوباں۔

نواب: کبھی کبھی بہت یاد آتی ہے، پھر کبھی بری طرح بھول جاتی ہے اس کا چہرہ یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کی باتیں ذہن میں دہرانے کے کئی جتن کرتا ہوں۔ پر گاؤں کی زندگی ایک خواب سا لگتی ہے۔ گرمیوں کی دوپہر کا کھلی آنکھوں دیکھا ہوا خواب۔

خاتون: کبھی تمہارے دل میں میرا چہرہ دیکھنے کی آرزو پیدا نہیں ہوئی؟

نواب: ہوئی تھی جی شروع شروع میں۔ پھر میں آپ کی عزت ہی اتنی کرنے لگا کہ---- دراصل---- ایسی خواہشیں صوباں کے ساتھ غداری ہے جی۔

عورت: (غصے سے) افسوس تم بھی ہر خوبصورت انسان کی طرح تھوڑے بیوقوف بھی ہو میں سمجھتی تھی کہ---- تم خود ہی سمجھ لو گے۔ تم سمجھتے ہو میں---- تم سے خط پڑھوانے آتی تھی یہاں---- تم---- صرف خوبصورت ہو اور بس۔

نواب : اگر آپ کا شوہر واپس آ گیا کراچی سے یعنی اگر بھٹہ صاحب آ گئے تو؟

عورت : کونسا شوہر؟ کون سے بھٹہ صاحب---- خط کا پڑھنا پڑھوانا تو۔ صرف ایک طرح کی تقریب ملاقات تھی۔ ورنہ میرا تو کوئی شوہر نہین ہے۔ میں اکیلی ہوں اور بہت امیر ہوں۔

نواب : جی---- پتہ نہیں اب آپ کو سچا سمجھوں کہ جھوٹا؟

عورت : جو تمہارا جی چاہے، مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ میں اس جہاں میں بالکل اکیلی ہوں میرے متعلق اس شہر میں اتنی کہانیاں مشہور ہیں اتنے نقشے گھوم پھر رہے ہیں۔ میرے بارے میں کہ کبھی کبھی مجھے خود شبہ ہوتا ہے کہ کیا سچ ہے کیا جھوٹ۔ کسی نے آج تک میرا چہرہ نہیں دیکھا۔ میرے حسن کی صرف باتیں سنی ہیں۔ لیکن آج میں یہ چہرہ خود بے نقاب کروں گی----

(عورت چہرے سے نقاب اتارتی ہے کیمرہ عورت کا چہرہ دکھانے کے بجائے نواب کی حیرت اس کی محویت اس کی مکمل وارفتگی کا عالم دکھاتا ہے۔ آواز O.Lap ہوتی ہے۔)

میرے ساتھ چلو نواب۔ اس کا خیال چھوڑ دو جو تم سے ایک ہزار روپیہ مانگتی ہے میرے ساتھ چلو کئی ہزار تمہارے قدموں پر نچھاور کیے جائیں گے۔ آؤ چلو---- باہر چلو میری سیاہ کار کھڑی ہے جس کے شیشوں کے آگے بھی سیاہ پردے پڑے ہیں۔ میں سیاہ رات کی طرح سب کچھ چھپا لینے والی عورت ہوں میرے ساتھ آؤ---- آؤ---- آؤ---- ہر طرح کی نیکی ہر قسم کی بدی میری آغوش میں میٹھی نیند سو جاتی ہے۔ آؤ----

(یہاں سے نواب دروازے کی طرف چلنے لگتا ہے۔ اب عورت کی بیک کیمرے کی طرف ہے وہ دروازے کی طرف بڑھتی ہے، پیچھے نواب چلتا ہے۔ یہ منظر فیڈ آؤٹ ہو جاتا ہے۔ ٹائم لیپس کے طور پر سنگھار میز پر آتا ہے دراز خالی ہے، اس میں ایک چیک بک پڑی ہے پھر نواب کے ہاتھ اس چیک بک کو نکالتے ہیں۔ وہ ساڑھے چار ہزار کا چیک (Self) کے نام لکھتا ہے۔ کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے وہ یہ چیک جیب میں ڈالتا ہے اب وہ آئینے کے سامنے کھڑا غور سے اپنا چہرہ دیکھتا ہے ایک سفید بال اسے اپنے سر میں نظر آتا ہے وہ اس بال کو سر سے اکھاڑتا ہے۔ غور سے دیکھتا ہے۔ اس کی اپنی

آواز اس وقت اوورلیپ کرتی ہے۔ اب نواب جلدی سے اپنا سامان پیک کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس کی اپنی آواز اوورلیپ کرتی ہے۔ اس وقت وہی خاتون آتی ہے اس کے چہرے پر حسب معمول اسی طرح نقاب ہے۔)

آواز : جب تیرے بالوں میں پہلا چاندی کا بال آ جائے ناں تو پھر سمجھ لینا۔ میرا وعدہ ٹوٹ گیا۔ پھر میری راہ نہ دیکھنا صوباں۔

نواب : مجھ سے پہلے نہیں آسکے گا سفید بال صوباں---- میری محبت کمزور سہی۔ پر بڑھاپے جتنی کمزور بھی نہیں ہے۔

خاتون : میں صبح سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں تم وعدہ کر کے نہیں آئے۔ کیوں؟

نواب : آج کے بعد میرا انتظار کرنا چھوڑ دو میں واپس جا رہا ہوں۔

خاتون : کہاں؟

نواب : واپس گاؤں۔

خاتون : لیکن تم تو کہتے تھے کہ کبھی ساری عمر نندنا پور چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔

نواب : میں اور بھی بہت کچھ کہا کرتا تھا۔ لیکن سمجھتا نہیں تھا کہ میری زبان سے کیا نکل رہا ہے۔

خاتون : تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔

نواب : کیوں؟

خاتون : اس لئے کہ---- کہ تمہارے پاس واپس لے جانے کو ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔

نواب : میں اس قدر بھی بیوقوف نہیں جتنا تم سمجھتی ہو۔ میں نے اپنا بینک اکاؤنٹ ہمیشہ تم سے چھپا رکھا اس وقت میری جیب میں پورے ساڑھے چار ہزار روپے کا ایسا چیک موجود ہے جو صرف میں ہی بھنوا سکتا ہوں۔

خاتون : تم---- تم تو کہا کرتے تھے۔

نواب : میں تو اور بھی بہت کچھ کہا کرتا تھا۔ (کندھے پر ہاتھ رکھ کر) اس شہر میں اور بھی خوبصورت مرد موجود ہیں۔ صوباں کی طرح اندھا بننے کی کوشش مت کرو---- ساری بستی آباد ہے کسی بند دروازے پر دستک دو---- تمہارے لئے---- دروازہ کھل جائے گا۔

خاتون: جاؤ چلے جاؤ---- ضرور جاؤ۔ لیکن یاد رکھنا اگر دعا میں اثر ہے تو بددعا کا وار بھی کبھی خالی نہیں جاتا۔

(خاتون غصے میں دروازے کی جانب جاتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 4

ان ڈور

دن

(تکیئے پر مائی بلوری چبوترے پر قریب المرگ ہے ماتھے پر پٹی بندھی ہے اور وہ ایک طرف کو دیکھے جا رہی ہے۔ یکدم آندھی چلنے لگتی ہے۔ پھر مائی بلوری ہاتھ اٹھاتی ہے، آندھی رکتی ہے۔ نواب آتا ہے۔

نواب: کوئی ہے؟ کوئی اللہ کا بندہ؟ کوئی خدا کا پیارا---- یا میرے مولیٰ۔

بلوری: تم آگئے بالاخر---- یہاں سے پانی پی لو----

نواب مٹکے میں سے پانی نکال کر پینے لگتا ہے۔

نواب: ابھی تو آندھی چل رہی تھی۔

بلوری: ہمارے تکیئے کی طرف کوئی آتا ہے، تو آندھی چلنے لگتی ہے لیکن آندھی آندھی کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

نواب: ایسے لگتا ہے---- جیسے کسی گرمیوں کی دوپہر میں---- ادھ کھلی آنکھوں سے میں نے کوئی خواب دیکھا ہو۔

بلوری: یاد کرو---- ذہن پر بوجھ دو۔

نواب: یہ جگہ---- یہ---- قبر---- یہ چبوترہ---- یہ---- حتیٰ کہ آپ کا چہرہ بھی ہلکی سی یاد بن کر ذہن میں ابھرتا ہے۔

بلوری: تمہیں---- اور کچھ یاد نہیں رہا۔

نواب: اور کچھ؟

بلوری: کوئی وعدہ؟ کوئی قول؟

نواب: بڑی بھول ہوگئی تھی مجھ سے۔

بلوری: شکر ہے تمہیں یاد تو آیا۔

نواب: جب میں صوباں کے آگے ساڑھے چار ہزار کا چیک قدموں میں ڈال دوں گا۔ تو وہ جدائی کی ساری گھڑیاں بھول جائے گی۔

بلوری: اس وعدے کے علاوہ---- اور کچھ؟

نواب: اس کے علاوہ" اس کے علاوہ تو اور کچھ نہیں ہے۔

بلوری: اور---- اور زور ڈالو ذہن پر----

نواب: اس جگہ سے جو خوشبو سی آتی ہے---- روح کیوڑے کی سی---- یہ خوشبو بڑی جانی پہچانی سی ہے۔

بلوری: ہم نے مرتے دم تک تمہارا انتظار کیا---- محض یہ دیکھنے کو---- کہ تم قول کے کتنے سچے ہو---- پر انسان کا وعدہ تو ریت کا گھر ہے۔ دو بوند پانی کی گرے تو ڈھے جاتا ہے، ڈھے جاتا ہے، ڈھے جاتا ہے۔

(یہ کہتے ہوئے مائی بلوری کا دم نکل جاتا ہے۔ نواب یکدم دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے پھر مٹکے سے پانی لے کر چھینٹے مارتا ہے اس کے بعد وہ چادر جو اب تک مائی بلوری کے کندھوں تک ہے چہرے پر ڈال دیتا ہے۔ اب نواب گھبرا جاتا ہے وہ بھاگ کر آگے آتا ہے کیمرے میں اس کا صرف کلوزاپ رہ جاتا ہے۔)

نواب: کوئی ہے؟ کوئی اللہ کا بندہ---- کوئی خدا کا پیارا---- کوئی ہے؟---- کوئی بندۂ خدا؟

(یہ کہہ کر وہ واپس لوٹتا ہے۔ مائی بلوری چبوترے پر موجود نہیں ہے۔ ہراساں ہو کر قبر تک بھاگ کر جاتا ہے وہ غائب ہے۔ اب ساری جگہ خالی پڑی ہے وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتا ہے پھر واپس لوٹتا ہے منہ پونچھنے کے لئے رومال نکالتا ہے۔ یکدم اپنی جیبیں ٹٹولتا ہے چیک غائب ہے۔ پھر صندوق کھول کر دیکھتا ہے

کپڑے باہر پھینکتا ہے ہراساں ہوجاتا ہے ادھر ادھر دیکھتا ہے پھر جھگی کے دروازے تک جاتا ہے اس پر دستک دیتا ہے ماتھے پر سے پسینہ پونچھتا ہے۔ سسپنس (Suspence) کی موسیقی جاری رہتی ہے۔ دروازے کو اندر کی طرف دھکیلتا ہے۔)

کٹ

سین 5

ان ڈور

وہی وقت

(نواب جھگی کے اندر داخل ہوجاتا ہے۔ یہاں مائی بلوری تخت پر بیٹھی ہاتھ میں بہت سے کنچے لئے بیٹھی ہے۔ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس ہے اور پھولوں کا زیور پہنے ہوئے ہے۔ تخت پر وہ ایک کنچا پھینکتی ہے پھر دوسرے کنچے سے اس کنچے کو بچوں کی طرح نشانہ تاک کر مارتی ہے۔ نواب داخل ہو کر ششدر رہ جاتا ہے۔)

نواب: آپ یہاں ہیں؟

مائی: تم کیا سمجھتے ہو ہم کہاں ہیں؟

نواب: ابھی تو آپ--- چبوترے پر تھیں---- میں سمجھا آپ خدانخواستہ۔

مائی: اللہ کا شکر ہے کہ ہم مر گئے خدانخواستہ کیوں؟

نواب: نہ باہر چبوترا، رہا نہ مزار---- نہ آپ۔ میں تو پریشان ہوگیا تھا۔

مائی: تم ہمارے لئے پریشان نہیں تھے۔ ہم سے جھوٹ مت بولو۔

نواب: جی؟

مائی: (گاؤ تکیئے تلے سے چیک نکال کر) تم اس کاغذ کے پرزے کے لئے ہراساں تھے۔ مادی انسان کو ایسے کاغذوں سے بہت پیار ہوتا ہے لو۔ اور جاؤ۔

نواب: (یکدم جیسے کچھ یاد آگیا ہو) آپ---- آپ تو مائی بلوری ہیں۔

مائی: پھر---؟ اب یاد آیا تمہیں جب ہم باقی نہیں رہے۔

نواب: میں نے آپ سے ایک وعدہ کیا تھا۔ میں---- نے۔ مجھے آپ کو۔ پچاس روپے دینے ہیں، میں نے۔

مائی: رہنے دو---- ہم نے تمہیں صرف تمہارا قول یاد کرانے کے لئے بلایا تھا---- اگر تمہارا چیک گم نہ ہوتا تو تمہیں کبھی کچھ یاد نہ آتا اب جاؤ۔

نواب: آپ مجھے یہاں اپنے قدموں میں رہنے دیں میں آپ کی بہت خدمت کروں گا۔

مائی: ہم تو خود خدمت کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ ہمیں تمہاری خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔

نواب: یہاں آکر جیسے میرے دل سے منوں بوجھ اتر گیا ہے میں پھول کی طرح ہلکا ترو تازہ ہوگیا----

مائی: جاؤ----

نواب: اتنی جلدی۔

مائی: تمہیں کیا معلوم یہاں ایک پل کتنا لمبا ہے۔ باہر کی کائنات کس تیزی سے گھوم گئی ہے اتنے وقفے میں۔ جاؤ---- اور یاد رکھنا---- وعدے کا پاس سنت رسولؐ ہے---- جاؤ اب اور یاد رکھو ایسا کوئی وعدہ کبھی نہ کرو جو کسی پچھلے وعدے کی نفی کرتا ہو جاؤ----

نواب: میں جانا نہیں چاہتا۔

مائی: تم یہاں رہ نہیں سکتے۔ یہ جگہ گوشت پوست کے بنے ہوئے انسانوں کے لئے نہیں ہے---- جاؤ۔

(نواب آہستہ آہستہ باہر کی طرف چلتا ہے منظر بدلتا ہے۔)

کٹ

سین 6

ان ڈور

شام

(نواب کا مکان اب شکستہ صورت ہو چکا ہے جالے لگے ہیں' اینٹیں ٹوٹی ہیں تختے گرے ہیں۔ نواب اچھے لباس میں ملبوس ہے اس نے شلوار قمیض پہن رکھی ہے جگہ بناتا آگے بڑھتا ہے۔ پھر چیزیں اٹھاتا ہے۔ موسیقی جاری ہے اب صوباں داخل ہوتی ہے۔ وہ بالکل بوڑھی ہو چکی ہے ہاتھ میں پانی کی بھری بالٹی ہے۔ آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے--- بالٹی دہلیز میں رکھتی ہے۔ نواب کی پیٹھ صوباں کی طرف ہے جب وہ پلٹتا ہے اور صوباں کو دیکھتا ہے تو ایک بینگ کے ساتھ اس کا ردعمل دکھایا جاتا ہے۔)

صوباں: یہ پٹ کس نے کھولا؟ کون ہے اندر۔

نواب: میں ہوں مائی جی۔

صوباں: کون ہے تو--- میرے پاس آ ذرا--- بڑی جانی پہچانی آواز ہے تیری۔

نواب: (پاس آتے ہوئے) تو--- تو--- صوباں ہے---؟ ---- صوباں۔

صوباں: میرا نام تجھے کس نے بتایا--- تو مجھے بتاتا کیوں نہیں کہ کون ہے تو؟

نواب: میں بچھڑے ہوئے وقت کی آواز ہوں صوباں۔

صوباں: (غور سے پاس آکر دیکھتے ہوئے) تو--- تو نواب کا پوتا ہے۔ میں نے پہچان لیا ہے تجھے--- وہی آنکھیں ہیں وہی بال ہیں۔ وہی آواز ہے--- پر تجھ میں وہ بات نہیں ہے بیٹا جو اس میں تھی۔

نواب: میرے دادا میں کیا بات تھی صوباں؟

صوباں: وہ--- کیا لے گا پوچھ کر--- اب کیا رہ گیا ہے ان باتوں میں۔ وہ تو پورنماشی کا ایسا چاند تھا۔ جس کی روشنی میں گاؤں کی ساری لڑکیاں ناچتی پھرتی ہیں---

پر چاند تو ہمیشہ سفر کرتا ہے کبھی گھٹتا ہے کبھی بڑھتا ہے ایک جگہ تھوڑا کھڑا رہتا ہے کبھی۔

نواب: تو بھی ناچا کرتی تھی اس کی روشنی میں صوباں---؟

صوباں: اب کیوں تو مجھے ڈسنے لگا ہے پرانی یاد بن کر--- یہاں سے چلا جا بیٹا یہ گاؤں اچھا نہیں ہے تو بھی نندنا پور چلا جا---

نواب: مجھ سے تو دادا کہا کرتا تھا۔ کہ تجھے اس سے بڑی محبت تھی؟

صوباں: بیٹا مرد کی ذات تو بت پرست ہے۔ کئی چھوٹے بڑے بت نکلتے ہیں اس کے دل میں سے۔ عورت توحید پرست ہے۔ اس کا دل چاک کرو تو اللہ کے بعد ایک ہی خدا نکلتا ہے۔ اس کے لہو میں رنگا ہوا۔ پر اب کیا فائدہ---؟ جا--- اس گاؤں میں تیرا بھلا نہ ہوگا یہاں صوباں کی آہیں پھرتی ہیں ہر طرف کہیں تجھے ہی نہ ڈس لیں۔

نواب: تو نے دادا کا انتظار کیوں نہ کیا صوباں۔

صوباں: کیا--- بہت کیا--- پہلے پہل جب میرے بالوں میں سفید بال آنے لگے تو میں انہیں روز نوچ نوچ کر علیحدہ کر دیتی--- پھر میں انہیں چوری چوری رنگنے لگی--- پر آخر جب آدھا سر سفید ہوگیا--- تو--- تو--- پھر میں ہار گئی۔

نواب: آدھا سر۔

صوباں: تو کیا سمجھے گا--- ان باتوں کو--- میں تو کہتی ہوں اس گاؤں میں مت رہنا--- تو بھی پورنماشی کا چاند ہے اور میری جوان نواسیاں بھی میری طرح پاگل ہیں۔ اندھی ہیں۔ یہاں سے چلا جا--- بس میری تو یہی خواہش ہے--- (رک کر) تیرا دادا زندہ ہے بیٹا کہ مرگیا؟

نواب: زندہ تو ہے صوباں پر یوں سمجھ لے کہ مرگیا ہے---

صوباں: (جاتے ہوئے) ہاں بڑھاپے میں کوئی زندہ تھوڑی رہتا ہے۔ ایک بالٹی کا بوجھ تو ہاتھ پیر اٹھا نہیں سکتے زندگی کا بوجھ کیسے اٹھے ایسے جسم سے۔

(صوباں بولتی بولتی چلی جاتی ہے۔ نواب دیوار کے ساتھ لگے ہوئے آئینے کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس آئینے میں بال آچکا ہے۔ وہ چہرہ دیکھتا ہے۔ اس کے چہرے میں بھی بال آیا نظر آتا

ہے۔ نواب چہرہ دیکھتا رہتا ہے۔ پھر کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے نواب چیک پھاڑ کر پھینکتا ہے----- سوٹ کیس اٹھاتا ہے اور باہر کی طرف بڑھتا ہے۔ زور سے آندھی چلنے لگتی ہے---- ہال آئے آئینے میں آدھی جگہ نواب کی نوجوان شکل اور آدھی میں اس کا بوڑھا چہرہ نظر آرہا ہے۔

کٹ

میل ملاپ

کردار:

- **ماورا** — ہیروئن۔ لمبی سیاہ روشن آنکھوں اور لمبے بالوں والی، دراز قد، مشرقی لڑکی، حسن کا نمونہ، کم گو، مگر آنکھوں میں کہانیاں ہی کہانیاں، سوگوار، غمناک اور دکھی ہونے کے باوجود ہروقت مسکراتی ہوئی۔
- **فی فی** — محفل کی جان، چھوٹے قد، چھریرے بدن کی، ناچنے والی لڑکی، جو رقص کرتے ہوئے تھکتی ہی نہیں۔
- **ڈامے** — ڈھولک نواز، شوخ و شنگ، گیتوں کی لائبریری، خوش آواز۔
- **نوشی** — ماہی منڈا۔ جینز یا بیل باٹم اور کارڈ رائی کی جیکٹ پہننے والی۔ خواہ مخواہ کی ٹام بوائے۔ اندر سے بھرپور دوشیزہ۔
- **تارا** — خوش آواز، خوش گفتار، خوش ادا، ناچ میں فی فی کی سنگت کرنے والی۔
- **گنبد** — موٹی سہیلی، جو ہرہلا گلا محفل میں شریک ہونے کی شوقین ہے۔ لیکن بہت ست الوجود ہے اور لیٹی رہتی ہے اور سب کے کاموں میں کیڑے نکالتی ہے۔
- **راحت** — شلوار قمیض والی مشرقی لڑکی، ذرا سی شرمیلی، ڈھولک کے ساتھ تالی بجانے والی، اور غزلوں کی شوقین۔
- **سجاد** — ہیرو ۔ ایم ایس سی، نوجوان جو ان دنوں کینیڈا کے ایٹمی ری ایکٹر میں ریسرچ کر رہا ہے۔
- **خالہ** — ماورا کی والدہ۔ ادھیڑ عمر کی بیوہ جس کی ایک ہی لڑکی ہے، امیر خاتون، زمینوں اور جائیداد کی مالک
- **دو لڑکے** — دو نوجوان جو سجاد کے ساتھ فائٹ کرتے ہیں ان کے چہرے نظر نہیں آتے۔

سین ۱

ان ڈور

شام

(جب سین کھلتا ہے تو فی فی کا کلوزاپ نظر آتا ہے۔ جو گھبرائی ہوئی کھڑی ہے۔ ہونٹ کانپ رہے ہیں اور اعصابی کیفیت میں مبتلا ہے۔)

فی فی: ناظرین! السلام علیکم ۔ ذہنی آزمائش کے پروگرام "میل ملاپ" کی میزبان فی فی حاضر خدمت ہے۔ (کانی آنکھ سے فلور منیجر کی طرف دیکھتی ہے) سب سے پہلے آپ اس پروگرام کے مہمانوں سے ملئے----

(اس کے پہلو میں اس کی سہیلیاں کرسیوں پر بیٹھی ہیں۔ کرسیوں کی اس قطار کے سامنے بازوؤں والی صوفہ نما کرسی پر ماورا کی والدہ (خالہ) بیٹھی سویٹر بن رہی ہیں۔)

فی فی: آپ ہیں مس ماورا---- ان کے ساتھ مس ڈامے، اس کے بعد نوشی، پھر تارا---- آپ ہیں راحت اور سب سے آخر میں مس گنبد۔ خواتین و حضرات! پیشتر اس سے کہ ہم چالو کریں آپ مجھ سے ایک لطیفہ سن لیجئے: ماسٹر: حامد بتاؤ دن کے وقت چاند کیوں نہیں نکلتا۔ حامد: اس لئے کہ سورج پہلے سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ (زور سے ہنستی ہے، پھر کھسیانی ہنسی ہنستی ہے) خواتین و حضرات میں آپ سے تعارف کروانا بھول ہی گئی۔ اس پروگرام کی مہمان خصوصی ہیں خالہ زبیدہ۔ (سب تالیاں بجاتی ہیں) اب ہم آپ کے سامنے میوزیکل چیئرز کا کھیل پیش کریں گی اور خالہ اس میں ریفری کی خدمات سرانجام دیں گی۔

(فی فی خود بھی لڑکیوں کے گروہ میں چلی جاتی ہے۔ سب اٹھ کر کھڑی ہوتی ہیں۔ خالہ گود میں رکھا ہوا پورٹیبل ٹیپ ریکارڈ کا بٹن دباتی ہیں۔ سب لڑکیاں تیزی

کے ساتھ کرسیوں کے اردگرد گھومتی ہیں۔ میوزک بند ہوتا ہے اور بیچاری گنبد باہر رہ جاتی ہے۔)

(تالیاں)

فی فی: بھئی اپنے ساتھ یہ کرسی بھی لیتی جاؤ گنبد۔

گنبد: میں نہیں لے جاتی۔ ایک تو مجھے باہر نکال دیا دوسرے میں کرسی اٹھاتی پھروں۔

(فی فی ایک کرسی اٹھا کر خالہ کے پاس رکھ دیتی ہے۔ گنبد اس پر بیٹھ جاتی ہے۔ پھر میوزک شروع ہوتا ہے اور بند ہوتا ہے اس طرح سے قدرتی طور پر جو جو لڑکی باہر نکلتی جاتی ہے وہ نکلتی جائے۔ آخر میں جو لڑکی جیتے خالہ تھیلے سے ایک پیکٹ گوٹے میں بندھا ہوا نکال کر دے اور سب تالیاں بجائیں)

نوشی اور تارا: ہائے بھئی سچ بڑا مزا آیا۔

گنبد: خاک مزا نہیں آیا۔ یہ کوئی کھیل ہے۔ بچے کھیلا کرتے ہیں، ایسے کھیل۔ پرائمری کے ٹائنی ٹائس۔

فی فی: اوہو تمہیں تو کچھ پسند ہی نہیں آتا ملکہ عالیہ۔

راحت: بتاؤ پھر کیا کریں؟

گنبد: مجھے کیا معلوم فی فی سے پوچھو۔

ڈامے: فی فی تو بتا چکی۔ اب تمہاری باری ہے۔

گنبد: تم سب میرے سامنے بیٹھ کر قوالی کرو۔

تارا: لاؤ بیعانہ۔

گنبد: واہ بیعانہ کیسا۔ جس شعر پر ہم کو وجد آئے گا ہم تمہیں روپیہ دیں گے۔

فی فی: اور پتہ کیسے چلے گا کہ تم کو وجد آرہا ہے۔

گنبد: جس شعر پر سر ہلے گا سمجھ لینا وجد آرہا ہے۔

نوشی: اتنے بڑے جسم میں اتنا سا سر ہلے گا تو ہمیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ہل رہا ہے۔ (ہنستی ہیں)

ڈامے: بھئی کوٹلہ چھپاکی کھیلتے ہیں۔

تارا: ونڈر فل، آئیڈیل۔

گنبد: ونڈر فل---- آئیڈیل---- خدا قسم تم لڑکیوں کو ذرا بھی

(Sense of Proportion) نہیں۔ اس عمر میں کوٹلہ چھپاکی کھیلو گی---- (Most Unromantic Game)

نوشی: بھئی فار گاڈ سیک۔ چپ رہو گنبد۔

فی فی: ہائے بھئی تم بھی کچھ بولو ماورا جان۔ ہم تمہارے مہمان ہیں۔ اور تم منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی ہو۔

راحت: واقعی ماورا بڑی (Unsporty) ہو تم۔ ہم لوگ تمہاری شکل دیکھنے لائلپور نہیں آئے۔ (Sense of Participation) لے کر آئے ہیں۔

خالہ: ٹھیک کہہ رہی ہیں بیٹا تمہاری سہیلیاں۔ کچھ ہنسو بولو کچھ ان کو گیمز کھلاؤ۔

تارا: ہم بھی لاہور (Good Memories) لے کر جائیں کہ ماورا کے لائلپور میں اچھا وقت گزارا تھا۔

ماورا: ہائے بھئی میں کیا کہتی ہوں۔ تم جو فیصلہ کرو گی میں اس پر عمل کروں گی۔

فی فی: ٹھیک ہے بھئی چلو بیٹھو سب قالین پر---- (چٹکی بجاکر) چلو چلو---- بھئی اٹھو---- جلدی کرو---- Look Sharp گنبد Look Sharp (لڑکیاں بیٹھنے لگتی ہیں)

گنبد: نہیں بھئی میں نہیں کھیلوں گی۔

خالہ: نہیں بیٹے کھیلو۔ کھیلنا کیوں نہیں۔

گنبد: خالہ جان بڑی چوٹ لگتی ہے کوڑے کی۔

فی فی: (کوڑا بٹتے ہوئے) تمہارے پیچھے نہیں رکھیں گے تم آؤ تو سہی۔

(گنبد بڑی سستی اور کسلمندی سے آکر دائرے میں بیٹھ جاتی ہے اور کھیل شروع ہوتا ہے فی فی چکر کاٹ رہی ہے)

فی فی: (چکر کاٹتے ہوئے) کوٹلہ چھپاکی جمعرات آئی اے۔ جیڑھا پیچھے دیکھے اوہدی شامت آئی ہے۔ کوٹلہ چھپاکی جمعرات۔

اس کی چکر کاٹنے پر کوئی لڑکی اپنے پیچھے ہاتھ پھیر کر دیکھتی ہے۔ اور فی فی اس کو کوڑا مارتی ہے۔ پھر وہ کوڑا ماورا کے پیچھے رکھ دیتی ہے۔ جو اسی طرح سر نیہوڑائے اور کندھے جھکائے بیٹھی رہتی ہے۔ فی فی چکر کاٹ کر اس کو پیٹنا شروع کر دیتی ہے۔ سب کہتی ہیں۔ "بھاگو بھاگو ماورا بھاگو"---- لیکن اپنی جگہ بیٹھی پہلے سر

پیچھے اٹھا کر مسکراتی ہے پھر بھاگ کر چکر کاٹ کر واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھتی ہے۔

گنبد: (اپنی جگہ سے اٹھ کر خالہ کے پاس جا کر) بالکل بور کھیل ہے۔ خالہ جان۔

نی نی: تم کو تو ہر چیز بور نظر آتی ہے۔

گنبد: بھئی بور ہے تو میں بور کہتی ہوں نی نی۔

نوشی: (اٹھتے ہوئے) رہنے دو۔ تمہارے تو سارے خاندان کو ہر چیز بور نظر آتی ہے۔

راحت: (اٹھتے ہوئے) یہ کھانا بور ہے، یہ کھیل بور ہے، یہ فلم بور ہے، یہ دن بور ہے، یہ رات بور ہے۔

سب لڑکیاں اٹھتی ہیں، کوئی کرسی پر کوئی کرسی کے ساتھ سب خاموش ہو جاتی ہیں۔ خالہ نی نی سے کہتی ہے۔

خالہ: نی نی بیٹا کوئی گانا سناؤ۔

نی نی: کیسا گانا۔

خالہ: کوئی فلمی---- کوئی ریڈیو کا، کوئی گیت۔

ڈامے: بیاہ شادی کے گیت خالہ، بیاہ شادی کے گانے۔

تارا: ڈھولک ہے خالہ آپ کے یہاں۔

خالہ: ادھر سرونٹس کوارٹر میں ہے۔ رانی کے پاس۔

نوشی: جاؤ ماورا ڈھولک لے آؤ اپنی رانی کے یہاں سے۔

(ماورا اثبات میں سر ہلاتی ہے۔ اور ہولے ہولے قدم اٹھاتی نکل جاتی ہے۔)

ڈامے: بھئی ایسے نہیں گائے جا سکتے بیاہ شادی کے گانے۔

نوشی: ہاں دلہن بھی ہونی چاہئے۔ بیچ میں ایک۔

تارا: پکڑو پکڑو، ماورا کو دلہن بنا کر اڑاؤ۔ جاؤ نوشی تم اور نی نی۔

خالہ: نہیں نہیں، دلہن بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسے ہی گاؤ۔ ایسے ہی رونق میلہ لگاؤ۔

تارا: نہیں خالہ ہم تو آج رات ماورا کو دلہن بنائیں گے۔

خالہ: وقت سے پہلے لڑکی کا دلہن بننا کچھ اچھا شگون نہیں ہوتا۔

ڈامے: لیجئے۔ اچھا کیوں نہیں ہوتا ہم تو بیسیوں مرتبہ بنی ہیں دلہن ڈراموں میں۔

خالہ: شاید اس کو اچھا نہیں لگے گا۔

نی نی: اچھا کیسے نہیں لگے گا بھلا۔ دلہن بننے کا تو ہر لڑکی کو ارمان ہوتا ہے۔

خالہ: تم میں سے کوئی بن جائے بیٹا۔

نی نی: نہیں خالہ جان جو روپ ماورا پر آئے گا وہ ہم میں سے کسی پر نہیں آئے گا۔

ڈامے: ہائے پلیز خالہ جان مان جایئے ناں---- آپ نے اس کا جوڑا تو بنا رکھا ہو گا ہے ناں خالہ جان۔

خالہ: وہ تو بنا رکھا ہے---- لیکن---- مجھے یونہی وہم سا ہوتا ہے----

نی نی: (گلے میں بانہیں ڈال کر) پلیز خالہ جان---- ہمیں کوئی روز روز فیصل آباد آنے کی اجازت تھوڑی ملے گی۔

خالہ: اچھا بھئی جو تمہارے جی میں آئے کرو۔

سب لڑکیاں "تھینک یو خالہ جان تھینک یو۔ تھینک یو ویری مچ" کہتی ہوئی بھاگتی ہیں۔ فیلڈ میں صرف گنبد، خالہ جان اور راحت رہ جاتی ہیں۔

راحت: خالہ جان کب کر رہی ہیں آپ ماورا کی شادی۔

خالہ: جب اس کا حکم ہو گا ہو جائے گی۔

راحت: جہیز تو تیار کر لیا ہو گا آپ نے۔

خالہ: ہاں کچھ ہے ہی۔

گنبد: آپ تو کہتی تھیں بی۔اے کے بعد کر دیں گے اس کی شادی۔ لیکن اب تو سال سے اوپر ہو گیا اسے بی۔اے کئے ہوئے۔

راحت: ہائے خالہ جان اسے لاہور ہی رہنے دیتیں ہمارے ساتھ ہوسٹل میں ایم۔اے کر لیتی۔

خالہ: ایم۔اے، بی۔اے میں کیا رکھا ہے بیٹا۔ نصیب اچھے ہونے چاہئیں لڑکیوں کے۔

راحت: وہ تو ٹھیک ہے خالہ جان۔ پھر بھی تعلیم اچھی ہی ہوتی ہے۔

گنبد: کتنے جوڑے بنوائے ہیں آپ نے ماورا کے لئے۔

خالہ: اسی کو معلوم ہے میں نے تو کبھی گنے نہیں----

راحت: ہمارے امتحانوں کے بعد کیجئے گا اس کی شادی خالہ جان نہیں تو ہم جی بھر کے بلا گلا نہیں کر سکیں گے۔

خالہ : کیوں نہیں- سہیلیوں سے پوچھے بغیر میں کیسے رکھ سکتی ہوں اس کے بیاہ کی تاریخ-

گنبد: منگنی تو ہو چکی ہے ناں اس کی خالہ جان-

راحت: ہائے بیوقوف منگنی تو کب کی ہو چکی اس کی- اسی لئے تو بی-اے کے بعد اسے لاہور سے بلوایا تھا خالہ نے شادی کرنا چاہتے تھے اس کی-

خالہ : بھئی تم بیٹھو، میں جاکر اسے چابیاں دے آؤں، جہیز والے ٹرنکوں کی-

راحت: خالہ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے، ماورا کا جہیز دیکھنے کو-

خالہ : سارا جہیز؟

راحت: صرف جوڑے خالہ---- آؤ گنبد---- اجازت ہے نا ہمیں-

خالہ : ضرور، ضرور، کیوں نہیں- آؤ میرے ساتھ-

(تینوں فیلڈ سے نکلتی ہیں-)

ڈزالو

سین 2

ان ڈور

شام گئے

وہی کمرہ، قالین پر سے اب کرسیاں غائب ہیں اور ایک چوکی پڑی ہے- دلہن بنی ہوئی ماورا کو ساری لڑکیاں گھیرے میں لے کر آتی ہیں- اور چوکی پر بٹھا دیتی ہیں- ڈامے ڈھولک لے کر پہلو میں بیٹھتی ہے- سب لڑکیاں گانا شروع کرتی ہیں- اس گانے پر خالہ کچھ اداس سی ہو جاتی ہے- کیمرہ جھکی ہوئی دلہن کے سر کا کلوزاپ لیتا ہے اور پھر اسی کلوزاپ پر ڈزالو دے کر کیمرہ ٹریک بیک کرتا ہے-

ڈزالو

سین 3

ان ڈور

رات

(ایک سجا سجایا حجلہ عروسی کا چھپرکٹ اس پر ماورا سر جھکائے بیٹھی ہے- کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے- تو ہم دروازے میں سے اسے چھپرکٹ پر بیٹھے دکھاتے ہیں کیمرے کی طرف بیک کئے دولہا اندر داخل ہوتا ہے اور دلہن کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے-)

دولہا: مجھے افسوس ہے بیگم صاحبہ کہ یہ میری اور آپ کی پہلی اور آخری ملاقات ہے- میں نے امی کی خوشی کے سامنے سر تسلیم کیا اور ان کی آرزو پوری کر دی- آج سے آپ اپنے آپ کو بیگم سجاد کہہ سکتی ہیں- لیکن میری شریک حیات نہیں بن سکتیں- میں نے جس کے ساتھ شادی کرنے کا تہیہ کیا ہے- وہی میرے رنج و غم کی شریک ہوگی- مجھے واقعی افسوس ہے اور میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں- لیکن میں اپنے ارادے کے ہاتھوں مجبور ہوں---- خدا حافظ

(دولہا کے آخری فقروں پر ہم دلہن کے ہاتھوں کا کلوز لیتے ہیں جن پر آنسوؤں کے قطرے گرتے ہیں خیال رہے کہ دولہا کے مکالموں کے پس منظر میں ڈھولک کی مدھم آواز اور وہی گیت سنائی دیتا رہے-)

(جب ہم واپس لڑکیوں اور ڈھولک والے سین پر آتے ہیں تو دلہن کے ہاتھ پر آنسوؤں کے قطرے گرے ہوئے ہیں-)

ڈامے : (ڈھولک روک کر) ہائے میری جان---- دلہن تو واقعی رونے لگی-

ٹی ٹی: (دلہن کے ہاتھ تھام کر) کیا بات ہے ماورا-

ماورا: کچھ نہیں- یونہی-

خالہ: میں نے کہا تھا ناں لڑکیو ایسے گانوں کا دل پر اچھا اثر نہیں ہوتا۔

گنبد: انہوں نے گانا ہی ایسا بور شروع کیا تھا کوئی تیز ردم کا گانا ہوتا Hillarious Song ہوتا تو کیوں روتی ماورا۔

ماورا: ہائے نہی، بھئی میں روئی تو نہیں بالکل۔

تارا: اور یہ ہاتھوں پر اوس کے قطرے ہیں کیا۔

خالہ: چلو چھوڑو۔ کوئی اور کھیل کھیلو۔ یہ ٹھیک نہیں۔

نی نی: نہیں خالہ جان کتنی پیاری لگ رہی ہے ہماری ماورا۔ ہم تو اسی کے بیاہ کے گانے گائیں گے۔

راحت: دیکھئے تو کیا روپ چڑھا ہے ماشاء اللہ۔

نوشی: بھئی گانا ہو لیکن Sad نہ ہو۔

تارا: اٹھو نی نی، آؤ نوشی--- چلو راحت--- تارا--- اٹھو--- ڈامے ذرا لگانا تو وہی ٹھیکہ نمبر تھرٹین۔

سب کھڑی ہوتی ہیں اور ڈامے ڈھولک پر سمی کی دھن بجاتی ہے۔ اس دھن پر باقی کی ساری لڑکیاں جھومر ڈال کر ناچنا شروع کردیتی ہیں۔ گنبد دوسرے چکر پر اٹھ کر ان میں شامل ہوجاتی ہے۔ ان سب کو دیکھ کر ماورا مسکرانے لگتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی خالہ خوش ہوجاتی ہے۔ اٹھ کر اپنی کرسی پر جاکر پھر سویٹر بننے لگتی ہے۔ مناسب وقت تک سمی کا ناچ جاری رہتا ہے۔ پھر اچانک ماورا کی نگاہیں پہلو والے برآمدے کی طرف پڑتی ہیں۔ جہاں اندھے شیشے کی روشنی میں تین آدمی ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ شیشے پر صرف ان کے سائے نظر آتے ہیں۔ ماورا چپکے سے اپنی جگہ سے اٹھتی ہے اور ادھر چل دیتی ہے۔ جس وقت وہ دروازہ کھول کر برآمدے میں آتی ہے۔ تو دو آدمی اس کے سامنے بھاگ جاتے ہیں اور تیسرا جو پتلون اور گرم سویٹر پہنے ہے ان کے برآمدے میں بیہوش گرا ہوا ہے۔ اس کے ماتھے سے اور منہ سے خون بہہ رہا ہے۔ ماورا کبھی اندر دیکھتی ہے کہ کسی کو بلائے اور کبھی پریشان ہو کر اس آدمی کو چھونا چاہتی ہے۔ پھر

رک جاتی ہے--- اسی تذبذب میں وہ گرے ہوئے نوجوان کے پاس بیٹھتی ہے اور اس کا سر اٹھانے کی کوشش کرتی ہے نوجوان اس کے ہاتھ کا سہارا پانے پر ہولے سے سر اٹھاتا ہے اور برآمدے کے ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتا ہے۔

ماورا: کیا بات ہے؟ یہ کون لوگ تھے؟ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

سجاد: (ماتھے پر سے خون پونچھ کر) پتہ نہیں کون لوگ تھے--- کہاں سے آئے تھے اور کیا چاہتے تھے--- آپ کی کوٹھی سے ذرا پہلے انہوں نے مجھ پر حملہ کردیا--- میں بھاگ کر پناہ لینے کے لئے ادھر آپ کے برآمدے کی طرف بھاگا--- یہاں سے ڈھولک کی آواز آرہی تھی--- کوئی شادی ہے آپ کے یہاں۔

ماورا: جی؟

سجاد: (اٹھتے ہوئے) مجھے افسوس ہے کہ میں نے شادی والے گھر میں آکر آپ کو پریشان کیا۔

(اٹھ کر جانے لگتا ہے لیکن لڑکھڑا کر گر جاتا ہے ماورا لپک کر اس کے پاس جاتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے اس کا سر اٹھاتی ہے اور اپنے گوٹے دار دوپٹے سے اس کا ماتھا چھو کر اپنی انگلیاں دیکھتی ہے اور پھر اپنے گوٹے والے دوپٹے کی پٹی پھاڑ کر اس کے ماتھے پر باندھ دیتی ہے۔ سجاد اسے محبت سے دیکھتا ہے۔

سجاد: میرا نام سجاد ہے اور میں کینیڈا کے ایٹمی ری ایکٹر میں Radiation Bioligocal کا ریسرچ سکالر ہوں۔

ماورا: میرے خیال میں آپ کو زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

سجاد: پورے چار سال بعد میں چند روز کے لئے اپنے ملک آیا تھا اور آتے ہی میرے ساتھ یہ ہوا۔

ماورا: آپ یہیں کے رہنے والے ہیں لائلپور کے۔

سجاد: جی نہیں۔ چار سال پیشتر کراچی میرا شہر تھا۔ لیکن اب وہ بھی میرا نہیں رہا--- اب تو کچھ بھی میرا نہیں رہا--- (اٹھنے کی کوشش کرتا ہے) بس ایک یہ وجود ہے اور زندگی کا طویل سفر۔

ماورا: آپ میرے ساتھ اندر چلیں۔

سجاد: جی بہت شکریہ---- اجازت دیجئے کہ میں دو چار منٹ میں ستا کر چلا جاؤں۔

ماورا: آپ یہاں کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔

سجاد: کہیں بھی نہیں۔ میں آج صبح کراچی سے آیا تھا اور ابھی اٹھ پندرہ کے جہاز سے مجھے لاہور جانا ہے---- وہاں سے نائٹ کوچ لوں گا اور کل صبح چار بج کر ایک منٹ پر کینیڈا روانہ ہو جاؤں گا۔

ماورا: (جیسے اپنے آپ سے) اتنی جلدی!

سجاد: (جیبیں ٹٹولتے ہوئے) وہ میرا بٹوہ لے کر بھاگ گئے۔ (زہرخند) لیکن کیا ملے گا۔ ان کو اس بٹوے میں سے۔ ستر اسی روپے---- ایک تصویر اور ٹورانٹو میں میرے گھر کا پتہ۔

ماورا: لیکن اس وقت آپ گھر سے باہر کیوں نکلے۔

سجاد: میرا کوئی گھر نہیں مس۔ میں آپ کے لائلپور میں اجنبی ہوں۔ ایگریکلچر یونیورسٹی کے پروفیسر گیلانی سے ان کے ریسرچ پیپرز کی نقل لینے آیا تھا۔ (زہرخند)

Genetic Relations between donar & Host.

اور یہ زخم لے کر چلا ہوں---- ان دو نوجوانوں نے سوچا ہو گا کہ میری جیب میں پاؤنڈ اور ڈالر ہیں---- کیسے لوگ ہیں آپ کی بستی کے۔

ماورا: آپ جیسے۔

سجاد: مجھ جیسے! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں نے تو آج تک کسی کو ایسی جسمانی تکلیف نہیں دی۔

ماورا: ہو سکتا ہے روحانی اور ذہنی تکلیف دی ہو---- (جلدی سے) اگر آپ برا نہ مانیں اور اندر چل کر تھوڑی دیر آرام کرلیں تو شاید----

سجاد: آپ کا گھر کچھ ایسا مہمان نواز اور اس قدر Kind ہے کہ میں اگر یہاں تھوڑی دیر کے لئے رک گیا تو پھر جہاز کا پکڑنا مشکل ہو جائے گا۔

ماورا: کل بھی تو جاسکتے ہیں آپ؟

سجاد: گورے کی نوکری آپ کی نوکری نہیں کہ جب چاہا چلے گئے جب جی چاہا چھٹی کرلی۔ کس کی شادی ہے آپ کے یہاں؟

ماورا: (خاموش ہے۔)

سجاد: لڑکی کی یا لڑکے کی؟

ماورا: (سر جھکا کر) لڑکی کی!

سجاد: آپ کی؟

ماورا: (اثبات میں سرہلاتی ہے!)

سجاد: کس قدر خوش نصیب ہو گا وہ نوجوان جس سے آپ کی شادی ہو رہی ہے۔

(ماورا خاموش رہتی ہے اور اس کے کانوں میں زور زور سے شہنائیاں بجنے لگتی ہیں۔ یہ میوزک سات سے دس سیکنڈ تک جاری رہتا ہے۔ جب مدھم ہوتا ہے تو)

سجاد: کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔

ماورا: (نفی میں سرہلاتی ہے۔)

اتنے میں اندر سے سمی کی دھن بند ہوتی ہے اور ساری لڑکیوں کی ایک ساتھ آوازیں آنے لگتی ہیں۔ "ماورا---- ماورا---- بھئی کہاں ہو تم ماورا---- ماورا---- اور ماورا سجاد کو اسی طرح چھوڑ کر اندر بھاگ جاتی ہے۔ سجاد آہستہ آہستہ گردن گھما کر سارے کمرے کا جائزہ لیتا ہے۔ پھر بڑی آہستگی سے اٹھتا ہے اور دور پڑی ہوئی رسٹ واچ اٹھا کر اسے کلائی کے ساتھ باندھتا ہے۔ پھر فیلڈ سے ہولے ہولے نکلنے لگتا ہے۔ وہ نکلتا ہے تو ہم کٹ کرکے ماورا کو پھر برآمدے میں آتے ہوئے دکھاتے ہیں۔ وہ بازو آگے بڑھا کر کہتی ہے۔

ماورا: سنئے؟

سجاد: فرمایئے (ہولے ہولے واپس آکر)

ماورا: آپ جا رہے ہیں۔

سجاد: جی۔

ماورا: اسی حالت میں؟

سجاد: یہ آپ کے شہر کا تحفہ ہے۔

ماورا: تھوڑی دیر رک جایئے۔

سجاد: اب آپ بھی مجھے لوٹنا چاہتی ہیں۔

ماورا: آپ کو سفر کے لئے کچھ روپوں کی ضرورت ہوگی۔

سجاد: جی نہیں، شکریہ۔ میرے بریف کیس میں بڑے ٹریولرز چیکس پڑے ہیں--- آپ کی مہربانی۔

ماورا: اس وقت آپ کہاں جائیں گے۔

سجاد: ایگریکلچر یونیورسٹی جہاں میرا سامان رکھا ہے۔

ماورا: پیدل کیسے جائیں گے آپ۔

سجاد: جیسے آیا تھا۔

ماورا: میں ڈرائیور سے کہتی ہوں وہ آپ کو موٹر پر چھوڑ آئے گا۔

سجاد: جائیے مس اندر جاکر اپنی سہیلیوں میں بیٹھئے۔ شادی کی راتوں میں دلہنیں اجنبیوں سے باتیں نہیں کیا کرتیں۔

ماورا: آپ سے ایک بات پوچھوں آپ برا تو نہیں مانیں گے۔

سجاد: اپنے محسن کی باتوں کا کون برا مانا کرتا ہے۔ مس (سر جھکا لیتا ہے۔)

(ماورا اس کا جواب سن کر خاموش کھڑی سوچ رہی ہے کہ اس سے بات پوچھے یا نہ پوچھے کہ اتنے میں خالہ اندرونی دروازے سے برآمد ہوتی ہے اور جھلا کر آواز دیتی ہے۔ ماورا--- ماورا تڑپ کر مڑ کے دیکھتی ہے۔ خالہ جلدی سے ان دونوں کی جانب بڑھتی ہے اور ماورا کو ایک نوجوان کے پاس کھڑے دیکھ کر اس کی تیوری پر بل پڑجاتے ہیں۔)

خالہ: کون ہو تم؟

سجاد: (چہرہ اوپر اٹھا کر) آپ

خالہ: چلو ماورا--- اندر۔

ماورا: امی جان۔

خالہ: سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے۔ (ماورا چلی جاتی ہے) تم یہاں کیا لینے آئے ہو۔

سجاد: میں ماورا کو لینے آیا ہوں۔

خالہ: بدبخت لٹیرے تم بھیس بدل کر یہاں بھی آپہنچے۔

سجاد: لٹیرا میں نہیں خالہ۔ لٹیرے وہ تھے جنہوں نے مجھ پر ابھی حملہ کیا اور جن سے جان بچا کر میں آپ کے بنگلے میں گھسا۔

خالہ: اور میرے گھر کا سارا سکون برباد کردیا۔ مجھے گمنامی کی پرسکون زندگی سے نکال کر پھر تم ایسے مردود کے سامنے لاکھڑا کیا۔

سجاد: آپ ماورا کی شادی کر رہی ہیں خالہ۔

خالہ: ماورا میری بیٹی ہے اور میں اس کی وارث ہوں۔ تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔

سجاد: ماورا میری بیوی ہے اور میں اس کا اصل وارث ہوں۔

خالہ: ہونہہ بیوی۔ اس وقت یہ بیوی کہاں تھی جب تم شادی کی پہلی رات اسے چھوڑ کر کینیڈا روانہ ہوگئے تھے۔ اس وقت یہ بیوی کہاں تھی۔ جب تم نے اپنی سہاگ رات کے ٹھیک بارہ بجے اپنے چھوٹے بھائی کی استانی سے نکاح کر لیا تھا۔ اس وقت یہ بیوی کہاں تھی جب تم استانی کلثوم کو ظفر کے حوالے کرکے یہ کہہ گئے تھے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر پاسپورٹ بنوا کر میرے پاس کینیڈا بھجوا دینا--- اس وقت یہ بیوی کہاں تھی جب--- (دھیمی ہو کر) جاؤ سجاد ہم دونوں کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ جاؤ تمہارے پاس تمہارا درخشاں مستقبل اور محبت کرنے والی بیوی موجود ہے۔

سجاد: کیا آپ مجھے اپنے بارے میں کچھ کہنے کا موقع دیں گی خالہ۔

خالہ: اب اتنا وقت گزر چکا ہے سجاد اور اتنا کچھ ہوچکا ہے کہ کہنے اور سننے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی--- میں کراچی چھوڑ کر، اپنے مرحوم خاوند کی فیکٹری بیچ کر اس دور دراز کونے میں آکر بیٹھ گئی تھی تاکہ کسی کو میری بچی کے حال کی خبر نہ ہو لیکن تم ماضی کا پچھتاوا بن کر یہاں بھی پہنچ گئے۔

سجاد: مجھے تو علم بھی نہیں تھا کہ آپ یہاں رہتی ہیں۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی--- وہ تو اگر دو لٹیرے یوں میری جان کے لاگو نہ ہوجاتے اور مجھے اپنی جان بچانے کے لئے اس طرح سے بھاگنا نہ پڑتا اور پناہ لینے کے لئے اس بنگلے میں گھسنا نہ پڑتا تو شاید آئندہ ساری زندگی آپ سے نہ مل سکتا۔

خالہ: (Composed) کیا حال ہے کلثوم کا؟

سجاد: کیا معلوم خالہ اچھا ہی ہوگا--- دراصل شادی اس کے مقصد کی سب سے بڑی پھانسی تھی۔ پہلے بیوہ ہوئی اور اپنی زندگی کی دہلیز پر اجنبیوں کی طرح بیٹھ گئی پھر جب میں نے اس سے نکاح کیا تو میری زندگی کی چار دیواری سے نکل

گئی۔

خالہ : کیا؟

سجاد : میں اس سے نکاح پڑھوا کر سیدھا ایئرپورٹ پہنچا۔ ظفر اس کی بیوی اور کلثوم مجھے ہوائی اڈے پر چھوڑنے آئے۔ اس وقت کلثوم کی آنکھوں میں بڑے بڑے آنسو تھے۔ مجھے الوداع کہتے ہوئے اس نے اتنا کہا سجاد آپ نے مجھ پر ترس کھا کر مجھ سے شادی کی ہے اس کا صلہ آپ کو خدا کی طرف سے ملے گا۔ میں نے اس کا کندھا تھپتھپا کر کہا کیسی دیوانوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ پھر وہ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی اور ظفر کی بیوی نے اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا اور اس کی سسکیوں کو میرے جیٹ طیارے کی لپیٹوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

خالہ : یہ تم کیا کہہ رہے ہو سجاد۔

سجاد : اگلے ہفتے اسے میرے پاس پہنچنا تھا لیکن اس کا پاسپورٹ نہ بنا۔ ایک ہفتہ، دو ہفتے، تین ہفتے اور پھر یوں چار مہینے گزر گئے۔ اس مدت میں اس کے خط باقاعدگی سے مجھے ملتے رہے اور آخری خط کے بعد مجھے ظفر کا خط ملا کہ تیل کا چولہا پھٹ جانے سے کلثوم کی موت واقع ہوگئی ہے اور اب اس کا پاسپورٹ کبھی بھی نہ بن سکے گا۔

خالہ : کلثوم مرگئی سجاد۔

سجاد : پتہ نہیں یہ تیل کا چولہا تھا یا کلثوم کی پشیمانی کے آنسو تھے یا نائیلون کا لباس تھا یا کسی کی بددعا تھی یا ترس کی محبت کا کوندا تھا جو چار مہینے تک آہوں کی ہواؤں پر ہلتا رہا اور پھر سب کچھ راکھ میں تبدیل کرگیا۔ تیل کے چولہے یوں تو نہیں پھٹا کرتے۔ خالہ---- ظفر نے آپ کو بہت تلاش کیا سارا ناظم آباد چھان مارا لیکن آپ کا پتہ نہ چلا---- خالہ؟

خالہ : ہوں۔

سجاد : آج ماورا کی مہندی ہے؟

خالہ : ہاں۔

سجاد : آپ نے اچھا ہی کیا خالہ---- کسی طرف سے تو آپ کو ٹھنڈی ہوا آنی چاہئے ---- (اٹھتا ہے) کسی طرف سے تو آپ کو ٹھنڈی ہوا آنی چاہئے تھی---- کسی طرف سے----

خالہ : اس وقت کہاں جاؤ گے سجاد۔

سجاد : ایئرپورٹ خالہ۔ مجھے کل صبح کینیڈا جانا ہے۔

خالہ : ٹھہرو میں ڈرائیور سے کہتی ہوں تمہیں گاڑی پر چھوڑ آئے۔

سجاد : اس تکلف کی کیا ضرورت ہے خالہ میں چلا جاؤں گا۔ اس راز کی طرح جو میرے آپ کے اور ماورا کے درمیان خاموشی کے ساتھ اپنی مسافت طے کرتا رہے گا---- خدا حافظ۔

خالہ : (بازو تھام کر) آؤ میرے ساتھ---- تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں تمہیں پیدل نہیں جانے دوں گی۔

(سجاد کچھ کہے بغیر تسلیم و رضا کے ساتھ خالہ کے ساتھ ساتھ چلنے لگتا ہے اور خالہ اس کا بازو تھامے ہوئے لے کر اندر داخل ہوتی ہے۔ جہاں لڑکیاں دلہن کو گھیرے میں لئے ڈھولک بجا رہی ہیں۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہ سب خاموش ہوجاتی ہیں۔)

خالہ : راحت! ڈرائیور سے کہو گاڑی باہر نکالے۔

راحت : جی بہت اچھا۔ (چلی جاتی ہے)

بی بی : یہ کون ہیں خالہ۔

خالہ : یہ ایک مسافر ہے بیچارہ جسے لٹیروں نے گھیر لیا تھا۔ اور جو پناہ لینے کے لئے ہماری کوٹھی کے برآمدے میں گھس آیا تھا۔

سب لڑکیاں : (گا کر)

مسافر غریب ایک رستے میں تھا
وہ چوروں کے ہاتھوں میں جا کر پھنسا
انہوں نے لئے اس کے کپڑے اتار
کیا گھائل اور ادھ موا مار مار

خالہ : پلیز! لڑکیو (خاموش ہوتی ہیں) ماورا تم تو اسے پہچانتی ہو ناں۔

ماورا : (نیچے سر کئے اثبات میں سرہلاتی ہے۔)

خالہ : سجاد! یہ سب تمہاری سالیاں ہیں۔

لڑکیاں : کیا؟

خالہ : انہیں جوتی چھپائی دے سکتے ہو؟

سجاد : میرے پاس اس وقت صرف یہ گھڑی باقی رہ گئی ہے۔ (اتار کر) اسے بیچ کر یہ برابر بانٹ سکتی ہیں۔

نی نی : ہائے اللہ خالہ جان یہ کیا ڈرامہ ہے۔ (گھڑی لے لیتی ہے)

نوشی : یہ کون ہیں اور یہ کیا ہو رہا ہے۔

گنبد : بور۔

راحت : خالہ جان گاڑی آگئی ہے پورچ میں۔

تارا : یہ ہمارے دولہا بھائی ہیں راحت۔

راحت : دفع، بکواس، شرم نہیں آتی۔

سجاد : میرے ساتھ چلو گی ماورا؟

ماورا : (اثبات میں سرہلاتی ہے)

لڑکیاں : ہائے میرے اللہ۔

سجاد : پاسپورٹ ہے۔

ماورا : (اثبات میں سرہلاتی ہے)

سجاد : گرم کپڑے ہیں؟

ماورا : (نفی میں سرہلاتی ہے)

سجاد : کینیڈا میں قلفی جم جائے گی تمہاری۔

لڑکیاں : کینیڈا۔

سجاد : کیوں کینیڈا کا نام نہیں سنا کبھی۔ اتنا بھی جغرافیہ نہیں آتا۔ اٹھو ماورا۔

(ماورا اٹھتی ہے۔ سجاد اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔)

خالہ : ذرا ٹھہرو سجاد میں اس کا پاسپورٹ اور اٹیچی لادوں۔ (جاتی ہے)

سجاد : زیادہ بھاری نہ ہو خالہ میرے ساتھ پہلے ہی بہت سامان ہے۔

گنبد : آپ کون ہیں مسٹر۔

سجاد : واہ جوتی چھپائی لے کر بھی پوچھ رہی ہو۔

(خالہ آکر اٹیچی اور پاسپورٹ الگ الگ سجاد کو دیتی ہے دونوں چلنے لگتے ہیں۔ خالہ بیٹی کو ساتھ چمٹا لیتی ہے۔ سر پر پیار دیتی ہے۔ پھر سجاد کے سر پر پیار دیتی ہے۔ لڑکیاں حیران پریشان کھڑی

ہیں۔ اور وہ دونوں فیلڈ سے باہر نکل جاتے ہیں۔ موٹر کے سٹارٹ ہونے کی آواز--- خالہ آرام سے کرسی پر بیٹھ جاتی ہے لڑکیاں اس کے گرد گھیرا ڈال لیتی ہے۔)

نی نی : خالہ کون تھا یہ لڑکا؟

راحت : سچ خالہ آپ بڑی سپورٹی ہیں آپ نے تو بیاہ شادی کا پورا سین بنا دیا۔

نوشی : کہاں چھپایا ہوا تھا اس لڑکے کو آپ نے؟

تارا : ہائے اللہ بھئی یہ اب لمبا چکر کاٹ کر واپس نہ آئیں۔

گنبد : ہم بور ہو جائیں گے نہیں تو۔

وامے : مری کیوں جا رہی ہو گھنٹہ گھر کاٹ کر آجائیں گے۔

نی نی : یہ کب آئیں گے خالہ واپس دولہا دلہن۔

خالہ : جب اس کو منظور ہوگا--- (آنکھ سے آنسو کو انگلی پر اٹھا کر ہوا میں جھٹکتی ہے) چلو تم چل کر سو رہو اپنے کمرے میں۔

(آخری فقرہ سن کر لڑکیوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں کیمرہ ایک ایک کا کٹ دکھاتا ہے اور بیک گراؤنڈ میں منور سلطانہ کا ریکارڈ فیڈ ان ہوتا ہے۔

کنکاں لمیاں نی مائیں
دھیاں کیوں جمیاں نی مائیں

(خالہ کی آنکھوں میں آنسو ہیں اور لڑکیاں حیرانی سے اس کا منہ تکنے جاتی ہیں۔)

بزغالہ اور بچہ زاغ

کردار:

- شہنشاہ جہانگیر
- اعتماد الدولہ
- روپ خواص
- بخت النساء بیگم
- فرقان علی
- شاہ عالم
- شمس الدین
- سپاہی
- ارادت مند نمبر ۱-- ۲-- ۳-- ۴

سین 1

ان ڈور

شام

(یہ سیٹ چھوٹا ہے اور شہنشاہ جہانگیر کی خواب گاہ کا ایک کونا دکھاتا ہے لیکن نہایت آراستہ اور مزاج شہنشاہی کے مطابق جہانگیر اس وقت اطلس و کم خواب کے ایک شاہی چھپر کھٹ پر نیم دراز ہے اور اس نے سادہ لباس پہن رکھا ہے۔ سفید انگرکھا کانوں میں ایک ایک موتی، گلے میں موتیوں کی مالا، شاہ پر سردرد کا دورہ پڑا ہے۔ قریب ہی ایک تپائی پر شراب ارغوانی کے کنٹر پڑے ہیں اور نہایت نفیس چینی کی پیالیاں دھری ہیں۔

شاہ کے پلنگ سے ہٹ کر ایک چھوٹی مرصع چوکی پر اعتماد الدلہ دو زانو بیٹھا ہے اور توزک جہانگیری کا قلمی مسودہ لکھ رہا ہے ان دونوں کے درمیان استاد محمد نائی، بانسری نواز قالین پر بیٹھا ہے۔

جس وقت منظر کھلتا ہے بنسری کی آواز آرہی ہے۔ شاہ، گلاب کا پھول ہاتھ میں لئے تفکر کے انداز میں بیٹھے ہیں۔ کبھی کبھی ماتھے پر ہاتھ لے جاتے اور پھر چھت کی طرف تکنے لگتے ہیں۔

اعتماد الدولہ قرائین سے بھانپ جاتا ہے اور اشارے سے استاد محمد نائی کو بانسری بجانے سے روکتا ہے۔ جونہی بانسری بند ہوتی ہے جہانگیر متوجہ ہوتا ہے اور گلے سے موتیوں کی مالا اتار کر نے نواز کو دیتے ہوئے کہتا ہے۔)

شاہ: ہر چند کہ ہماری طبیعت آج کل کسی طرف مائل نہیں ہوتی نے نواز لیکن یہ تمہارے کمال فن کا اعتراف ہے۔

(نے نواز کورنش بجالا کر مالا لیتا ہے الٹے قدموں سے فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

اعتماد: جہاں پناہ ! اگر اجازت ہو تو حکیم رکنا کاشی یا حکیم مسیح الزماں کو طلب کیا جائے۔

شاہ جہانگیر: تم کو کیا بتائیں اعتماد الدولہ کہ یہ درد سر کیسا ہے اور اس سے ہمارے دل پر کیا گزرتی ہے۔

اعتماد: چتر خاں کو طلب کیا جائے جہاں پناہ؟---- شاید اس کی آواز اندوہ ربا ثابت ہو۔

جہانگیر: (اپنے آپ سے) اعتماد الدولہ۔ کشمیر کے زعفران زار میں جب وہاں کے لوگ شکموں کے آگے جھولیاں باندھ کر زعفران اکٹھا کرتے ہیں تو ان کے سر میں مطلق درد نہیں ہوتا حالانکہ ان کھیتوں کے کنارے لمحہ بھر کو ٹھہرنا بھی قیامت ہے۔

اعتماد: وہ عادی ہوجاتے ہیں جہاں پناہ۔

شاہ: لیکن ہم زندگی کے زعفران زار کے عادی کیوں نہ ہوگئے اعتماد الدولہ، ہمیں یہ رنگ و بو کی دنیا راس کیوں نہ آئی۔ ہم کیوں تھک گئے۔ ہم کیوں نہ بھول سکے اس منظر کو۔ جب خسرو کی والدہ نے افیون کھا کر خودکشی کی ہم کیوں نہ بھول سکے۔ اس دن کو جب خرم کی بچی ہماری آنکھوں کے سامنے ہم سے جدا ہوئی اس شگفتہ پھول کو اس کے والدین بھول گئے پر ہماری طبیعت پر کیوں بوجھ سا لدا رہتا ہے اس کی یاد میں۔

اعتماد: یہ اپنے اپنے مزاج اور اپنے افتادِ طبع کی بات ہے جہاں پناہ۔

شاہ: ہم کیا لکھوا رہے تھے آپ کو اپنی تزک میں---- یاد آیا۔ ۲۳ ماہ فرودیں ایک ہزار چھبیس ہجری۔ ہفتے کے روز ہم موضع بار بچہ سے روانہ ہوئے اور پونے پانچ کوس کا فاصلہ طے کرکے قریہ کے تالاب کنارے قیام کیا۔ یہ تالاب شہر احمد آباد کے بانی سلطان احمد کے پوتے قطب الدین محمد نے بنوایا تھا۔

اس وقت بخت النساء بیگم، روپ خواص کے ساتھ داخل ہوتی ہے روپ کے ہاتھ میں چاندی کا طشت ہے جو خوبصورت سرپوش سے ڈھکا ہے اس میں کاریز کے خربوزے اور بنگالے کے سنگترے ہیں۔ اعتماد الدولہ اٹھ کر کورنش بجا لاتا ہے روپ بھی جھک کر سلام کرتی ہے۔

بخت النساء: نورالدین تم کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دی گئی تھی۔

شاہ: آپ بلا اطلاع دیئے ہی تشریف لائیں تو یگانگت کا احساس ہوتا ہے، پھوپھی حضور----

بخت: اب طبیعت کیسی ہے؟

شاہ: آپ کو دیکھ کر کلفت کا احساس باقی نہیں رہتا۔

بخت: ہم تمہارے لئے ایک سوغات لائے ہیں سلیم۔

شاہ: آپ کی عنایات نے پہلے ہی ذرے کو آفتاب بنا رکھا ہے۔

بخت: روپ! آگے لاؤ طشت۔ (سرپوش اٹھا کر) سندھ کی کاریز کے خربوزے اور بنگالے کے سنگترے۔

شاہ: آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ پھوپھی حضور لیکن ابھی طبیعت ادھر مائل نہیں ہے---- روپ طشت رکھ دو۔

(روپ طشت رکھ کر الٹے پاؤں واپس چلی جاتی ہے)

بخت: شیخو!

شاہ: ارشاد پھوپھی حضور۔

بخت: ہم تمہارے دکھانے کو کچھ اور بھی لائے تھے۔

شاہ: عنایت

بخت: (آگے بڑھ کر طشت سے ٹہنی اٹھاتے ہوئے) یہ برگ خاص تمہاری توجہ کا مستحق ہے۔

شاہ: اس کا کمال؟

بخت: ذرا ہاتھ لگاؤ اس کی پتیوں کو۔ (جہانگیر ہاتھ لگاتا ہے)

شاہ: تعجب۔

بخت: اس پودے کو یہاں کے لوگ لاجونتی کہتے ہیں۔

شاہ: اس پودے کے سر میں بھی درد رہتا ہوگا۔ یہ بھی ہماری طرح سے انگشت نمائی کا متحمل نہیں ہے---- ہم سے جب کبھی انصاف نہیں ہو پاتا اور ہم ظلم کر بیٹھتے ہیں تو ہماری طرف بھی فضاء میں اسی طرح سے کنائے کی انگلیاں آگے بڑھتی ہیں اور ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ جب ہم خوشامد سے نفرت کرتے ہیں اور پھر بھی اس کا فریب کھا جاتے ہیں تو علیحدگی میں ہم پر بھی لاجونتی کی سی کیفیت گزرتی ہے۔ ہم بھی جب کسی کے دکھ کا درد اپنے دل کے قریب پاتے ہیں اور ہزار کوشش کے باوجود اس کی مدد نہیں کرسکتے---- اور ہم بھی جب موت کو قوی تر اور زندگی کو مجبور محض دیکھتے ہیں تو ہمارا دل بھی اسی طرح مرجھا جاتا ہے۔

بخت: شیخو: (عدل جہانگیری کی زنجیر میں حرکت ہوتی ہے اور بے شمار چھوٹی بڑی گھنٹیوں کی صدائیں محل میں گونجنے لگتی ہیں جہانگیر آہستگی سے برگ اپنے تکیئے پر رکھتا ہے اور چھت کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔)

اعتماد: لیکن آج تو جہاں پناہ کی طرف سے دربان کو حکم دے دیا گیا تھا کہ فرمانروائے ہندوستان کی طبیعت ناساز ہے۔

(گھنٹیوں کے شور میں دور دور سے آوازیں آنے لگتی ہیں۔) با ادب باملاحظہ ہوشیار--- با ادب باملاحظہ ہوشیار سلطان زماں، شہنشاہ اقلیم ہندوستان نور الدین محمد جہانگیر تشریف لاتے ہیں باادب باملاحظہ ہوشیار۔)

شاہ: کوئی بدنصیب، ستم رسیدہ ایسا ہوگا جس کا دماغ زہر غم نے ماؤف کر دیا ہوگا۔ ایسا اجل نصیب دربانوں کو کب خاطر میں لائے گا اور دور باشوں کی کیا پرواہ کرے گا۔

اعتماد: (اٹھ کر) میں جاکر اسے منع کرتا ہوں۔

شاہ: بادشاہ جب تک زندہ ہے اعتماد الدولہ، اسے عدل کے کٹہرے میں حاضر رہنا ہی پڑتا ہے۔ بیماری اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی۔

بخت: لیکن اس وقت ایسی گراں طبیعت کے ساتھ تم جھروکے میں کیسے جاسکتے ہو نورالدین۔

شاہ: دربانوں سے کہہ دیجئے کہ وہ فریادی کو ہماری خوابگاہ میں پیش کریں۔

(اعتماد الدولہ کورنش بجا لا کر چلا جاتا ہے۔ بخت اٹھ کر بغلی دروازے کی جانب جاتی ہے اور کہتی ہے۔)

بخت: ہمارے خیال میں فریادی کو اپنی صحت یابی کے بعد بھی طلب کیا جاسکتا تھا۔

شاہ: دودمان تیموری کے فرزند اس وقت تک اپنے وعدوں پر قائم رہتے ہیں۔ جب تک موت کا تیغہ ان کی زندگی کی طنابیں نہیں کاٹ دیتا ہم نے اپنی رعایا سے وعدہ کر رکھا ہے پھوپھی حضور۔

(بخت چلی جاتی ہے۔ جہانگیر اپنے دونوں ہاتھوں کی کنگھی سینے پر ڈال کر سوچنے لگتا ہے۔ فریادی کی آواز دور سے فیڈ ان ہوتی ہے پہلے اعتماد الدولہ، پھر دو دربان شمشیر بکف فریادی کو اپنے درمیان لے کر حاضر ہوتے ہیں۔)

فریادی: میں لٹ گیا جہاں پناہ، میں تباہ ہوگیا، میری مدد شاہا۔ میری دستگیری فرما--- تو ہندوستان کا شہنشاہ اور آل تیموری کا منصف زمان ہے میرے ساتھ انصاف کر۔ جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اس سے پوچھ۔ پوچھ شہنشاہ کہ تو وقت کا بادشاہ اور مہاراجوں کا مہاراجہ ہے۔

جہانگیر: تم پر کس نے ظلم کیا فریادی۔

سپاہی: تو وقت کا بادشاہ ہو کر مجھ سے پوچھتا ہے تم پر کس نے ظلم کیا فریادی---؟ اتنی بڑی سلطنت کا فرمانروا ہو کر اپنے ایک سپاہی سے پوچھتا ہے تم پر کس نے ظلم کیا۔ میرے ساتھ انصاف کر۔ نہیں تو میں ان سنگلاخ دیواروں سے سر پھوڑ کر مرجاؤں گا۔ (دربان تلواریں سونتتے ہیں)

شاہ: ٹھہرو ہمیں فریادی سے بات کرنے دو--- کہو فریادی تم پر کس نے ظلم کیا۔ ہم تمہاری داد رسی کریں گے۔

سپاہی: میں نے دودمان مغلیہ کا نمک کھایا ہے شہنشاہ اور اپنی خدمت گزاری کا صلہ مانگتا ہوں۔ خسرو جم جاہ۔ میرا باپ سپاہی تھا جو ظل الٰہی کی فوج میں ہیمو بقال کے ساتھ لڑا اور اپنی جان شہنشاہ پر نچھاور کردی۔ میرے دادا نے خلد آشیانی شہنشاہ ہمایوں کی وفاداری میں اپنی جان قربان کردی۔

شاہ: ہمیں تمہاری وفاداری اور جانثاری پر کامل یقین ہے۔

سپاہی: میں تسخیر دکن میں شاہ خرم کے خیرخواہوں میں سے تھا میں نے عادل خاں کے ہراول دستوں میں کئی قلعے اور کوٹ فتح کئے۔ گیارہ سال اور چھ مہینے تک میں تیرے تخت و تاج کی حفاظت میں دشتوں اور صحراؤں میں اپنا خون بہاتا رہا۔ اور پرسوں جب میں چوبیس بڑی مہمیں سر کرنے کے بعد واپس اپنے گھر پہنچا تو میری دنیا اندھیر ہوگئی۔ تو انصاف پسند اور عدل گستر شہنشاہ ہے۔ مجھے میرا بیٹا واپس دلا۔ نہیں تو میں تیرے سامنے جان دے دوں گا۔

شاہ: ہم تیرے بیٹے کو واپس دلانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

سپاہی: میں نے اور میرے باپ دادا نے ساری عمر سلطنت مغلیہ کی جڑیں مضبوط کرنے میں صرف کردی اور جب میں اس۔

شاہ: ہم تمہارے احسانات کی تفصیل سنے بغیر تمہاری مدد کرنے کو بے قرار ہیں۔

سپاہی: میرا خوبرو قربان علی چار سال کا تھا جب میں اسے پالنے میں سوتا چھوڑ کر بنگالے

کی تسخیر کو روانہ ہوا۔ کل وہ پورے پندرہ سال اور چھ مہینے کا تھا جب میں نے اس ذہین نوجوان کا بشاش چہرہ دیکھا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اے ہندوستان کے بادشاہ مجھے میرا بیٹا واپس دلا اور مجھے موت کے منہ سے بچا۔

شاہ: لیکن موت پر ہمارا بس نہیں چلتا۔ سرہنگ زادے۔

سپاہی: اگر تیرا اس پر زور نہیں چلتا تو پھر تو اپنے آپ کو گیتی پناہ کیوں کہتا ہے پھر تو نے عدل کی سنہری زنجیریں کیوں اپنے در و دیوار کے ساتھ لپیٹ رکھی ہیں۔ پھر تو کیوں عادل کہلاتا ہے۔

شاہ: ہم سب اس کے سامنے تیری طرح بے بس اور بے نوا ہیں۔

سپاہی: تو وقت کا بادشاہ ہے شاہا۔ اگر تو اس کے حضور میں روئے گا، گڑگڑائے گا میری سفارش کرے گا تو وہ تیری بات ضرور مان لے گا۔

شاہ: ہم مجبور ہیں سپاہی۔

سپاہی: اور اگر میں اور میرا باپ بھی تیرے اور تیرے باپ کے سامنے یہ کہہ کر ہتھیار رکھ دیتے کہ ہم مجبور ہیں تو پھر تمہاری بادشاہت کا خاتمہ نہ ہو جاتا؟

شاہ: ہم تمہارے غم میں برابر شریک ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ اس وقت تمہارے دل پر کیا کیفیت گزر رہی ہے۔ لیکن اس کے دربار میں تو ہماری فریاد کا تصور بھی نہیں پہنچ سکتا۔

سپاہی: (زمین پر گر کر) مجھ پر رحم کر شاہا۔ مجھ پر ترس کھا۔ میں نے تیرے عدل کی زنجیر کو ہلایا ہے۔ مجھے انصاف کی بھیک عطا کر اگر تو نے آج میری مدد نہ کی تو تیری فوج کا ہر سپاہی تجھ سے بددل ہو جائے گا۔

شاہ: اعتماد الدولہ اس رنجور کو شاہ عالم کے حضور میں لے جاؤ کہ وہ اس کے حق میں دعا کریں اور اس کے قلب کو سکون کی دولت سے مالامال کر دیں۔

سپاہی: مجھے سکون قلبی نہیں چاہئے شاہا مجھے اپنا بیٹا چاہئے۔ اپنا قربان علی چاہئے۔ اپنے خاندان کا نام چلانے والا چاہئے۔

شاہ: لے جاؤ اسے اعتماد الدولہ کہ یہ سوختہ بخت اپنے آپے میں نہیں۔

اعتماد: فریادی کو لے چلو۔

(دونوں دربان فریادی کو بازوؤں سے پکڑ کر لے چلتے ہیں وہ تلملاتا ہے۔ نالہ و شیون کرتا ہے۔ ان کے ہاتھوں سے نکلنے کی

کوشش کرتا ہے۔)

سپاہی: میں نہیں جاؤں گا، ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جب تک تیرے قلعے کی سنگین دیواروں اور میرے سر میں سے ایک بھی باقی ہے۔ میں تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گا شاہا۔ میں تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ میں نہیں جاؤں گا، نہیں جاؤں گا، نہیں جاؤں گا۔

(اس کی چیخیں دور ہوتی جاتی ہیں۔)

کٹ

سین 2

ان ڈور

شام

شاہ عالم کا تکیہ دکھاتے ہیں یہ ایک کھلی جگہ ہے۔ ایک جانب حجرے کا دروازہ اور حجرے کی دیوار ہے۔ دروازے کے سامنے دو سیڑھیاں ہیں دوسری طرف شاہ عالم کا تخت پوش ہے۔ جس پر اس وقت وہ بیٹھے ذکر اذکار میں مشغول ہیں ان کے پاس ان کا صاحبزادہ شمس الدین بیٹھا ہے۔ یہ بیس برس کا نکلتا ہوا نوجوان ہے چھوٹی سی سیاہ داڑھی ہے اس کے چہرے پر کچھ ایسا قدرتی نور ہے کہ دیکھتے ہی اس کی شخصیت پر اعتبار آجاتا ہے۔ شمس اس وقت وہ سب باتیں لکھنے میں مشغول ہے۔ جو شاہ عالم اور اس کے ارادت مندوں میں ہو رہی ہیں۔ تخت سے نیچی سطح پر چھ ارادت مند نہایت مؤدب بیٹھے ہیں۔

ارادتمند ۱: حضور اگر یہ بات گستاخی پر محمول نہ ہو اور مراد اس سے کچھ کفر والحاد نہ لیا جائے تو ناچیز ایک سوال کرے۔

شاہ: اگر ارادہ تمہارا کفروالحاد کا نہیں ہے اور گستاخی کو برا جانتے ہو تو بلاتکلف سوال کرو۔

ارادتمند ۲: حضور! کئی بار میں اللہ کی راہ پر آیا اور کئی بار بھاگا۔ یوں جیسے آگ دیکھ کر گھوڑا بدک جاتا ہے اور سرپٹ پیچھے کی طرف بھاگتا ہے یونہی آقا اشک خجالت بہاتا میں راہ دین سے لوٹا۔

شاہ: وجہ؟ ثروت بیگ؟

نمبرا: حضور میں۔۔۔۔ نے دیکھا ہے کہ اللہ کے پیاروں کی منزلین کٹھن ہوتی ہیں اس کا عتاب ان پر دہ چند اور عذاب، مفصل نازل ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت ان کے لئے نہیں ہوتی۔

شاہ: لکھو شمس۔۔۔۔ ثروت بیگ اگر ہم اس دنیا کو مثل ایک امتحان گاہ کے سمجھیں تو یہ مسئلہ تم کو سمجھ آجائے گا۔ (شمس لکھتا ہے۔)
جس قدر انسان دنیاوی خواہشات کا پابند ہوگا اور رضائے الٰہی کا کم متلاشی ہوگا۔ وہ چھوٹی چھوٹی آزمائشوں سے دوچار ہوگا جوں جوں اعلیٰ درجوں میں نفس کی تنظیم کرتا پہنچے گا اس کے امتحان، اس کی آزمائشیں، اس کی منزل مشکل ہوتی جائے گی دنیا تو اللہ کی محبت کی آزمائش گاہ ہے ثروت بیگ کوئی دو قدم چل کر تھک گیا کوئی دس گام پر بے سدھ ہوگیا کسی کو دو کوس پر نیند آگئی کوئی دس فرسنگ چل لیا۔ کوئی کوئی آشفتہ سر نار دنیا سے گزر کر کندن ہوتا ہے۔ ثروت بیگ۔

ثروت: حضور! خاکم بدہن۔۔۔۔ لیکن ظالم کی رسی کیوں دراز ہے اس کو غفور الرحیم سے ظلم کرنے کی استعداد اور مہلت اس قدر کیوں ملتی ہے۔

شاہ: اس کی دو وجوہات ہیں ثروت بیگ۔ لکھو شمس! ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس پر لوٹ آنے کی مہلت خدائے بزرگ و برتر کم نہیں کرنا چاہتا۔ کبھی تم نے اس ماں کو دیکھا ہے ثروت بیگ جو بچے کو مکتب میں لاتی ہے۔ بچہ بھاگتا ہے بدکتا ہے چوری نکل جاتا ہے مکتب سے۔ ماں لالچ دیتی ہے کبھی سکے کا۔ کبھی کھانے پینے کی چیزوں کا۔ کبھی کبھی مکتب میں لانے کے لئے ظلم کا بھی لالچ دینا پڑتا ہے۔ کیونکہ دنیاوی آدمی کو بس اسی چیز کا شوق ہوتا ہے۔

ثروت: اور دوسری وجہ شاہ علم و دین۔

شاہ: دوسری وجہ اسباب کی ہے ظالم آدمی دراصل ایک آلہ ہے اسباب کے ہاتھ میں۔ وہ اللہ کے بندوں کو آزمانے کا سبب بنتا ہے ثروت بیگ۔ اس کے بغیر صابر آدمی کی آزمائش کیونکر ہوتی۔

(اس وقت اعتماد الدولہ اور سپاہی داخل ہوتے ہیں۔ اعتماد الدولہ نے سپاہی فرقان کے کندھے پر ہاتھ رکھا ہے لیکن سپاہی اس وقت نہایت (Sulky Mood) میں ہے۔ اعتماد الدولہ کورنش بجا لاتا ہے۔)

اعتماد: فرقان علی! آگے بڑھ کر شاہ عالم کے قدم پکڑ لو۔ یہی تمہارے سکون قلب کے لئے دعا کریں گے۔

(سپاہی اعتماد کا ہاتھ کندھے سے جھٹک دیتا ہے۔)

سپاہی: سکون قلب کی دعا وہ آپ کے لئے کریں یا آپ کے شہنشاہ کے لئے دعا کریں۔ میں تو پابہ جولاں آگیا ہوں بدنصیبی سے۔

(اب سپاہی الگ تھلگ منہ تھتھائے بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی تھوڑی سی کمر شاہ عالم کی طرف ہے۔)

شاہ: اعتماد الدولہ! آج شاہوں کا تقرب چھوڑ کر ادھر کیونکر گزر ہوا۔

اعتماد: آپ کے حضور میں التجا کرنا تھی کہ اس سرہنگ زادے کے حق میں دعا کریں۔

سپاہی: (سپاہی غصے سے) ایک بار کہہ جو دیا کہ مجھے دعا کی ضرورت نہیں۔ نہیں نہیں۔

اعتماد: فرشتہ مرگ اس کا جوان سال بیٹا اپنے ساتھ لے گیا۔ لاش اس کے صحن میں پڑی ہے اور یہ دیوانہ نہیں مانتا کہ اس معاملے میں کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔

سپاہی: سب کو ہم نے دیکھ لیا ہے کہ شاہ ملک، کیا شاہ دین؟ یہاں بھی کچھ نہیں ہے۔ یہ ہمیں کسی اور جگہ بھیج دیں گے۔ ہمارے لئے اب ٹھوکریں ہی ٹھوکریں ہیں۔ اندھیرا ہی اندھیرا۔ موت ہی موت ہے۔

(ایک ارادتمند اٹھ کر ٹھلیا سے مٹی کے آبخورے میں پانی ڈالتا ہے اور سپاہی زادے کے پاس لے جاتا ہے۔)

شاہ: ہمیں حکم دو فرقان علی؟ ہم تمہارے سکون قلب کے لئے دعا کریں۔

(سارے ارادتمند اور شمس ہاتھ اٹھاتے ہیں۔)

سپاہی: خبردار جو کسی نے میرے سکون قلب کے لئے دعا مانگی۔ مجھے سکون قلب نہیں چاہئے۔ مجھے قربان علی چاہئے۔ میں (آسمان کی طرف دیکھ کر) اس قابض ارواح سے پوچھتا ہوں کہ کس گناہ کی پاداش میں۔ کس جرم کی سزا مل رہی ہے مجھے۔ قربان علی چھین کر کیا سبق سکھایا جا رہا ہے مجھے۔ کیا بلاد ہند میں ایک میرا ہی جوان سال رہ گیا تھا۔

(اب ارادتمند اس کے پاس پانی کا آبخورہ لے کر پہنچتا ہے
سپاہی زور سے بازو اور ہاتھ کی ٹھوکر سے آبخورہ دور مار دیتا ہے۔
چند ثانیئے خاموشی طاری رہتی ہے۔)

شاہ: سنو فرقان علی جب تمہارا بیٹا پیدا ہوا تھا تو کیا تم نہیں جانتے تھے کہ اس نعمت بے بدل کو ایک دن وہ واپس بھی لے لے گا۔

سپاہی: اس قدر جلد؟---- اتنی جلدی تو ہمسائی بھی اپنا برتن مانگنے نہیں آتی۔ اس کو آپ غفور الرحیم کہتے ہیں۔ اس کو آپ کریم دعادل کہتے ہیں۔ یہ ہیں اس کی معافیاں ہم خطاء کاروں کے لئے یہ ہیں اس کی مہربانیاں ہم عفو گزاروں کے لئے۔

اعتماد: اس کا دل و دماغ قابو میں نہیں ہے اس عاجز کی کسی بات سے آپ کا دل مکدر نہ ہو آقا۔

شاہ: ہم تو خود اس رب العزت کے سامنے شب و روز اسی طرح کم ظرفی کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ جس گناہ کے ہم خود مرتکب ہوتے ہیں۔ اس کا برا کیا مانیں گے فرقان علی؟

سپاہی: مت لے کوئی میرا نام۔ اگر قربان باقی نہیں تو فرقان بے معنی ہے۔ جڑ کاٹ کر تنے کا خیال دل میں مت لائیے۔

(شمس پہلی بار باپ سے کہتا ہے۔)

شمس: آپ اس کے لئے دعا کریں ابا حضور!

شاہ: جب تک یہ حکم نہ دیں ہماری دعا قبولیت کی دہلیز پر بوسہ ریز نہیں ہو سکتی۔

شمس: حکم دیں فرقان علی ہم سب آپ کیلئے دعا کریں۔

(یکدم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے۔)

فرقان: ہم نے کہہ جو دیا کہ ہم کو دعا نہیں چاہئے ہے کوئی جو ہمارا قربان ملا دے۔ ہے

کوئی جو ایک بار اس کی صورت دکھلا دے ہے کوئی جو اسے ایک بار ہمارے سینے سے لگا دے۔ کہاں گیا قربان علی تو کہاں گیا۔ (زور زور سے زمین پر مکے مارتا ہے۔)

میں تجھے اپنا بیٹا نگل جانے کو نہیں دوں گا۔ کیا سمجھتی ہے تو ڈائن۔ لاکھوں کروڑوں آدمی تو اپنے سینے میں چھپائے بیٹھی ہے اور ہوس رکھتی ہے قربان علی کی۔ سن لے غور سے میں اپنے بیٹے کو اپنے کندھے پہ اٹھائے پھروں گا روز قیامت تک تیرے حوالے نہیں حوالے نہیں کروں گا۔ اسے سمجھ لے---- جان لے۔ وہ اور ہوتے ہیں جن کی آغوش سے تو بیٹے چھین لیا کرتی ہے۔

(اب شاہ عالم اٹھتے ہیں ارادت مند ساتھ ہی اٹھ جاتے ہیں شاہ عالم ایک بار فرقان کے پاس آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں۔)

شاہ: فرقان! اگر ہم پہلے سے شاہ عالم ہوتے تو ایک نظر میں تمہارے سکون قلب کا سامان بہم کرتے۔ پر اب تو ہم تمہارے لئے دعا بھی نہیں مانگ سکتے تمہاری منشاء کے خلاف ہمیں حکم دو۔

فرقان: میں تو بس ایک ہی حکم دے سکتا ہوں (دامن پکڑ کر) میں ساری عمر اس جگہ کتے کی طرح زندگی بسر کردوں گا شاہا جتنے سانس لینا باقی ہیں سب تیری ثناء خوانی میں بسر کروں گا' میرا بیٹا واپس دلا دے۔

شاہ: صبر کرو فرقان صبر کرو۔

(یکدم فرقان' دامن جھٹک دیتا ہے۔)

فرقان: چھلنی سے کہہ کہ پانی اپنی اوک میں جمع کرلے۔ مچھلی سے کہہ کہ درختوں کی ڈالیوں پر گھونسلا بنائے سورج سے کہہ کہ تاریکی کا مینہ برسا۔ پہاڑ سے کہہ کہ گردش کر۔ سب تیری بات مانیں گے۔ نہیں مانے گا تو فرقان علی' نہیں مانے گا تو فرقان علی' نہیں مانے گا تو فرقان علی' نہیں مانے گا تو فرقان علی۔

(اس وقت شاہ عالم اٹھ کر حجرے کی طرف چلتے ہیں شمس اب تخت پوش سے اٹھ کر فرقان علی کے پاس آتا ہے اس وقت منظر بدلتا ہے آہستہ آہستہ آواز آتی رہتی ہے۔ "نہیں مانے گا تو فرقان علی۔"

کٹ

سین 3

ان ڈور

کچھ دیر بعد

(یہ شاہ عالم کے حجرے کا اندرونی حصہ ہے یہاں عجیب قسم کی بے سروسامانی اور بے سروپائی ہے ایک نیچی بلی پر دو چار کپڑے اور ایک سیاہ کمبل لٹکا ہوا ہے کمرے کے اندر ایک طرف بدھنی اور ٹھلیا پڑی ہے۔ ایک چھوٹی سی مٹی کی منڈیر کمرے میں موجود ہے صف بچھی ہے طاق میں قرآن کریم رکھا ہے چھت سے پھونس لٹک رہا ہے شاہ عالم کواڑ کھول کر اندر داخل ہوتے ہیں۔ پچھلے سین کی آواز ہلکی ہلکی آتی رہتی ہے۔ شاہ عالم کے ماتھے پر پسینے کے آثار ہیں وہ یہاں حجرے میں آکر چند ثانیئے چپ چاپ کھڑا رہتا ہے پھربلی پر سے کمبل اوڑھتا ہے جیسے اسے ٹھنڈ لگ رہی ہو۔ پھر وہ دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھاتاہے اور منہ میں کچھ کہتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک پیغمبر کا سا صبر، استقلال اور دکھ ہے۔ یہاں سے یہ منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے اور ہم باہر آتے ہیں شمس اب قربان علی کے پاس کھڑا ہے۔)

فرقان: (قہقہہ لگا کر) بھاگ گیا، بھاگ گیا، پہلے اس شاہ کی درگاہ میں گیا تھا۔ جو عادل کہلاتا ہے، وہ بھی بزدل نکلا، یہ بھی بزدل نکلا، بھاگ گیا؟ سب دیکھ لئے ملک و دین کے شاہ سب دیکھ لئے---- بھاگ گیا وہ دیکھا تم سب نے بھاگ گیا۔

اعتماد: فرقان علی! تم اس وقت ہوش و حواس کھو بیٹھے ہو۔ ہم کو افسوس ہے لیکن، بے ادبی کی ایک حد ہوتی ہے۔طبیعت کو سنبھالو۔

(شمس اس وقت فرقان کے پاس بیٹھ کر اسے پنکھا جھلنے لگتا ہے۔)

شمس: انہیں کچھ مت کہئے۔

ارادتمند ۲: آپ اس خدمت کا موقعہ ہمیں دیں حضور۔

شمس: نہیں ہمیں راحت ملتی ہے اس طرح۔

فرقان: تو کون ہے؟ تیری آنکھیں---- تیرا یہ فراخ ماتھا؟---- یہ---- ہونٹ کیوں ہے تو؟

ارادتمند ۲: یہ حضور شاہ عالم کے فرزند ہیں۔

فرقان: فرزند ہے اس کا؟ جس نے مجھ پر اپنے حجرے کا دروازہ بھی بند کرلیا؟ یہ بھی ویسا ہی ہوگا۔

اعتماد: جس کا تم کو اس قدر غم ہے فرقان علی اگر وہ بڑا ہو کر تمہارا دشمن بن جاتا تو۔

فرقان: لیکن زندہ رہتا---- زندہ تو رہتا۔

اعتماد: اگر وہ رہزن لٹیرا قزاق، قاتل نکل آتا تو۔

فرقان: ہر ڈاکو ہر رہزن ہر قاتل کو کوئی نہ کوئی تو روتا ہی ہے۔ لوگ ان کے جنازوں سے بھی لپٹ لپٹ کر رویا کرتے ہیں تیرا باپ مسیحا ہے تو کچھ اسے کہہ۔ کبھی بیٹے کی بات بھی باپ سنی ان سنی کر سکتا ہے۔

(ایک دم پھر شمس کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور اس کا گریبان پکڑتا ہے۔)

(اب فرقان دیوانوں کی طرح کبھی شمس کے بالوں کو کبھی اس کے گالوں کو سہلانے لگتا ہے اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔)

تیرے چہرے کو چھو کر مجھے لگتا ہے جیسے قربان علی زندہ ہے اس کے سانس سے بھی یہی خوشبو آتی تھی---- تو کون ہے---- سچ بتا---- یہ نہ ہو میں آنکھیں کھولوں اور میرے سامنے---- شاہ عالم کا بیٹا بیٹھا ہو۔ میں اسے دیکھنا نہیں چاہتا میں تو قربان علی کا باپ ہوں بدنصیب، برگشتہ اختر، بے مقدور۔

(فرقان علی کی آنکھیں بند ہیں شمس آہستہ سے اٹھ کر حجرے کی طرف جاتا ہے فرقان کی بند آنکھوں سے آنسو گرتا ہے منظر بدلتا ہے۔)

کٹ

سین 5

ان ڈور

چند لمحے بعد

(دروازہ کھلتا ہے شمس داخل ہوتا ہے باپ کمبل اوڑھے مجسم نیاز مندی کے عالم میں کھڑا ہے۔)

شمس: ابا جان۔

شاہ: جان پدر۔

شمس: آپ نے فرقان علی کی تشفی نہیں کی؟

شاہ: مشیت ایزدی میں کسی کو دخل نہیں شمس الدین۔

شمس: آپ نہیں جانتے کہ اس تیرہ بخت کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔

شاہ: ہم خوب جانتے ہیں۔

شمس: آپ جانتے تو اس سرد مہری سے اٹھ کر نہ چلے آتے۔ اس خستہ جان کو چھوڑ کر۔

شاہ: یہ دنیا آزمائش گاہ ہے شمس۔

شمس: ہم تو نہ جانتے تھے کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو اس طرح سر ساحل چھوڑ دیا ہو۔

شاہ: تو نہیں جانتا آج ہمیں اپنے آپ سے خوف آ رہا ہے۔

شمس: وہ روتا رہا چلاتا رہا۔ آپ دیکھتے رہے آپ کو دعا مانگنے کے لئے اس کے حکم کی کیا ضرورت تھی؟ آپ اس کے لئے دعا کرتے تو خدا کیا نہ سنتا؟

شاہ: سنتا---- پر۔

شمس: آپ کو تو خدا نے اس قدر قدرت دی ہے ابا۔ کہ آپ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے پھر اس پر رحم کیوں نہیں، کیوں نہیں، کیوں نہیں؟

شاہ: زاغ کے بچے کی طرح شور مت مچا شمس۔ کوے کا بچہ کبھی سیر چشم نہیں ہوتا۔ بھوکا ہوتا ہے تو بھی چلاتا ہے پیٹ بھر جائے تو بھی کائیں کائیں کرنے سے باز نہیں آتا۔

شمس: میں کیا کہہ رہا ہوں۔ آپ کیا جواب دے رہے ہیں۔

شاہ: کسی زمانے میں ہم اس کے کارخانے میں جذب و مستی کے عالم میں دخل اندازی کیا کرتے تھے ہم اس کی مصلحت سے ناآشنا تھے۔ اب ہم جانتے ہیں جو کچھ ہوتا ہے یا ہونے والا ہے ناگزیر ہے۔ جا اور اس کے پاس بیٹھ۔

شمس: میں اس وقت تک باہر نہیں جاؤں گا جب تک آپ قربان علی کے زندہ ہونے کی دعا نہ کریں گے۔

شاہ: کیا مجنونوں کی سی باتیں کرتا ہے۔

شمس: (منہ **تھمتھما** کر) میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے اس کم نصیب کی آہ و زاری دیکھی نہیں جاتی۔

(اب شاہ عالم بالکل فرقان علی کی طرح آنکھیں بند کر کے شمس کا چہرہ چھوتا ہے اور بولتا ہے۔)

شاہ: ادھر میرے پاس آ شمس---- یہ چہرہ، یہ آنکھیں---- یہ ہونٹ مجھے بڑی گریہ و زاری کے بعد ملے ہیں۔ میں نے اپنی ساری عمر میں کبھی کوئی آرزو نہیں کی۔ میری ہوس۔ میرا لالچ، طمع سب کچھ تو ہے شمس۔

شمس: آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ دعا کیوں نہیں مانگتے آپ۔ کیوں سربسجود نہیں ہوتے۔ تاخیر کیوں؟ سوچ کیسی۔

شاہ: چپ ہو جا بچہ زاغ، خاموش ہو جا۔

شمس: ہم یہاں اس رب العزت کی مصلحت کو سمجھنے کے لئے نہیں آئے۔ صرف زخموں پر پھایا رکھنے کے لئے، شفاعت کرنے کو، بے کسوں، مظلوموں کی فریاد رسی کو آئے ہیں قربان علی کو زندہ کر دیجئے۔

شاہ: (آہستہ) تو مسلک ابراہیمی سے آگاہ ہے شمس الدین۔

شمس: (ذرا خوفزدہ ہو کر) مسلک ابراہیمی----

شاہ: پہلے ہم قیمت ادا کئے بغیر سودا مول لیا کرتے تھے جو کچھ وہ ہم سے طلب کر لیتا ہم معاوضہ دیئے بغیر وہ سب واپس چھین لیتے۔ ہم مجذوب تھے اور سمجھتے تھے کہ خلق خدا کی بہتری کو ہم اس سے بہتر سمجھتے ہیں پھر ہم نے اس کے کاموں میں دخل دینا چھوڑ دیا اور راضی برضا ہو گئے---- شمس ہمیں مجبور نہ کرو۔ ہم قربان علی کی قیمت ادا کرنے سے معذور ہیں۔

شمس: وہ سر پٹک پٹک کر مر جائے اور ہم بھی ظلم کی دیوار بنے رہیں اس کے سامنے۔

وہ ہمارے سامنے روتا رہے اور آپ اس کا مداوا کر سکیں، تلافی فرما سکیں۔ اس کی تشفی ہو سکے آپ سے۔ آپ کے اختیار میں ہو سب کچھ اور آپ---- آپ یوں لاتعلق رہیں اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو ہر قیمت پر---- میں پھر کہتا ہوں ہر قیمت پر اس کی سکون کے لئے کوشاں ہوتا۔ اور قسم اللہ تبارک تعالیٰ کی کبھی دریغ نہ کرتا۔

شاہ: دیکھتا نہیں---- اس جسد خاکی میں خدا کی محبت سے بھی بڑا ایک اور بت ہے۔

شمس: بت؟ کیسا بت ابا حضور؟

شاہ: تیری محبت کا جان پدر۔

شمس: تو توڑ ڈالئے اس بت کو---- ادا کر دیجئے قیمت قربان علی کی آپ سوچ کیا رہے ہیں۔ تذبذب کیسا؟

(اب شاہ بیٹے کی طرف پشت کر کے بیٹھ جاتا ہے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیتا ہے شمس اس کی پشت پر تھوڑی دیر کھڑا رہتا ہے پھر جیسے اسے ہلکا سا چکر آتا ہے بیٹھتا ہے پھر آہستہ سے ٹانگیں کھول کر سیدھے کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ دیوار کے ساتھ پھسلتا پھسلتا چت لیٹ کر مر جاتا ہے۔)

شاہ: یا رب العالمین یا ذوالجلال اے رب میرے مالک---- یہ مجبور محض تیری آزمائش گاہ میں حاضر ہے اور اپنے ساتھ اپنے بیٹے کو اس لئے لایا ہے کہ مسلک ابراہیمی پر عمل کرے مجھ پراگندہ و سرگشتہ سرشت میں اتنی قوت ایمان تو نہیں کہ اس زاغ زادے کو محض تیری رضاء و رغبت کے لئے پیش کردوں۔ پر قادر و عادل آرزو میری یہی ہے کہ تو اس کوے کے بچے کو کہ بہت شور مچاتا ہے قربان علی کی جگہ قبول فرمالے۔ بارالٰہا اس کوے کے بچے کو قبول کر۔ اور اس بزغالے کو چھوڑ دے اپنے حبیب کے صدقے اس کالی کملی والے کے صدقے۔ مجھے شرمسار نہ کر۔ مجھے شرمسار نہ کر---- مجھے شرمسار نہ کر۔

(اس وقت پلٹ کر شاہ دیکھتا ہے تو شمس فوت ہو چکا ہے۔ شاہ پاس جاتا ہے اپنے تن کا کمبل اتار کر شمس کے اوپر ڈال دیتا ہے آہستہ آہستہ ایک آنسو اس کی گال پر گرتا ہے۔)

شاہ: یا آقا---- غائب و حاضر کے جاننے والے۔ یا رب المغرب و المشرق---- ہمارا سورج آج غروب ہو گیا۔ ہمیں اتنی قوت عطا فرما کہ ہم اپنی باقی ماندہ تیرہ و تار زندگی میں تیری عنایات کی روشنی کے محتاج رہیں---- انا للہ وانا الیہ راجعون O

(یہ کہنے کے بعد وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہے یہ منظر فیڈ ہو کر ہم حجرے کے باہر آتے ہیں۔)

کٹ

سین 6

ان ڈور

کچھ لمحے بعد

(ارادتمند اور اعتماد الدولہ دست بستہ کھڑے ہیں بادشاہ جہانگیر تخت پوش کے قدموں میں سر جھکائے سینے پر بازو باندھے متفکر بیٹھا ہے اس کے سر پر تاج شاہی ہے لیکن لباس کم پر تکلف ہے سپاہی اسی طرح سرنگوں بیٹھا ہے دروازہ کھلتا ہے شاہ عالم باہر نکلتے ہیں بادشاہ مودب انداز میں دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے شاہ عالم سپاہی کے پاس جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے اور کہتا ہے۔)

شاہ: فرقان علی اٹھو اور گھر جاؤ---- اپنے بیٹے کی خبر لو کون جانے وہ مرا نہ ہو۔ صرف سکتے کا شکار ہو گیا ہو۔

(سپاہی اٹھ کر حیرانی سے شاہ کی طرف دیکھتا ہے۔)

سپاہی ا: کیا میرے آقا۔

شاہ: فرقان علی۔ گھر جاؤ، شاید تمہارا فرزند مرا نہ ہو اور سکتے کا شکار ہو گیا ہو۔

(اس وقت ایک سپاہی بھاگم بھاگ داخل ہوتا ہے۔ سپاہی بادشاہ کو دیکھ کر ٹھٹھکتا ہے اور کورنش بجا لاتا ہے شاہ عالم مجسم صبر کی تصویر بنے کھڑے ہیں۔)

سپاہی ۲: جان کی امان پاؤں تو فرقان علی سے کچھ عرض کروں عالی جاہ۔

جہانگیر: تمہیں اجازت ہے۔

سپاہی ۲: میں تمہارے گھر سے آ رہا ہوں فرقان علی---- تمہارا قربان علی زندہ ہے۔ زندہ ہے، سانس لیتا ہے اور---- اور تمہارا نام پکارتا ہے۔

سپاہی ۱: یہ کیا---کیا کہا؟

سپاہی ۲: گھر کی عورتیں بین کر رہی تھیں پھر حکیم گورگانی نے سمجھایا ہے کہ سکتے کے مریض کو رویا نہیں کرتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ وہ تجھے بلا رہا ہی جلدی چل کہ اسے نقاہت بہت ہے۔

سپاہی ۱: قربان علی زندہ ہے سانس لیتا ہے--- قربان میرا قربان۔

(سپاہی یکدم خوشی سے آسمان کی طرف دیکھتا ہے پھر بھاگ کر باہر جاتا ہے دوسرا سپاہی کورنش بجالاتا ہے اور پھر رخصت ہوجاتا ہے شاہ عالم صبر اور شکر کے انداز میں ایک لمبی سی آہ بھرتا ہے ہاتھ کے اشارے سے ارادتمندوں کو بٹھاتا ہے اور خود بھی بیٹھ جاتا ہے۔ اب شاہ تخت کی طرف بڑھتا ہے ادھر سے جہانگیر شاہ عالم کی طرف آتا ہے اور دونوں ایک لمحہ کے لئے گہری نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں پھر جہانگیر شاہ عالم کا ہاتھ اٹھا کر اسے بوسہ دیتا ہے۔)

اعتماد: عجب آدمی بے صبر ہے کہ حضور کا شکریہ بھی ادا نہ کیا اور روانہ ہوگیا۔

شاہ: وہ کچھ اپنے ہوش میں نہیں ہے جواں سال بیٹے کی موت کا صدمہ انسان کو دیوانہ بنا دیتا ہے۔

جہانگیر: شہنشاہ اقلیم باطن۔ جو بات آپ کی نظر میں ہے اسے یا تو بادشاہ سمجھ سکتے ہیں یا فقیر زادے۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہمارے جد امجد بابر کا کارنامہ ہی عظیم تھا لیکن ہمیں معلوم نہ تھا کہ ایسے باپ بھی ہوں گے جو دوسروں کے دلوں کی پاسبانی کے لئے اپنی آنکھوں کا نور قربان کردیں گے---- ہم خوش نصیب ہیں شہنشاہ کہ تیری چوکھٹ پر اپنی قباء سے جاروب کشی کی اجازت رکھتے ہیں۔

(یہ کہہ کر وہ جھک کر اس طرح آداب بجالاتا ہے جیسے روپ خواص اس کے محل میں آئی تھی پھر وہ الٹے پاؤں واپس لوٹتا ہے---- اعتماد الدولہ بھی بادشاہ کی نقل کرتا ہے دونوں سیٹ سے باہر نکل جاتے ہیں۔ شاہ عالم اپنی گدی پر بیٹھ جاتے ہیں ہلکا سا مسکراتے ہیں۔ اور پہلے ارادتمند کی طرف دیکھتے ہیں وہ سورۂ

یٰسین کا ورد شروع کردیتا ہے---- ورد جاری رہتا ہے۔ منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

ارادتمند ۱: یس O والقران الحکیم O انک لمن المرسلین O علی صراط مستقیم O تنزیل العزیز الرحیم O

بہن بھائی

کردار:

- راشدہ — ایک نوجوان لڑکی
- یوسف — راشدہ کا بھائی
- جلال — راشدہ کا شوہر
- نیاز رسول — راشدہ کا باپ
- فقیرنی
- چھوٹی راشدہ

سین 1

ان ڈور

دن

(راولپنڈی کے ایک متوسط گھر کے سلیپنگ روم کا سین۔ پلنگ۔ اس کے پائنتی کی طرف سنگھار میز۔ ساتھ الماری نیچی تپائی---- پائپ کی دو کرسیاں جن پر گول ڈوری والی پلاسٹک رسی سے سیٹ بنی ہوئی ہے۔ بغلی غسلخانہ، جس کا بیسن اس سے اوپر کا آئینہ اور ٹوتھ پیسٹ برش آئی ڈراپس وغیرہ رکھنے کا شیلف صاف نظر آرہا ہے۔

جب سین کھلتا ہے تو اس کمرے سے متعارف کرنے کے لئے ہم کیمرہ اس طرح سے گھماتے ہیں کہ جب کیمرہ پلنگ کی طرف بڑھتا ہے تو TILT DOWN ہو جاتا ہے اور اس کے پایوں کے پاس سے گزرتا ہے۔ نیچے زمین پر دو خوبصورت سینڈل پڑے ہیں۔ ایک الٹا ایک سیدھا۔ پاس ہی موٹے موٹے منکوں کا ایک ہار بکھرا ٹوٹا پڑا ہے۔ کچھ کانچ کی چوڑیاں ٹوٹی پڑی ہیں۔ ایک مصنوعی چوٹی الجھی دھری ہے۔ ساتھ ساتھ خوفناک میوزک بج رہا ہے۔ پھر کیمرہ اچانک دروازہ دکھاتا ہے جس میں سیاہ گاؤن پہنے ہوئے پروفیسر یوسف دکھائی دیتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں رجسٹر اور اکنامکس کی دو کتابیں ہیں۔ وہ دہلیز پر رکتا ہے اور ایک BANG کے ساتھ ہم پلنگ دکھاتے ہیں۔ جس پر سفید چادر میں لاش کی طرح لپٹی ہوئی راشدہ پڑی ہے۔ پروفیسر آگے بڑھتا ہے۔ کتابیں تپائی پر رکھتا ہے۔ چادر کے اوپر ہی سے ہاتھ لگا کر لاش کا ماتھا چھوتا ہے۔ پھر نیچے دیکھتا ہے جھک کر جوتا اٹھانے لگتا ہے پھر جیب سے رومال نکال کر جوتا رومال میں پکڑتا ہے۔ تاکہ اس پر اس کی انگلیوں

کے نشان نہ پڑ جائیں۔ جوتا غور سے دیکھتا ہے اچانک لاش تڑپ کر اٹھتی ہے۔ اور پروفیسر کے ہاتھ سے جوتا چھین کر کہتی ہے۔)

راشدہ: آپ سے کتنی مرتبہ کہا ہے میرے جوتے کو ہاتھ نہ لگایا کریں۔

یوسف: (راشدہ کی چوٹی جڑ سے پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے) تم سے کتنی مرتبہ کہا ہے مجھے اس طرح خوفزدہ نہ کیا کرو۔

راشدہ: بس اتنا ہی حوصلہ ہے۔

یوسف: جی ہاں اتنا ہی ورثے میں ملا ہے۔

راشدہ: کھانا۔

یوسف: کھالیا۔

راشدہ: چائے۔

یوسف: پی لی۔

راشدہ: اور یہ گاؤن؟ اسی طرح تشریف لاتے ہیں کالج سے جناب عالی؟

یوسف: ہاں جی۔ (گاؤن اتارتے ہوئے) کوئی اعتراض ہے؟

راشدہ: نہیں جی کوئی اعتراض نہیں--- بلکہ ہماری تو خواہش ہے کہ ہر صبح اسے پہن کر ہی غسل فرمایا کریں۔

(سنگھار میز کی طرف جاتی ہے)

یوسف: (تپائی پر چڑھتے ہوئے) یہ جو تمہاری عادت ہے ناں منہ پیر چادر میں لپیٹ کر لاش کی طرح لیٹنے کی۔ یہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔)

(یوسف تپائی پر چڑھ کر ڈوری سے لٹکتا ہوا بلب اتارتا ہے اور اسے روشنی کے رخ کرکے دیکھتا ہے۔ بلب فیوز ہے۔ پھر وہ جیب سے ڈبی میں بند نیا بلب نکالتا ہے۔ اور ہولڈر میں لگاتا ہے۔ ڈبی زمین پر پھینکتا ہے اور پرانا بلب جیب میں ڈال لیتا ہے۔)

راشدہ: اور یہ جو آپ کی عادت ہے ناں۔ شام کے تین تین چار چار بجے گھر آنے کی یہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔

یوسف: ایک سیمینار ایک ٹیٹوریل گروپ۔ پھر پرنسپل صاحب کے پاس حاضری۔ تین بجے سے پہلے کس طرح فراغت ہوسکتی ہے بھلا۔

راشدہ: (پاس آکر اوپر دیکھتے ہوئے کہ بلب لگ گیا ہے) تو پھر مجھ سے کس جرم کی

پاداش میں پورے ایک بجے کھانا پکوایا جاتا ہے۔

یوسف: اس لئے کہ تم کھانا پکانے کے سوا اور کرہی کیا سکتی ہو۔

(تپائی سے اترتا ہے اور جانے لگتا ہے۔)

راشدہ: چچ اے ہے---- اور یہ خالی ڈبیہ کون اٹھائے گا۔

یوسف: تم اور کون؟

راشدہ: جی نہیں۔ جس نے گند ڈالا ہے وہی اٹھائے۔ میں جمعدارنی نہیں ہوں اس گھر کی۔

یوسف: یہ میرے باپ کا گھر ہے میں جب چاہوں جس قدر چاہوں اس میں گند ڈال سکتا ہوں۔

راشدہ: یہ میرے بھی باپ کا گھر ہے۔ اور مجھے بھی اختیار ہے کہ میں جب----

یوسف: نہیں جناب یہ آپ کے باپ کا گھر نہیں ہے۔

راشدہ: اگر میرے باپ کا گھر نہیں۔ تو پھر کسی کے باپ کا گھر نہیں----

(یہ فقرہ سن کر یوسف خاموش ہوجاتا ہے۔ اور سوچ میں ڈوب جاتا ہے کیمرہ اس کا فل کلوزاپ لیتا ہے۔)

کٹ

سین 2

ان ڈور (فلیش بیک)

صبح

(ایک چھوٹا سا گھر۔ جس کے ایل شیپ برآمدے پر ٹوٹے سرکنڈوں کی چھتیں پڑی ہیں۔ اور برآمدے کی محرابیں پرانی ڈاٹ دار ہیں۔ سامنے چھوٹا سا صحن ہے۔ صحن میں ایک دو گملے رکھے ہیں۔ جن کے پاس میز کرسی لگائے یوسف پڑھنے میں مصروف ہے۔)

ایم اے کی تیاری کر رہا ہے۔ اور ایک موٹی سی کتاب میں سے کاپی پر نوٹس لکھ رہا ہے۔ اس کی پشت پر کونے میں ایک چوکی ہے جس پر جاء نماز بچھا ہے---- ایک بہت ہی پاکیزہ چہرے اور لمبی سفید ریش والا بزرگ جس کے ماتھے پر محراب اور منہ پر نور ہے۔ شلوار قمیض اور لمبا خاکی کوٹ اپنے سر پر پگڑی باندھے ہاتھ میں بند چھتری لئے اندر داخل ہوتا ہے۔ یہ یوسف کا ابا نیاز رسول ہے۔)

نیاز: (چھتری چوکی پر رکھتے ہوئے) آؤ آؤ بیٹا۔ آؤ۔
(پلٹ کر چق تک جاتا ہے)

یوسف: کون ہے ابا؟

نیاز: آؤ بیٹا آؤ۔ (راشدہ سیاہ برقعہ اوڑھے نقاب الٹے داخل ہوتی ہے) تیری بہن ہے یوسف۔ اور کون آئے گا اس گھر میں۔

یوسف: (اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے) السلام علیکم۔

راشدہ: وعلیکم السلام۔

نیاز: بہنوں کے لئے بھائی اٹھ کر کھڑے نہیں ہوا کرتے یہ تکلف تو غیروں میں ہوا کرتا ہے---- بیٹھو راشدہ بیٹھو۔

راشدہ: (مونڈھے پر بیٹھتے ہوئے) آپ کے گھر میں کوئی عورت نہیں جی۔

نیاز: ہے---- ہے کیوں نہیں۔

راشدہ: کہاں ہیں جی۔

نیاز: یہ سامنے کون بیٹھی ہے میرے گھر کی بیٹی تو ہے۔

راشدہ: لیکن جی، میرا مطلب ہے---- کہ----

نیاز: (چوکی پر بیٹھ کر) یہ راشدہ ہے یوسف۔ اور تیرے باپ کی طرح یہ بھی سری نگر کی رہنے والی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ میں آج سے چالیس برس پہلے سری نگر سے آیا تھا اور یہ اب آئی ہے۔

یوسف: لیکن ابا تو تو کہتا تھا کہ تیرے سوا میرے اور کوئی بچہ نہیں۔

راشدہ: آپ ٹھیک کہتے ہیں جی۔ میں ان کی بیٹی نہیں ہوں۔ میں تو ایک بے یارومددگار بے سہارا عورت ہوں۔ جو اپنے خاوند کی تلاش میں وادی سے یہاں پہنچی ہوں۔ میرا خاوند ڈوگرے کی قید میں تھا۔ پھر ایک سال بعد وہاں سے فرار ہوگیا۔

لوگوں نے بتایا وہ آزاد کشمیر پہنچ گیا ہے۔ میں رات کی تاریکی میں باڈر کراس کر کے آزاد کشمیر پہنچی تو معلوم ہوا وہ وہاں بھی نہیں پہنچا۔

نیاز: دیکھ یوسف سری نگر کی نڈر بچیاں کس قدر بہادر ہوتی ہیں۔

راشدہ: آزاد کشمیر کے گاؤں گاؤں پورے دو مہینے تلاش کرنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ پنڈی پہنچ چکا ہے۔ کل سے میں اس کی تلاش میں ہوں۔

یوسف: اور پنڈی میں آپ کا قیام کہاں ہے؟

نیاز: قیام کہاں ہوگا؟ اپنے باپ کے گھر میں اور کہاں---- بیٹھی تو ہے تیرے سامنے۔

راشدہ: کل رات تو میں نے اسٹیشن کے مسافر خانے میں گزاری۔ اور آج شام یہ مجھے بنی کے بس اسٹاپ سے لے آئے۔

یوسف: آپ کو اکیلے رہتے ہوئے ڈر نہیں لگتا۔

راشدہ: اجنبی جگہوں پر اکیلے رہتے رہتے اب میں اس بات کی عادی ہوگئی ہوں۔

یوسف: کھانے پینے اور سفر کے اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں بی بی۔

راشدہ: جب میں سری نگر سے چلی ہوں تو میرے پاس کافی زیور تھا۔ اب بھی میرے پاس دو سو روپے اور ہاتھ کا ایک کنگن ہے۔

نیاز: ہم دوسرے ہاتھ کا کنگن بھی بنوا دیں گے اپنی بیٹی کو۔

(یہ فقرہ کہہ کر نیاز جو چوکی پر کھڑا ہے۔ آرام سے نماز نیت لیتا ہے اور یوسف اپنی کتابیں سمیٹنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔)

سین 3

ان ڈور

دن

(یوسف اسی جگہ کھڑا ہے۔ راشدہ تپائی کے اردگرد قالین پر برش کر رہی ہے۔ برش کو پلنگ تلے رکھتی ہے۔ اور بلب کے خول

چند تنکے، کاغذ کی کترنیں ایک اخبار پر ڈال کر دروازے کی جانب بڑھتی ہے۔)

یوسف: راشدہ۔

راشدہ: (رک کر) جی۔

راشدہ: فرمائیے۔

یوسف: یہ پھینک آؤ پہلے باہر۔

(چلی جاتی ہے۔ یوسف جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتا ہے۔)

راشدہ: (لوٹ کر) جی۔

یوسف: (پلنگ پر بیٹھ کر) تم سے ایک مشورہ کرنا تھا۔

راشدہ: (اس کے ساتھ پلنگ پر بیٹھ کر) فیس مشورہ بتیس روپے۔

یوسف: وہ بھی مل جائیں گے لیکن اس وقت ذرا جذبات کو چھوڑ کر اس کو کام میں لاتے ہوئے (سر پر ٹھولا مار کر) رائے دو کہ تمہارا بھائی یوسف کیا کرے۔ کالج میں رہے یا کالج چھوڑ دے۔

راشدہ: دیکھا ہو گئی ناں وہی بات۔ جس کا ڈر تھا---- کیسی ہے؟

یوسف: اچھی ہے۔ بہت اچھی۔

راشدہ: پھر بھی کس قدر؟

یوسف: بھئی پاکستانی سے تو اچھی ہے۔

راشدہ: ہائے میرے اللہ۔ ہم نہیں کریں گے اپنے بھیا کی شادی کسی غیر ملکی سے۔

یوسف: غیر ملکی! شادی!! یہ تم کیا بکواس کر رہی ہو۔

راشدہ: کیوں اپنے پاکستان میں ایک سے ایک ہیرے جیسی لڑکیاں پڑی ہیں۔

یوسف: میں نوکری کی بات کر رہا ہوں، تم خواہ مخواہ میں نند بننے کے خواب دیکھ رہی ہو

راشدہ: نوکری؟ کس کی؟

یوسف: شیخ دوبئی کی۔ DEPTUTY EDUCATIONAL ADVISER

دو ہزار سارٹ ---- FREE ACCOMODATION

راشدہ: یہ دوبئی جو کویت بحرین کی طرف ہے؟

(یوسف اثبات میں سر ہلاتا ہے)

راشدہ: ہم نہیں جاتے وہاں۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ اس قدر دور جانے کی۔

یوسف: آپ کو کون پوچھ رہا ہے بھائی صاحب۔ یہ نوکری ہم کو آفر ہوئی ہے۔ پڑھے لکھوں کو ملا کرتی ہے ایسی ملازمتیں۔ آیا خیال شریف میں۔

راشدہ: ہم نہیں جائیں گے اتنی دور یوسف بھائی۔ اور اس دوران میں اگر جلال کی خبر مل گئی تو انہیں کس طرح سے ملیں گے۔

یوسف: آپ کو کون ساتھ لے جا رہا ہے بہن جی۔ آپ یہیں رہیں گی اپنے والد صاحب کے گھر کی مالک بن کر۔ اپنے خاوند صاحب کے انتظار میں۔

راشدہ: سارے گھر کی مالک؟

یوسف: بالکل۔

راشدہ: لیکن بیٹی تو شاید ۱/۸ حصے کی مالک ہوتی ہے۔

یوسف: میں باقی کے کمروں کو تالے لگا جاؤں گا۔ اور ۱/۸ گھر تمہارے لئے کھلا چھوڑ جاؤں گا۔

راشدہ: لیکن میں تو ۱/۸ حصے کی بھی مالک نہیں ہو سکتی۔ میں کوئی ابا کی اصل بیٹی تھوڑی ہوں۔ میرا ان کا کوئی خون کا رشتہ تھوڑی ہے تمہاری طرح سے۔ پھر میں اس گھر کے کسی حصے کی کس طرح مالک ہو سکتی ہوں۔

(راشدہ کے ان مکالموں پر یوسف کا چہرہ پھر سوچ میں ڈوب جاتا ہے۔ اور ایک مرتبہ پھر اس کا فل کلوز اپ لے کر پیچھے کی طرف جاتے ہیں۔)

(فلیش بیک)

سین 4

ان ڈور

دن

(وہی پرانے گھر کا محراب دار برآمدے کا سین۔ چوکی پر تکیئے کا سہارا لئے بابا نیاز رسول بیٹھے ہیں اور ان کے پاس یوسف بیٹھا

ہے۔)

نیاز: وہ جو کوٹھی میں نے تمہیں سیٹلائٹ ٹاؤن میں دکھائی تھی اور تم نے بے حد پسند کی تھی۔ وہ میں نے خرید لی ہے۔

یوسف: سچ ابا!

نیاز: راشدہ کہاں ہے۔

یوسف: وہ اماں حاجن کو سلام کرنے تحصیل داروں کے بنگلے گئی ہے۔

نیاز: (تکئے تلے سے چابی نکال کر) یہ ہے اس کی چابی، تیسرے کے بعد وہاں چلے جانا۔

یوسف: تیسرے کے بعد ابا۔

نیاز: آج جمعہ ہے ناں کل ہفتہ اور پروں اتوار---- میرا مطلب ہے اتوار کی شام ادھر چلے جانا دونوں بہن بھائی۔

یوسف: دونوں بہن بھائی!

نیاز: یہ گھر میں نے بیچ دیا ہے کلیم صاحب کے ہاتھ۔ تیس ہزار اس کے ملے اور چالیس میرے پاس عمر بھر کے جوڑ جوڑ کر رکھے تھے۔ ستر میں اس کوٹھی کا سودا ہوگیا۔ میں نے کہا یوسف کو پسند ہے تو مجھے بھی پسند ہے۔ آدھا حصہ کرائے پر بھی دے دوگے تو بھی تمہارے لئے بہت ہے۔

یوسف: آج آپ کچھ عجیب سی باتیں کر رہے ہیں ابا۔

نیاز: حکیم صاحب سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ پیر نہیں تو منگل کے روز یہ گھر خالی کر دوں گا۔ سو تم لوگ اتوار کو ہی خالی کر دینا۔

یوسف: یہ ہم لوگوں میں سے آپ اپنے آپ کو کیوں نکال رہے ہیں ابا۔

نیاز: وہ اس لئے یار کہ آدمی وقت پر نکل جائے تو اچھا ہی ہوتا ہے۔ یہ لے۔ (تکئے تلے ہاتھ پھیر کر) کہاں گئی---- لے یہ لے رجسٹری اس کوٹھی کی، اپنے نام کی۔

یوسف: یہ آپ نے میرے نام کیوں کرائی ابا۔

نیاز: دیکھ ناں اب تو ہی سیانا ہے ناں اس گھر میں۔ پڑھا لکھا۔ پروفیسر صاحب---- پھر میرے بعد تجھی کو جانی تھی ناں یہ کوٹھی۔ میں نے سوچا تیرے نام ہی رجسٹری کروا دیں۔ بعد میں تکلیف نہ ہو۔

یوسف: جب آپ کے بعد قانون کی رو سے اور مذہب کی رو سے مجھے ہی اس جائیداد کا

وارث بننا تھا تو آپ نے یہ تکلف کیوں کیا۔

نیاز: یوسف علی یار تجھے تو وکیل ہونا چاہئے تھا۔ ایسی اچھی جرح کرتا تو گواہوں پر کہ----

یوسف: آپ نے یہ کیوں کہا کہ بعد میں تمہیں تکلیف نہ ہو۔

نیاز: ایسے ہی منہ سے نکل گیا بابا۔

یوسف: ابا اگر آپ مجھے سچ سچ نہیں بتائیں گے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ تو میں آپ سے بولوں گا نہیں۔

نیاز: بول یار بول---- ہم سے نہیں بولے گا تو اور کس سے بولے گا پھر۔

یوسف: اگر آپ مجھے اصل بات سے آگاہ نہیں کریں گے تو میں یہ رجسٹری ابھی پھاڑ دوں گا آپ کے سامنے---- یہ چابی یہاں پھینک دوں گا اور اس گھر سے ہمیشہ کے لئے نکل جاؤں گا۔

نیاز: ذرا---- ذرا---- صبر میرے بیٹے---- صبر میرے چاند----

یوسف: نہیں ابا جی میں اس سے زیادہ اور صبر نہیں کر سکتا۔

نیاز: (یوسف کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر) میرے بعد تمہیں تکلیف نہ ہو۔" میں نے اس لئے کہا یوسف---- اور یہ رجسٹری اس لئے تیرے نام کرائی یوسف کہ تو میرا بیٹا نہیں ہے---- آج سے ستائیس برس پیشتر میں نے آدھ رات کے وقت تجھے راجہ بازار کے ایک ٹھنڈے تنور کے پہلو سے اٹھایا اور اپنے بڑے کوٹ کے بٹن کھول کر تجھے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ اس وقت تیرا نیم مردہ اور سرد بدن پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ سارے پنڈی کو کہرے نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اور مری کی پہاڑیوں پر برفباری ہو رہی تھی۔ تو اس قدر چھوٹا تھا کہ تجھے بات کرنا بھی مشکل سے آتی تھی۔ لیکن جب میرے بدن کی گرمی نے تیری رگوں میں خون کو حرکت دی تو تو نے میرے بڑے گرم کوٹ کے گریبان سے کنگرو کے بچے کی طرح سر باہر نکالا اور ہولے سے کہا ابا۔ میں نے اپنا منہ تیرے ہلکے سے پسینے والے سر پر رکھ دیا جس سے گندھے ہوئے آٹے اور تنور کی پکی ہوئی مٹی کی خوشبو آتی تھی۔ اس رات مجھے پہلی مرتبہ اپنے منہ سے آنے والی بو بری لگی۔ اور میں نے تیرے سر پر اپنے ٹھوڑی رکھ کر کہا آج سے تیرے ابا کے منہ سے یہ بو نہیں آئے گی---- یہ

رجسٹری میں نے تیرے نام کی اس لئے کرا دی بیٹا کہ زمانہ بڑا بے مروت ہے۔ میرے بعد میں تمہیں تکلیف نہ ہو۔

یوسف: لیکن آپ نے یہ بات آج تک مجھ سے چھپا کر کیوں رکھی۔

نیاز: ہر بات کا ایک وقت اور ہر اعلان کا ایک مقام ہوتا ہے---- یہ کاغذ اور یہ چابی سنبھال کر رکھنا۔ اور اپنی بہن کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ کیونکہ اس کا اس دنیا میں تیرے سوا کوئی اور نہیں۔ وہ میری بیٹی ہے کہ میرے سری نگر کی بیٹی ہے۔ اور تو میرا بیٹا ہے کیونکہ تیری رگوں میں میری محبت اور شفقت کا خون دوڑ رہا ہے۔ اس کو کسی بات کی کمی کا احساس نہ ہو خواہ اس میں تمہاری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

یوسف: آج آپ کی نصیحت میں وصیت کا رنگ کیوں بھرتا جا رہا ہے۔ ابا؟

نیاز: (جیب سے رومال سے بندھی ہوئی چابی نکال کر) یہ میری ٹرنک کی چابی ہے۔ اور اس میں میری آخری ضرورت کا سب سامان موجود ہے---- اچھا بھئی اب ہمیں اجازت دو جمعہ کا وقت ہو رہا ہے۔

(اٹھتا ہے اور چلتا ہے یوسف حیرانی سے دیکھتا ہے۔ بابا واپس پلٹتا ہے۔)

اگر جمعہ کی نماز کے بعد لوگ دوڑ کر تمہارے دروازے پر کچھ خبر دینے آئیں تو گھبرانا مت۔ نہ خود رونا نہ راشدہ کو رونے دینا۔ ازل سے یونہی ہوتا آیا ہے---- آنا جانا زندگی کے ساتھ ہی لگا ہے---- لو خدا حافظ!

(ہاتھ ملاتا ہے۔)

(نیاز آہستہ آہستہ چلا جا رہا ہے اور یوسف ساکت و جامد اسی جگہ پر کھڑا ہے اور اسے دیکھے جا رہا ہے۔ دیکھے جاتا ہے۔)

کٹ

سین 5

ان ڈور

شام

(ایک اچھے سے خوبصورت ریستوران کا ایک کونہ، چھوٹی سی چوکور میز کے گرد یوسف اور راشدہ بیٹھے ہیں اور چائے پی رہے ہیں۔ پس منظر میں بڑی تازہ سی مغربی موسیقی کی دھن بج رہی ہے۔ یوسف سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دباتا ہے۔ ماچس کے لئے کوٹ کی جیبیں ٹٹولتا ہے۔ راشدہ اپنا پرس کھول کر اس کے اندر سے ماچس نکالتی ہے۔ ہلا کر دیکھتی ہے خالی ہے۔ لیکن وہ کھول کر پیش کرتی ہے۔ ایک بیرا آگے بڑھ کر جلتی ہوئی ماچس سے یوسف کا سگریٹ سلگاتا ہے اور یوسف اسے "شکریہ" کہتا ہے۔ بیرا واپس جاتا ہے۔)

یوسف: میں کل شام دوبئی جا رہا ہوں راشدہ۔

راشدہ: (چائے بنانے سے ہاتھ روک کر) کیا کہا یوسف بھائی۔

یوسف: میں یہ بات تم سے گھر پر بھی کہہ سکتا تھا لیکن مجھے ڈر تھا کہ وہاں پھر تم اسی طرح سے جذباتی نہ ہو جاؤ جیسے ابا کی میت جب مسجد سے گھر آئی تھی۔ تو تم ہراساں ہوگئی تھیں۔

راشدہ: یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

یوسف: میں نے اس ملازمت کی ہامی بھرلی اور دوبئی میں اپنی آمد کی کیبل بھیج دی ہے۔

راشدہ: لیکن یہ فیصلہ آپ نے کیوں کیا۔ کب کیا اور مجھ سے----

یوسف: جس دن آزاد کشمیر سے جلال کا خط تمہارے نام آیا تھا اسی دن میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا۔

راشدہ: اتنے سالوں کے بعد خاوند کے مل جانے کا مطلب یہ تو نہیں کہ بہن اپنے بھائی سے محروم ہو جائے۔

یوسف: دیکھو راشدہ جلال ایک شکی انسان ہے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ

راشدہ: آپ سے کس نے کہا کہ جلال ایسے ہیں۔

یوسف: میں نے تمہاری باتوں سے اندازہ لگایا ہے۔

راشدہ: اور ان کے متعلق بات کرنے میں، میں کس قدر محتاط رہی ہوں۔

یوسف: پھر اس کے وہ دو خط جو اس نے تمہارا پتہ پالینے کے بعد لکھے ہیں۔ میرے اندازے کی تصدیق کرتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم کو کوئی تکلیف ہو۔

راشدہ: یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں یوسف بھائی۔

یوسف: مرنے سے پہلے ابا نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں تمہیں خوش رکھوں گا۔ اور تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔

راشدہ: یہ آپ میری تکلیف کا ازالہ کر رہے ہیں۔

یوسف: بے شک۔

راشدہ: جلال واقعی بڑے ضدی اور بے حد شکی اور کافی حاسد ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ میرے بھائی کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔

یوسف: میں تمہارے نام اس کا دوسرا خط پڑھ چکا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے وہ خط بلا اجازت تمہارے تکیئے تلے سے نکالا اور تم سے پوچھے بغیر پڑھا۔

راشدہ: وہ جب آپ سے ملیں گے تو ان کا سارا شک دور ہو جائے گا۔

یوسف: یہ ایک ایسی صورت حال ہے راشدہ کہ اگر اس جگہ میں بھی ہوتا تو میں بھی شاید یہی محسوس کرتا۔

راشدہ: لیکن میں ان کو پچھلے پانچ سال کے سارے واقعات تفصیل سے لکھ چکی ہوں۔

یوسف: اگر صرف لکھنے سے یا کہنے سے یا صفائی پیش کرنے سے لوگوں کے شک دور ہو سکتے تو یہ زندگی بڑی آسان اور بہت خوشگوار ہوتی۔

بیرا: (آکر) اور چائے سر۔

یوسف: نو تھینک یو۔

راشدہ: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ یہاں سے فرار ہو کر انہیں اور شک میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ پھر تو وہ صورت حال سے کبھی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔

یوسف: پتہ نہیں کیا بات ہے راشدہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں یہاں رہا تو تم دونوں کے درمیان علیحدگی کی ایک سنگین دیوار بن جاؤں گا۔

راشدہ: یوسف بھائی؟

یوسف: ازل سے انسان کی فطرت کچھ اس طرح کی ہے راشدہ کہ وہ برائی کے متعلق ہمیشہ متجسس رہتا ہے۔ کبھی اسے اختیار کرنے کے لئے بے چین کبھی اسے دور کرنے کے لئے بیقرار۔ آدمی کیسا بھی نیک کیوں نہ ہو۔ اس کی توجہ برائی پر مرکوز رہتی ہے کبھی مثبت کبھی منفی۔ جلال بھی تو انسان ہے۔

راشدہ: وہ بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں۔

یوسف: پڑھا لکھا آدمی اور بھی خدشات کا مارا ہوتا ہے اس کے ذہن میں شک کا سنپولیا ہر وقت پیلا پیلا زہر اگلتا رہتا ہے۔ سیاست سے لے کر مذہب تک اسے کسی بات پر یقین ہی نہیں آتا۔ (تھیلا کھول کر) یہ کاغذات میں نے آج ہی مکمل کرائے ہیں۔

راشدہ: کیا ہے ان کاغذوں میں۔

یوسف: یہ تمسک ہے ہمارے بنگلے کا جو میں نے تمہارے نام گفٹ کر دیا ہے۔ (کاغذ دیتا ہے)

راشدہ: مجھے ان کاغذات کی ضرورت نہیں۔

یوسف: (گول کاغذ کو تہہ کرتے ہوئے) یہ میرا کام نہیں ابا مرحوم کا حکم تھا۔ اگر تم ان کی روح سے بغاوت کرنا چاہتی ہو تو شوق سے پھاڑ دو۔

(راشدہ خاموشی کے ساتھ اپنا پرس اٹھاتی ہے اور کھول کر یوسف کے سامنے کر دیتی ہے۔ وہ اس میں تہہ شدہ کاغذ ڈال دیتا ہے۔ راشدہ کی آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں جو کچھ گزر رہا ہے وہ اسے تسلیم کر لیتی ہے۔ یوسف اس کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے کھینچتا ہے اور وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیتی ہے۔)

کٹ

سین 6

ان ڈور

صبح

(وہی پہلے سین والا سلیپنگ روم، راشدہ غسل خانے کے دروازے میں کھڑی ٹوتھ برش کر رہی ہے اور بول رہی ہے اس کے اولین چند لمحے اس کے چہرے پر آتے ہیں۔ پھر کیمرہ دیواروں پر گھومتا ہوا کونے کی واحد صوفہ کرسی کی طرف جاتا ہے جہاں جلال بیٹھا ہے)

راشدہ: پتہ ہے آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ اتنا لمبا سفر ایسی دور دراز کی نوکری ایسا طویل فراق۔ اچھا ہی کیا جو آپ نے یہ خیال چھوڑ دیا۔ ہمارے ملک میں کس چیز کی کمی ہے بھلا۔

جلال: (اچانک ہاتھ کی لکیریں دیکھتے ہوئے) میں نے سوچا اتنی مدت کے بعد ملے ہیں اگر ملک سے باہر چلے جائیں تو پھر نہ بکھر جائیں کہیں۔

راشدہ: لیکن یوسف بھائی کس قدر ضدی نکلے، میں نے لاکھ منت خوشامد کی مگر چلے ہی گئے۔

جلال: یوسف ! بھائی !! ---- اس نے اچھا ہی کیا جو وہ چلا گیا۔

راشدہ: میں نے کہا جلال سے تو مل کر جایئے گا لیکن مانے ہی نہیں۔

جلال: میرے خیال میں وہ بڑا ذہین نوجوان ہے۔

راشدہ: میں نے کہا بھی کہ جلال آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔

جلال: شاید وہ مجھے تم سے بہتر سمجھتا تھا۔

راشدہ: (قریب آکر) آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جلال !

جلال: مجھے اس ٹوتھ پیسٹ کی بو پسند نہیں (اٹھتا ہے اور غسل خانے کی طرف جاتا ہے) تمہارا منہ بولا باپ بھی اس آئینے میں صورت دیکھا کرتا تھا۔

راشدہ: ابا اس گھر میں آئے ہی نہیں۔ انہوں نے یہ بنگلہ خریدا ضرور لیکن اس میں رہنا نصیب نہ ہوا۔

(اس عرصے میں جلال اپنے چہرے پر صابن لگا چکا ہے۔ وہ شیو کے لئے سیفٹی اٹھاتا ہے۔ اور گلے پر پھیرتا ہے۔ وہ پہلو والی چھوٹی سی الماری کھولتا ہے۔ اس میں یوسف کا پرانا شیونگ برش

اور آفٹر شیو لوشن کی خالی شیشی پڑی ہے۔ جلال یہ شیشی اٹھا کر فرش پر مار کر توڑ دیتا ہے۔ پھر وہ یوسف کا شیونگ برش اٹھاتا ہے اور زمین پر پٹخ دیتا ہے۔ تولیہ کھینچ کر اپنے منہ پر لگی ہوئی جھاگ صاف کرتا ہے اور شیو کرنے کا خیال چھوڑ دیتا ہے۔ راشدہ یہ سب کچھ دیکھ رہی ہے اور آہستہ آہستہ اس کے قریب آتی ہے۔)

راشدہ: تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں جلال۔

جلال: مجھے ہر شخص پر اعتماد ہے سوائے اپنی ذات کے۔ تم نہیں جانتیں راشدہ جب آدمی بداعتمادی کا شکار ہوجاتا ہے تو اسے ہر شخص چور بے ایمان بدفطرت اور بدکردار دکھائی دینے لگتا ہے میرا ذہن کہتا ہے کہ تم اور یوسف بھائی بہن ہوسکتے ہو۔ بھائی بہن ہو۔ لیکن میرا دل کہتا ہے ایسا نہیں ہوسکتا ایسا نہیں ہے۔ کون ہے اس دنیا میں جو ایک غیر کو اپنی بہن یا غیر کو اپنا بھائی سمجھے۔

راشدہ: لاکھوں میں ایک یا پھر کروڑوں میں ایک، ایسا تو ہوسکتا ہے ناں جلال۔

جلال: پھر تم نے ذہن کی بات کی اعداد و شمار کی بات کی۔ میں دل کی بات کر رہا ہوں۔

راشدہ: میں بھی کیسی بدنصیب عورت ہوں۔

جلال: شاید میں تم سے زیادہ بدنصیب زیادہ دکھی اور زیادہ پریشان ہوں۔ تمہارے باہر ناخوشگوار واقعات نے یورش کی ہے اور میرے اندر متضاد کیفیات نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں سونت رکھی ہیں۔

راشدہ: تمہیں مجھ پر یقین نہیں جلال۔

جلال: ہے راشدہ۔ ہے کیوں نہیں، یقین ہی تھا تو میں در در کی ٹھوکریں کھاتا حادثات سے لڑتا۔ موت سے جان بچاتا تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ (محبت کے ساتھ) میں تم سے معافی چاہتا ہوں---- میں نے تمہارا دل دکھایا---- تمہیں اس قدر تکلیف دی۔

راشدہ: جلال۔

(جلال کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی کمر پر اپنا چہرہ رکھ دیتی ہے۔)

کٹ

سین 7

ان ڈور

شام

(ریستوران کے اسی کونے میں راشدہ اور جلال بیٹھے چائے پی رہے ہیں۔ وہی فرنیچر ہے، وہی بیرا ہے وہی میوزک بج رہا ہے۔)

راشدہ: بالکل اسی طرح۔ عین اسی انداز میں پیالی پکڑ کر یوسف بھائی کو چائے پینے کی عادت تھی۔

(جلال چائے کی پیالی زور سے پرچ پر مار کر توڑ دیتا ہے)

راشدہ: کیا ہوا جلال---- یہ کیا کر دیا آپ نے۔

جلال: تم اس کے ساتھ اس ریستوران میں بھی آیا کرتی تھیں؟

راشدہ: کبھی کبھی۔

(جلال خاموشی سے جواب طلب نظروں کے ساتھ اس کی طرف تکنے لگتا ہے۔)

راشدہ: پہلی تاریخ کو جب انہیں تنخواہ ملتی تھی تو وہ کہا کرتے تھے آؤ راشدہ چل کر عیاشی کریں کسی ریستوران میں۔

جلال: تو اس کے لئے چائے بنایا کرتی ہوگی---- وہ تیرے لئے اچھی اچھی چیزوں کا آرڈر دیا کرتا ہوگا---- پھر---- چائے پی چکنے کے بعد----

راشدہ: ہم اکثر فلم دیکھا کرتے تھے۔ آخری شو۔

جلال: پھر گھر آکر۔

راشدہ: میں یوسف بھائی کے کپڑے استری کیا کرتی اور وہ اپنے کمرے میں جاکر سو رہتے۔

جلال: (کرسی سے تڑپ کر اٹھتا ہے) وہ اس ریستوران میں آکر ہمیشہ اسی کرسی پر بیٹھا کرتا ہوگا۔

(راشدہ اثبات میں سرہلاتی ہے)

جلال: اور تمہارا پرس اس طرح میز پر رکھا رہتا ہوگا۔

(راشدہ اثبات میں سرہلاتی ہے)

جلال: وہ اسے اٹھاتا ہوگا (اٹھاتا ہے) اور کہتا ہوگا (بازو پکڑتا ہے) آؤ راشدہ چلیں پکچر شروع ہونے میں صرف چند منٹ باقی ہیں۔ آؤ

(راشدہ بہت اضطراب کے ساتھ اٹھتی ہے آہستہ آہستہ چلتی ہے اور جلال اس کا بازو تھامے ہولے ہولے فیلڈ سے نکل جاتا ہے۔ بیرا آکر پیسٹری سٹینڈ اٹھاتا ہے اور سین تبدیل ہو جاتا ہے)

کٹ

سین 8

ان ڈور

صبح

(راشدہ پہلے والے سین کی طرح لاش ایسی لیٹی پڑی ہے وہی میوزک بج رہا ہے جلال اندر داخل ہوتا ہے۔ وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ جاتا ہے اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتا ہے اور پھر بے تعلقی سے لاش کی طرف دیکھنے لگتا ہے راشدہ تڑپ کر اٹھتی ہے اور اس کے پاس آجاتی ہے۔ جلال کے ہاتھ میں ایک تہہ شدہ اخبار اور ایک رول کیا ہوا کاغذ ہے)

راشدہ: کیا بات ہے جلال۔

جلال: کچھ نہیں۔

راشدہ: ہماری شادی کے دو ماہ بعد یاد ہے ایک مرتبہ میں شکارے میں منہ سرلپیٹ کر اسی طرح لیٹ گئی تھی اور تم چیخ مار کر مجھ سے لپٹ گئے تھے۔

جلال: یاد ہے۔

راشدہ: آج بھی میرا خیال تھا۔

جلال: میں اسی طرح چیخنے لگا تھا لیکن پھر اچانک خیال آیا کہ یوسف کو ڈرانے کے لئے بھی تم کبھی اس طرح لیٹی ہوگی۔

راشدہ: میں اکثر بھائی کو اس طرح ڈرایا کرتی تھی۔

جلال: اسی لئے میں آکر یہاں آرام سے بیٹھ گیا۔

راشدہ: ہمارے درمیان کا جہنم کس طرح سے ٹھنڈا ہوگا جلال۔

جلال: میرے پاس اتنے آنسو نہیں کہ اس آگ کو ٹھنڈا کر سکیں۔ اتنی آہیں نہیں کہ یہ لاہو بجھا سکیں۔

راشدہ: پھر یہ پہاڑ سی زندگی کس طرح بسر ہوگی۔

جلال: آہستہ آہستہ، ہولے ہولے، میرے دل کے کلاک کی طرح۔

راشدہ: ہولے ہولے آہستہ آہستہ؟

جلال: میرے دل کے اندر اندیشوں کے کلاک کا پنڈولم ہر وقت ہر لمحہ آگے پیچھے جھول رہا ہے اور آگے پیچھے ہر ٹِک کے ساتھ جھولتے ہوئے اس سے ایک ہی آواز نکلتی ہے یوسف تجھے بہن کی طرح پیار کرتا تھا اور مرد کی طرح چاہتا تھا۔

راشدہ: (غم زدہ ہو کر) جلال۔

جلال: میں اس آواز سے اس ٹِک سے اس دھڑکن سے کہاں بھاگ جاؤں۔

راشدہ: کہیں نہیں بھاگ سکتے جلال---- کبھی نہیں بھاگ سکتے---- مجھے معلوم ہے اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟

جلال: کس کا؟

راشدہ: بڑے سالوں کی بات ہے میری عمر مشکل سے چھ سات برس کی ہوگی۔ ہم میراں کھرل کے لال مکان میں رہتے تھے اور ہمارے ساتھ اور بہت سے----

کٹ

سین 9

ان ڈور

شام

(ایک چھوٹا سا بند دروازہ جو پتھر کی چٹائی میں جڑا ہے اس کی دہلیز تک تین سیڑھیاں آتی ہیں۔ اس پر ایک فقیرنی بیٹھی ہے۔ صدا دے رہی ہے)

فقیرنی: لا مائی لا- بی بی- وہ دنیا ستر آخر---- آٹا دے یا ٹکی دے تیرے کھیت زعفران سے بھریں تیرے گھر غالیچوں سے---- لا خدا تیرا بھلا کرے۔

(ایک چھوٹی سی لڑکی راشدہ دروازہ کھول کر سلور کی کٹورے میں آٹا لے کر آتی ہے۔ لیکن فقیرنی اس طرف توجہ نہیں دیتی وہ اس کے سر کو ہاتھ لگاتی ہے تو فقیرنی پلٹ کر اوپر دیکھتی ہے اپنی جھولی کا منہ اس کے سامنے کھولتی ہے۔ لڑکی کٹوری میں سے چٹکی بھر آٹا لے کر اس کی جھولی میں ڈالتی ہے۔ پھر شرارت سے مسکراتی ہے پھر چٹکی بھر آٹا اس کی جھولی میں ڈالتی ہے پھر مسکراتی ہے، پھر مسکرائے جاتی ہے اور چٹکی چٹکی آٹا اس کی جھولی میں ڈالے جاتی ہے فقیرنی کے چہرے پر بیزاری کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور وہ اپنی جھولی کا منہ بند کر کے بددعا کے انداز میں کہتی ہے۔)

فقیرنی: چٹکی چٹکی خیرات دینے والی! اپنے گھر میں بسے گی تو سہی لیکن چٹکی چٹکی ہو کر---- گھر والے کے دل میں رہے گی ضرور، پر چٹکی چٹکی جگہ کے ساتھ---- جا لے جا آٹا تیری جیسی سخی سے بھوک بھلی۔

(اٹھ کر چلی جاتی ہے)

فلیش بیک ختم

سین 10

ان ڈور

صبح

(فلیش بیک سے واپس وہی سین۔ راشدہ اسی طرح دو زانو جلال کے سامنے بیٹھی ہے اور جلال کا چہرہ اداس ہے۔)

جلال: اس بددعا کا ہماری زندگی سے کوئی تعلق نہیں اور پھر یہ ضعیف الاعتقادی کی باتیں ہیں میں انہیں نہیں مانتا--- میں تو اپنے دل کی آواز کا پیرو ہوں۔

راشدہ: تمہارے دل کی آواز کیا کہتی ہے جلال۔

جلال: (کاغذ کا رول دے کر) یہ

راشدہ: یہ کیا ہے؟

جلال: طلاق نامہ۔

(میوزک کے ساتھ اچھا خاصہ وقفہ)

راشدہ: میں کہاں جاؤں جلال؟

جلال: کہیں بھی نہیں گھر میں رہو۔

راشدہ: کس گھر میں؟

جلال: اسی گھر میں۔

راشدہ: کس کے ساتھ؟

جلال: میرے ساتھ۔

راشدہ: لیکن کیسے جلال؟

جلال: بالکل اسی طرح۔

راشدہ: اور میرا تمہارا کیا رشتہ ہو؟

جلال: وہی رشتہ جو تمہارا اور یوسف کا تھا۔ (میوزک)

(جلال دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر سر پیچھے صوفے کی پشت پر ڈال لیتا ہے۔ راشدہ پلنگ کے نیچے سے برش نکال کر قالین پر دھیرے دھیرے پھیرتی ہے اور اخبار پر ماچس کی تیلیاں اخبار کی کترنیں پرانی ڈبیاں اور گرد جمع کرتی جاتی ہے۔)

فرار

کردار:

✦ کلیم	چالیس پینتالیس کا خوبصورت مرد
✦ عالیہ	کلیم کی ماڈرن بیوی، پریشان خاطر
✦ راحت	کلیم کا بیٹا عمر بارہ سال
✦ حامد	کلیم کا بیٹا عمر دس سال
✦ پشینہ	کلیم کی دیہاتی بیوی عمر تیس بتیس
✦ گُلّا جان	کلیم کی خوبصورت سی سات سالہ بچی
✦ شُتدم	نو برس کا لڑکا، گُلّا جان کا بھائی
✦ ڈاکٹر عثمان	عمر پچاس کے قریب۔
✦ بابا	موت سے ہمکنار بوڑھا۔

سین ۱

ان ڈور

دن کا وقت

(کارنس پر سنگ مرمر کا بنا ہوا بکری کا لیلا پڑا ہے اس پر چند لمحے کیمرہ مرکوز رہتا ہے یہ کھلونا کم از اتنا بڑا ضرور ہونا چاہئے کہ آخر میں زندہ لیلا اس کی جگہ رکھا جاسکے۔

یہ ایک اونچے متوسط طبقے کا بیڈ روم ہے اس بیڈ روم میں دو فرنیچر کی چیزیں خاص اہمیت رکھتی ہیں ایک پلنگ جس کے چاروں طرف کیمرہ گھوم پھر کر فریم بنا سکے۔ اور اس کے پاس رکھی ہوئی راکنگ چیئر کی پچھلی دیوار پر گکو کلاک لگا ہے جس وقت کیمرہ کھلتا ہے یہ کھڑکی پر مرکوز ہے کھڑکی کے سامنے باریک نائیلون کے پردے ہل رہے ہیں یہاں سے کیمرہ دیوار پر لگی گھڑی پر جاتا ہے گھڑی کھڑی ہے لیکن الارم بجنے لگتا ہے پھر کارنس پر جاتا ہے شمعدان میں دو موم بتیاں بجھی ہوئی ہیں لیکن چند ثانیئے بعد وہ بھک سے جل اٹھتی ہیں اب کیمرہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا ہے اور سارے کمرے کو لانگ شاٹ میں لیتا ہے، کلیم پلنگ پر چت لیٹا ہے پاس ہی پڑی ہوئی راکنگ چیئر خود بخود جھول رہی ہے کیمرہ قریب جاتا ہے کلیم کی دونوں مٹھیاں بھنچی ہوئی ہیں آہستہ آہستہ مٹھیاں کھلتی ہیں اور ہتھیلی RELAXED انداز میں کھل جاتی ہے چہرہ جو اب تک انتہائی کرب کی حالت میں تھا مسکراہٹ میں بدل جاتا ہے پاؤں کے انگوٹھے جو ٹنشن کی وجہ سے ہل رہے تھے ساکت ہو جاتے ہیں اس صورت میں کلیم ایک لاش سے مشابہ ہے جو نجات حاصل کر چکا ہے۔ اس سارے وقت میں بیک گراؤنڈ میں بکریوں کے ممیانے کی آوازیں اور بنسری کے بجنے کی آواز آہستہ آہستہ آنے لگتی ہے۔

ڈزالو

سین 2

ان ڈور

دن

اس وقت کلیم نروان حاصل کئے ہوئے بدھا کی طرح پڑا ہے آہستہ آہستہ ایک لڑکی کی ایکو میں بڑی مدھم سی آوازیں آنے لگتی ہیں یہ آواز ایک دوسرے کے اوپر اوور لیپ کرتی ہیں۔ چیخ بن کر، حسرت کے ساتھ محبت میں ڈوبی ہوئی، غصہ میں لتھڑی ہوئی۔ پکارتی ہوئی، التجاء کرتی ہوئی یہ آواز صرف ایک لفظ بولتی ہے اور وہ ہے کلیم کا نام۔ یہ نام گڈمڈ آوازوں کی صورت میں چند ثانیئے سنائی دیتا ہے ساتھ ہی منظر بدل جاتا ہے۔

اب ہم بکریاں چرانے والوں کے گھر میں پہنچتے ہیں۔ یہاں کچھ بیرونی حصہ ہے۔ اور کچھ جھونپڑے کے اندر کا حصہ نظر آتا ہے باہر دو بکریاں بندھی ہیں گُلّا جان اور شُذم گھر کے اندر بیٹھے ہوئے ایک بکری کے بچے کے ساتھ کھیلنے میں مشغول ہیں۔ بکریوں کے پاس پشمینہ کھڑی ہے وہ آہستہ آہستہ کلیم کا نام لئے جا رہی ہے۔ وہ آوازیں جو پچھلے سیٹ پر ملی جلی اور گڈمڈ تھیں ایک کراہ اور حسرت بن کر اس کے ہونٹ سے نکل رہی ہیں۔

(اب کلیم سیٹ پر برآمد ہوتا ہے اس کے چہرے پر وہی پُراطمینان حالت ہے اور آنکھوں میں ایسی چمک ہے جیسے وہ کسی دوسری دنیا میں پہنچ گیا ہو۔)

پشمینہ: اب میں نے تجھ سے ناراض ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔

کلیم: (پاس آکر) کب سے۔

(پشمینہ مسکراتی ہے)

پشمینہ: بس یہی کوئی ایک منٹ سے۔

کلیم: (دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے) بول ناں۔ صرف چپکی کھڑی رہ بولنے سے روح کے پانیوں میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو کسی ایسے اندھے تال کی طرح خاموش رہے جو پہاڑ کی اوٹ میں ہوتا ہے۔ جہاں نہ کبھی سورج کی روشنی پہنچتی ہے نہ چاند کی۔ چپکی کھڑی رہ پشمینہ۔ مت بول۔

پشمینہ: پر کیسی عجیب بات ہے کلیم۔ میرا جی چاہتا ہے کہ بولتی جاؤں بکریوں سے، دیواروں سے، بچوں سے، بابا سے----

(کلیم پاس آکر پشمینہ کے منہ پر ہاتھ رکھتا ہے)

میں کیسے چپ رہوں کلیم۔ جھرنا کبھی چپ ہوا۔

کلیم: تجھ سے تو میری روح بولتی ہے جیسے ستار کا اوپر والا تار ہلاؤ تو نچلی تار سے آپ ہی سر نکلتا ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ سر ایک ہی ہے، لے ایک ہی ہے، ہم کیا بولیں ایک دوسرے سے؟

(منہ سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے)

پشمینہ: پھر تو نے شہر میں اتنی دیر کیوں لگائی جب تجھے اتنا پیار ہے مجھ سے۔

کلیم: دیر؟---- راستہ بھول جاتا ہوں میں۔ بس۔

پشمینہ: ہمیشہ راستہ بھول جاتا ہے تجھے۔ جیب میں دھان ڈال کر جایا کر راستے میں دھان گراتا جایا کر۔ واپسی پر راستہ خودبخود مل جائے گا۔

کلیم: اور جو تیرے دیئے ہوئے دھان چڑیاں چگ گئیں تو؟ یہ گُلّا جان اور شُذم میرے پاس کیوں نہیں آئے۔

پشمینہ: میں نے منع کر دیا تھا؟

کلیم: کیوں؟

پشمینہ: ہمیشہ یہی پہلے آکر تجھ سے لپٹ جاتے ہیں۔

کلیم: پھر۔

پشمینہ: بس پھر کیا؟ مجھے نہیں اچھا لگتا نا۔

(کلیم ہنس کر اندر کی طرف جاتا ہے پشمینہ اسے محبت سے دیکھتی ہے۔ پھر بکریوں کے آگے چارہ ڈالتی ہے۔)

کلیم: ایسی بات سن کر مجھے شہر میں بڑا غصہ آتا ہے۔ پر یہاں الٹا سکھ ملتا ہے ایسی باتوں سے۔

(یہ بات وہ پشمینہ سے نہیں ناظرین سے کہتا ہے)

پشمینہ: تو باہر کیوں نہیں آئی گُلّا جان؟

(کلیم اندر داخل ہوتا ہے دونوں بچے گُلّا جان اور شُذم اس سے لپٹ جاتے ہیں وہ ان کے پاس انتہائی محبت کے ساتھ بیٹھتا

ہے۔)

گلّا: ماں کہتی تھی ہردم سوار مت رہا کرو باپ کی جان پر۔

کلیم: اور تو شُدم۔

شُدم: ماں کی بات نہیں ہے---- بابا میں سوچ رہا تھا بیٹھا۔

کلیم: کیا سوچ رہا تھا ہمارا شُدم۔

شُدم: تو کسی دن مجھے اپنے ساتھ شہر لے چل ابا۔

(کلیم کی آنکھوں پر یکدم ایک غبار سا چھا جاتا ہے)

کلیم: کیا کرے گا شہر جا کر۔

شُدم: سیر کروں گا، ٹرین دیکھوں گا، بس پر چڑھوں گا، سائیکل چلاؤں گا۔

کلیم: (یہ باتیں بچوں سے کم اور اپنی ذات سے زیادہ کہتا ہے) سفر کی آرزو نے مرد کی ذات میں عجیب قسم کا انتشار بھر دیا ہے شُدم۔ آگے جانے کی آرزو، نئے کھلونوں کی آرزو، کچھ بنانے توڑنے کی آرزو، ہو سکے تو اپنے آپ کو قناعت کے جھولے میں ڈالے رکھنا (آہستہ) پر آج تک ہو سکا ہے ایسا۔ جو تو کرے گا بیچارہ۔

(کلیم کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے رخ پر کرتی ہے)

گلّا: میری طرف منہ کر ابا۔

کلیم: بتا؟ کیا کرے گی میرا چہرہ اپنی طرف کر کے۔ کیا پڑا ہے اس چہرے میں۔

گلّا: دیکھوں گی ابا۔

کلیم: (چہرہ پاس کرتے ہوئے) لے دیکھ۔

گلّا: ابا۔ ان کا کیا حال ہے؟

کلیم: کن کا؟

گلّا: وہ جو بچے تیرے دوست ہیں شہر میں۔

کلیم: حامد اور راحت کا۔

شُدم: ان کے پاس بہت سے کھلونے ہیں ابا۔ وہ تو مزے کرتے ہوں گے۔

کلیم: ضروری تو نہیں کہ جن کے پاس زیادہ کھلونے ہوں وہ مزے بھی کرتے ہوں۔

بابا: آ گیا کلیم تو شہر سے۔

(اس وقت بابا ہاتھ میں گڑگڑی جو عموماً کانگڑے کے لوگ

رکھتے ہیں پیتا ہوا داخل ہوتا ہے۔)

کلیم: ابھی آیا ہوں ابا۔

بابا: شُدم جا دیکھ ذرا بکریاں اترائی کی طرف جا رہی ہیں۔ دھیان کر ان کا باہر نکل کر۔ مرد اندر بیٹھا رہے تو کاروبار کیسے چلے دنیا کا۔

شُدم: اس کو بھی تو کہا کر بابا۔ یہ مزے کرتی ہے سارا دن۔

گلّا: مجھے تیرے کتے سے ڈر لگتا ہے یہ جبڑے کھول کر بھاگتا ہے جان نکل جاتی ہے میری تو۔

(اندر کی جھونپڑی سے دروازے کی راہ سارا وقت پشمینہ نظر آتی رہتی ہے۔ اب وہ گلّا جان کو آواز دیتی ہے۔ گلّا جان باہر ماں کی طرف جاتی ہے اور شُدم آگے نکل کر باہر چلا جاتا ہے۔)

شُدم: بہانہ، بہانہ، بہانہ صاف۔ اور کیا؟

پشمینہ: گلّا جان دودھ لے جا باپ کے لئے۔

بابا: پھر تو نے بات کی ڈاکٹر سے؟

کلیم: کی تھی بابا۔ پر وہ کہتا ہے جب تک مریض ساتھ نہ ہو میں کیسے علاج کروں۔

بابا: (فضاء میں دھواں چھوڑ کر) کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا بکریاں چرانے جاتا ہوں تو سوچتا رہتا ہوں یہ سب کیا ہے۔ کیوں میں چراتا جاؤں بکریاں صبح شام؟

حکیم: زیاہ مت سوچا کر بابا۔

بابا: پتھروں پر بیٹھے بیٹھے مجھے عجیب عجیب رنگ نظر آنے لگتے ہیں، جھاڑیوں میں سے، روشنی کے تختے، جلتی بجھتی بتیاں، روشن مشعلیں ٹیڑھے ترچھے ستون شعلوں کے۔

کلیم: میں تجھے عینک لگوا دوں گا میرے ساتھ شہر چل تو----

بابا: کلیم!

کلیم: جی؟

بابا: جو میں یہاں سے چھوٹ گیا تو کہاں جاؤں گا؟

کلیم: میں کیا جانوں بابا؟

بابا: تیرے لئے یہ جگہ کیسی ہے بیٹا؟

کلیم: اب کیا بتاؤں بابا۔ چڑیا کے لئے اس کا گھونسلا کیسا ہے؟

بابا: دینا جب سے مر گیا کلیم کچھ باقی نہیں ہے دنیا میں تجھ کو تیرا باپ کبھی کبھی یاد آتا ہو گا پر---- میں جب بھی بکریاں چرانے جاؤں ان کے گھر کے آگے رک کر نکلتا ہوں----

(ہوا میں سونگھ کر) یہ ربڑ کس نے جلایا؟

(کلیم اٹھ کر سونگھتا ہوا باہر جاتا ہے)

کلیم: پشمینہ ! ربڑ جلایا ہے تو نے چولھے میں۔

پشمینہ: ربڑ؟---- کیسا ربڑ---- دیکھ لے چولہا تو ٹھنڈا پڑا ہے ابھی

(کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھ کر) بیٹھ رہا بابا کے پاس پھر؟

(کلیم اب ربڑ کی خوشبو سونگھنے کے انداز میں ذرا سا اوپر کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ منظر فیڈ آؤٹ کرتا ہے۔ ہم دوبارہ پہلے سیٹ پر جاتے ہیں۔

ڈزالو

سین 3

ان ڈور

دن

(پہلے کمرے میں اسی طرح پردہ ہلتا ہے گھڑی کا الارم بجتا ہے۔ لیکن پنڈولم بند ہے۔ کیمرہ کارنس کا لیلا دکھاتا ہے۔ پھر اسی طرح بکریاں بولتی اور بنسری کی آواز آتی ہے۔ کرسی اسی طرح ہل رہی ہے کلیم کے ساتھ والے پلنگ پر عالیہ کی آنکھ کھلتی ہے وہ لمبا سانس لیتی ہے جیسے کچھ سونگھ رہی ہو----

کیمرہ کلیم کے پاس جاتا ہے وہ بھی کچھ سونگھ رہا ہے عالیہ تمام چیزوں کا بغور مطالعہ کرتی ہے پھر اٹھتی ہے میاں کی نبض

دیکھتی ہے ناک کے قریب کان لا کر سانس کا جائزہ لیتی ہے۔ پھر آہستہ سے آواز دیتی ہے کلیم---- پھر اٹھتی ہے اور فون کرتی ہے۔)

عالیہ: ڈاکٹر عثمان---- میں رات کو---- ہیلو---- ڈاکٹر عثمان میں آپ کو تکلیف دینے کے لئے شرمندہ ہوں۔ لیکن صبح---- آپ جتنی جلدی بھی ہو سکے مجھے مل کر---- جائیں---- جی؟ ضروری ہے ڈاکٹر صاحب ورنہ میں آپ کو تکلیف کیوں دیتی؟

فیڈ آؤٹ

سین 4

ان ڈور

صبح

عالیہ: کیسی طبیعت ہے آپ کی۔

کلیم: ہوں؟---- ٹھیک ہے۔

عالیہ: رات اچھی نیند آئی آپ کو۔

کلیم: رات---- فسٹ کلاس۔ (تولئے سے منہ پونچھتا ہے)

عالیہ: ڈاکٹر عثمان آئے ہوئے ہیں۔

کلیم: اچھا؟ بچے سکول چلے گئے؟

(اس وقت دونوں لڑکے حامد اور راحت آتے ہیں

عالیہ: میں انہیں یہیں بلالوں ڈاکٹر عثمان کو؟

کلیم: ضرور۔ (عالیہ باہر چلی جاتی ہے)

حامد، راحت: السلام علیکم ابا جی۔

کلیم: وعلیکم السلام۔ سکول جا رہی ہیں فوجیں؟

حامد: ابا جی اس کمرے سے خوشبو کیسی آ رہی ہے؟

کلیم: کیسی خوشبو؟

راحت: چمڑے کے جلنے کی۔

کلیم: (لمبا سانس لے کر) مجھے تو نہیں آ رہی۔

حامد: آ رہی ہے ابا جی۔

راحت: ابا جی واپسی پر کہانی سنائیں گے ہمیں؟

کلیم: کونسی کہانی؟

راحت: شُتذم اور گُلا جان کی۔

(یکدم کلیم کی شکل متفکر ہو جاتی ہے)

حامد: گُلا جان کے پاس زیادہ بکریاں ہیں کہ شُتذم کے پاس ابا جی؟

(ڈاکٹر عثمان اندر آتا ہے۔ یہ بڑا اعلیٰ قسم کا پختہ عمر کا فزیشن ہے۔ اس کی بات میں ٹھہراؤ اور دباؤ ہے۔ تھوڑا سا فلاسفر ہے۔)

ڈاکٹر: ہیلو کلیم صاحب۔ (اندر آتا ہے)

کلیم: السلام علیکم۔ میری بیوی نے پھر صبح صبح آپ کو تکلیف دی۔

ڈاکٹر: بیچاری بہت پریشان ہیں۔

کلیم: جب میں اسے یقین دلاتا ہوں کہ میں گھوڑے ٹٹو موٹر سائیکل سب کچھ بیچ کر سوتا ہوں تو پھر---- آپ لوگ کیوں کھڑے ہیں۔ سکول جائیں۔

راحت: ہمیں فلم دکھانے لے جائیں گے ابا جی میٹنی کے وقت۔

کلیم: انشاء اللہ۔

حامد: والٹ ڈزنی کی فلم آئی ہوئی ہے ابا جی۔

کلیم: انشاء اللہ۔

دونوں: خدا حافظ۔ (بچے چلے جاتے ہیں)

کلیم: خدا حافظ۔ بیٹھیے ڈاکٹر عثمان---- آپ کھڑے کیوں ہیں؟

عثمان: (بیٹھتے ہوئے) دیکھیے کلیم صاحب CLINICAL HELP اگر بروقت مل جائے تو کبھی کبھی بہت بڑی ٹریجڈی AVERT ہو جاتی ہے۔

کلیم: عثمان صاحب بات یہ ہے کہ عالیہ اگر سمجھتی ہے کہ میں بیمار ہوں یا یہ سمجھتی ہے کہ میں دیوانگی کی سرحد پر کھڑا ہوں تو وہ غلطی پر ہے۔

عثمان: رات آپ اچھی طرح سے سوئے؟

کلیم: بتا تو چکا ہوں ایسی نیند مجھے کبھی کبھی آتی ہے۔ (فضاء میں دیکھتے ہوئے) یوں لگتا تھا میں نے اپنی کینچلی اتار پھینکی ہے۔ جیسے یوکلپٹس کے درخت کی چھال اتر جاتی ہے اور اندر سے ملائم تنا نکل آتا ہے اسی طرح رات---- میرے اندر سے ایک اور کلیم نکلا---- ہلکا پھلکا اور وہ نیند کی وادی میں گھومتا پھرتا رہا۔

عثمان: آپ کے سر درد کا کیا حال رہتا ہے اب۔

کلیم: ہوتا ہے کبھی کبھی لیکن---- رات میرے سر میں درد نہیں تھا دیکھئے ڈاکٹر عثمان! مشکل یہ ہے کہ عالیہ پڑھی لکھی عورت ہے وہ اس بات پر قناعت نہیں کرتی کہ میرا جسم میری تنخواہ میرا مکان میری انشورنس ایسی مادی چیزیں اس کی ملکیت ہوں۔ بلکہ---- وہ چاہتی ہے کہ میری روح، میری زندگی، میری موت، میرا وقت، میرے خیالات، میری سوچ----

(وقفہ) وہ ان چیزوں پر حکمرانی کرنا چاہتی ہے۔

عثمان: ہر عورت عموماً یہی کچھ چاہتی ہے---- کلیم صاحب۔

کلیم: جس وقت میں سو جاتا ہوں وہ اٹھ اٹھ کر مجھے دیکھتی ہے جانتے ہیں کیوں؟ وہ ان خوابوں پر پہرے بٹھانا چاہتی ہے جو میں نیند کے دوران دیکھتا ہوں۔

عثمان: آپ عالیہ کی محبت کو بڑی سختی سے جانچ رہے ہیں۔

کلیم: میں بیمار نہیں ہوں، نہیں ہوں، نہیں ہوں۔

عثمان: لیکن رات کو۔

کلیم: وہ---- عالیہ تو چاہے گی کہ میں بیمار پڑ جاؤں تاکہ میں اس کے رحم و کرم پر زندہ رہوں۔ وہ تو چاہے گی کہ میں اپاہج، اندھا---- دونوں بازو کٹا کر اس کے سامنے بے بس ہو رہوں۔ اور وہ میری لاٹھی بن جائے۔ میری آنکھیں، میرے بازو، میری ٹانگیں بن جائے تاکہ میں مکمل طور پر اس کے ساتھ ٹیک لگا کر زندگی بسر کروں۔ ڈاکٹر عثمان۔

I am not sick. I am only sick of this life.

عثمان: آپ کو کبھی VISUAL IMPAIRMENT کی تکلیف تو نہیں ہوئی کوئی؟

کلیم: کیا مطلب؟ (اس دوران کلیم کا چہرہ فق ہو جاتا ہے)

عثمان: کبھی کمرے میں رنگ نظر آنے لگیں؟ روشنی دکھائی دینے لگے۔ جیسے یہ

سامنے سنگ مرمر کا لیلا ہے آپ کی کارنس پر---- یہ آپ کو جاندار اور اچھلتا کودتا دکھائی دے؟ پردے چھوٹے چھوٹے ہو جائیں۔ کمرے میں سے عجیب قسم کی خوشبوئیں آنے لگیں؟ ایسی SENSATION کوئی؟ مہربانی کر کے سمجھ لیجئے۔

I want to help you.

کلیم: معاف کیجئے مجھے دفتر جانا ہے آپ میرے ضمن میں کسی قسم کا تردد نہ کریں۔ تھینک یو۔

(کلیم ہاتھ ملا کر غسل خانے کے اندر چلا جاتا ہے عالیہ آتی ہے)

عالیہ: ANY USE?

عثمان: جی نہیں؟

عالیہ: وہ CO-OPERATE تو کرتے ہی نہیں؟

عثمان: یہ کیفیت کب سے ہے؟

عالیہ: کئی سالوں سے ہے ڈاکٹر صاحب۔

عثمان: کیا ہر رات اسی طرح ہوتا ہے۔

عالیہ: جی نہیں NOT EVERY NIGHT---- کبھی پندرہ دن کے بعد---- کبھی دو مہینے کے بعد، کبھی چھ مہینے کے بعد---- کبھی کبھی سال دو سال بھی گزر جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ہر روز ہوتا رہتا ہے اسی طرح۔

عثمان: دن کے وقت Drowsiness ہوتی ہے انہیں؟

عالیہ: (سوچ کر) جی نہیں۔

عثمان: Indifference, Rest less. memory shifting---- ان میں سے کوئی چیز۔

عالیہ: ان میں سے تو---- کوئی بات نہیں ہوتی ڈاکٹر عثمان---- دراصل ہوتا اس طرح ہے کہ رات کے کسی پہر---- کسی رات کو اچانک جب میں اٹھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے جیسے وہ کمرے میں موجود نہیں ہے۔ اسی خوف کے مارے میں اپنے کمرے میں زیرو کا بلب جلا کر سوتی ہوں۔

عثمان: ہوں۔

عالیہ: پھر میں انہیں چھو کر دیکھتی ہوں جسم برف کی طرح ٹھنڈا ہوتا ہے۔ جیسے خدانخواستہ---- سوائے نبض چلنے کے اور کوئی Symptom زندگی کا نہیں ہوتا۔

عثمان: آپ نے کبھی انہیں جگا کر دیکھا ہے ایسی Condition میں؟

عالیہ: ایک بار جگایا تھا ڈاکٹر----

But he refused to recognize me.

یہ---- یہ معاملہ کیا ہے ڈاکٹر صاحب۔

عثمان: ہو سکتا ہے بالکل معمولی Disorder ہو---- ہو سکتا ہے کہ صرف آپ کی Imagination ہو لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ Brain Tumour ہو یا Mental Disorder ہو' کسی قسم کا----؟ انہیں کسی قسم کی Hallucinations تو نہیں ہوتی

عالیہ: مجھ سے تو انہوں نے کبھی ذکر نہیں کیا۔

(اس وقت غسل خانے سے کلیم باہر نکلتا ہے وہ دفتر جانے کے لئے تیار ہے۔)

کلیم: Conspiracy چل رہی ہے میرے خلاف۔

عثمان: ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں کلیم صاحب۔

کلیم: چلئے میں آپ کو راستے میں ڈراپ کرتا جاؤں ڈاکٹر صاحب۔

عثمان: تھینک یو---- اچھا اجازت ہے بیگم کلیم۔

عالیہ: تھینک یو ڈاکٹر عثمان۔

(دونوں مرد چلتے ہیں پھر کلیم لوٹتا ہے اور عالیہ کے پاس آتا ہے۔ ڈاکٹر باہر نکل جاتا ہے۔)

کلیم: اس کمرے میں عالیہ ایسی کونسی چیز موجود ہے جو ہے تو ضرور لیکن نظر نہیں آتی۔

عالیہ: (ادھر ادھر دیکھ کر) خدا----

کلیم: اور----!

عالیہ: اور ہوا؟

کلیم: تم کو ہوا کے ہونے پر کلی اعتماد ہے۔

عالیہ: جی۔

کلیم: کچھ وارداتیں ایسی ہوتی ہیں، جو ہوتی تو ہیں، لیکن ہوا کی طرح دکھائی نہیں دیتیں۔

عالیہ: کیسی واردات؟

کلیم: تم بہت زیادہ پڑھی لکھی ہو۔ Emotional Self اس قدر پراگندہ ہو چکا ہے کہ اس میں جذب کر لینے کی قوت تو باقی رہ گئی ہے لیکن کسی میں سموئے جانے کی طاقت نہیں ہے۔ عورت کو مرد کی زندگی میں اتنا دخل ہونا چاہئے جتنا پکوان میں نمک--- زیادہ نمک بھی زہر ہوتا ہے۔

عالیہ: تم مجھ سے جو مرضی کہو--- جس طرح سے چاہے کہو--- لیکن مجھ سے بات کرو خدا کے لئے۔

کلیم: یہ--- اور میں کیا کر رہا ہوں؟

عالیہ: یہ تو Accusations ہیں، الزامات ہیں۔

کلیم: (عالیہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر) سنو عالیہ مرد کی محبت گہرے سمندر کی طرح ہے۔ اس میں دریا آکر ملتے ہی رہتے ہیں۔ اسے نئے پانیوں سے بھی پیار رہتا ہے اور پرانے پانیوں سے بھی--- یہی سمندر کی وسعت کی دلیل ہے اسی میں اس کی بڑائی ہے--- عورت جھیل ہے۔ کھڑے پانی کی جھیل برا نہ ماننا سمندر اور جھیل میں بڑا فرق ہوتا ہے ہمیشہ----

(عالیہ کے پاس یہ جملہ بول کر کلیم باہر چلا جاتا ہے کیمرہ عالیہ کے چہرے پر مرکوز ہوتا ہے۔ عقب میں بکریوں کے ممیانے کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ یہ منظر آہستہ آہستہ بالکل اندھیرے میں بدل جاتا ہے گھپ اندھیرے کے بعد جب منظر کھلتا ہے تو ہم بکریوں والے کے گھر میں موجود ہوتے ہیں۔)

ڈزالو

سین 5

ان ڈور

شام

(چرواہے کے گھر میں ہم جھونپڑی کے اندر جاتے ہیں۔ یہاں بابا پلنگ پر لیٹا ہوا ہے ساتھ ہی فرش پر کلیم بیٹھا ہے اس کے ہاتھ میں چائے کا پیالہ ہے۔)

بابا: مجھے تو ہر دم آوازیں ہی آتی رہتی ہیں۔ دیکھتا نہیں، سن ذرا سن کلیم--- پھر وہ آواز آئی۔

(پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز)

فرشتے آرہے ہیں۔ دیکھتا نہیں--- فرشتوں کے سروں پر ہیروں کے تاج ہیں۔ تیرا باپ ساتھ ہے کلیم (آواز دے کر) دینے--- دینے----

کلیم: تو میرے ساتھ شہر چل بابا۔ میں تجھے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں۔ لے چائے پی لے۔

بابا: لے یہ پشمینہ کہتی ہے کہ تجھے تو بابا کسی جن بھوت کا سایہ ہے، بیٹھا بیٹھا ہوا سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ کلیم بیٹے؟

کلیم: کہہ بابا؟

بابا: کچھ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آدمی دو جگہ رہ سکے ایک وقت میں۔ ادھر بھی چلا جاؤں دینے کے پاس اور ادھر بھی رہوں پشمینہ کے ساتھ----

(سامنے دروازے سے پشمینہ کام کرتی نظر آتی ہے)

کلیم: (آہ بھر کر) کاش بابا--- ایسا کبھی نہ ہو۔

(اب کلیم اٹھ کر باہر جاتا ہے)

کلیم: پشمینہ۔

پشمینہ: خیال آگیا تجھے۔

کلیم: میں بابا کو شہر لے جاؤں اپنے ساتھ وہاں ایک ڈاکٹر ہے بڑا نامی گرامی اسے بابا کی نبض دکھاؤں گا اسے بیٹھے بٹھائے خدا جانے کیا ہو جاتا ہے دماغ پر اثر ہے کسی چیز کا۔

پشمینہ : تو جو چلا جاتا ہے شہر پیچھے ناطہ ہی ٹوٹ جاتا ہے اب بابا کو بھی لے جا ساتھ اپنے- یہ کسر رہ گئی ہے-

کلیم : آدمی کوئی دو جگہ تھوڑی رہ سکتا ہے پشمینہ- شہر چلا بھی جاؤں، رہتا تو تیرے ہی پاس ہوں-

پشمینہ : کلیم!

کلیم : کہہ؟

پشمینہ : تیری مرضی ہے تو چپ کر جاؤں-

کلیم : نہیں بول-

پشمینہ : تو اگر مر بھی گیا ناں تو بھی میرے ہی ساتھ رہے گا- یہ میں جانتی ہوں، تیرا کوئی اپنا وجود تو ہے نہیں کلیم- تو میرے ہی حصے کا ایک نام ہے- پھر تو مجھ سے علیحدہ کیسے ہو سکتا ہے- تو یہاں سے بدیس جائے یہاں رہے میرے پاس ہو چاہے کہیں اور---- اور---- اور چلا جائے- کوئی علیحدہ ہو سکتا ہے تو مجھ سے-

کلیم : پھر؟ پھر کیوں روکا کرتی ہے مجھے شہر جانے سے؟

پشمینہ : بس جدائی بری لگتی ہے---- تو یاد آتا رہتا ہے-

کلیم : اس بار بابا کو لے جانے دے شہر- ڈاکٹر عثمان کو دکھالاؤں اسے-

پشمینہ : ڈاکٹر کوئی آئی کو ٹال دے گا----؟ موت اور محبت تو کسی کے بس کی چیز ہی نہیں کلیم---- یہ تو اللہ کے حکم کی طرح اٹل فیصلے ہوا کرتے ہیں-

(بابا اندر سے آواز دیتا ہے)

بابا : کلیم ادھر آ بیٹا- دیکھ تو یہ ربڑ کس نے جلایا ہے- شُتم م---- اب جو تو سائیکل کا ربڑ گھر پر لایا تو دیکھنا---- (کھانستا ہے)

(کلیم اٹھ کر اندر جاتا ہے)

(کلیم ہوا میں سونگھنے کے انداز میں چہرہ اٹھاتا ہے-

ڈزالو

سین 6

ان ڈور

رات

(کلیم اپنے پلنگ پر سویا ہوا ہے وہ تمام علامتیں جاری ہیں جو اس کے خواب میں جانے پر رونما ہوتی ہیں- پر وہ ہلتا ہے- کلیم کی مٹھیاں بھینچی ہوئی آہستہ آہستہ کھلتی ہیں- سنگ مرمر کے لیلے سے آواز آتی ہے- بعد ازاں لانگ شاٹ پلنگ کے پاس راکنگ چیئر پر عالیہ بیٹھی ہے غور سے کلیم کو دیکھتی ہے منظر آہستہ آہستہ دن میں ڈزالو ہوتا ہے-

اب کلیم پلنگ پر لیٹا ہے حامد اور راحت اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہیں- کلیم کا ایک بازو حامد کی گودی میں اور دوسرا بازو راحت کی گود میں ہے-)

راحت : باباجی کی طبیعت اب کیسی ہے اباجی-

کلیم : کون سے باباجی-

حامد : آپ بتا رہے تھے ناں کہ شُتم م اور گُلّا جان کے نانا جان بیمار ہیں-

کلیم : ہاں وہ باباجی-

حامد : بیماری کیا ہے؟

کلیم : Brain Fever قسم کی کوئی چیز ہے عجیب عجیب سی چیزیں نظر آتی ہیں انہیں-

حامد : کیسی چیزیں اباجی-

کلیم : کبھی روشنی کے تختے کبھی جلتی مشعلیں کبھی جلتے بجھتے چراغ---- کبھی وہ فرشتوں سے باتیں کرنے لگتے ہیں کبھی آوازیں دینے لگتے ہیں- میرے اباجی کو-

راحت : آپ ہمیں ان کے پاس لے چلیں کسی روز-

حامد : ہم شُتم م اور گُلّا جان سے بھی مل لیں گے-

راحت : وہ ہمیں پسند کریں گے ناں اباجی-

کلیم : بچے تو ہمیشہ ہی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں- اگر ان کے درمیان بڑے نہ

آدھمکیں تو وہ کبھی ایک دوسرے کو ناپسند نہ کریں۔ مجھے ایک گلاس پانی تو پلانا حامد بیٹے۔

راحت: وہ دونوں گلّو جان اور شُدم آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔

(حامد چھلانگ لگا کر چلا جاتا ہے)

کلیم: ہاں۔

راحت: ہم دونوں سے بھی زیادہ؟

کلیم: یہ کیسے بتایا جاسکتا ہے راحت بیٹے؟ ایسا تو کوئی پیمانہ ابھی ایجاد ہی نہیں ہوسکا۔

(حامد پانی کا گلاس لاتا ہے۔)

حامد: آپ کہاں جارہے ہیں ابا جی۔

کلیم: تم دونوں کھیلو جاکر میں ذرا ڈاکٹر عثمان کے کلینک پر جارہا ہوں۔

کٹ

سین 7

ان ڈور

دن

(ڈاکٹر کے کلینک پر آتے ہیں عثمان کا کلینک عام ڈاکٹروں کا سا کلینک ہے۔ عثمان کلیم کو اس بیڈ پر لٹا دیتا ہے جس پر عام طور پر ڈاکٹر تشخیص کے لئے مریضوں کو لٹایا کرتے ہیں اور پھر ارد گرد پردہ کھینچ لیتا ہے۔ کلیم اپنے سر تلے بازو رکھ کر باتیں کرتا ہے۔ عثمان اس کے ساتھ ساتھ باتیں سنتا ہے۔)

عثمان: آج آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

کلیم: میں---- میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں ڈاکٹر صاحب، اسی لئے میں آج آپ کے پاس خود آیا ہوں۔

عثمان: With Pleasure

کلیم: بڑی دیر میں نے کوشش کی ہے کہ---- کہ میں کسی سے اس بات کا ذکر نہ کروں۔ لیکن مجھے لگتا ہے جب بابا فوت ہوجائے گا تو میں یہاں نہ رہ سکوں گا۔ اور اتنا بڑا بوجھ میں اپنے سینے پر لاد کر جانا بھی نہیں چاہتا۔

عثمان: فرمایئے۔

کلیم: میری ایک بیوی اور دو بچے اور بھی ہیں۔

عثمان: کیا کہہ رہے ہیں آپ؟

کلیم: لیکن وہ یہاں نہیں رہتے ان کے گاؤں کا مجھے پتہ نہیں ان کے خاندان کا مجھے علم نہیں صرف میں وہاں پہنچ جاتا ہوں خودبخود۔ جس طرح آگ چولہے میں جلتی ہے اور اس کا دھواں بہت دور پہنچ جاتا ہے۔

عثمان: آپ کیسے جاتے ہیں ان کے پاس۔

کلیم: کبھی کبھی رات کے وقت۔ کبھی ہفتے میں ایک بار---- کبھی سال کے بعد کبھی دو مہینے میں--- کبھی کبھی ہر روز لگاتار ہفتہ بھر۔ میں سوتا ہوں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس کلیم سے اس گوشت پوست کے کلیم سے ایک اصلی کلیم اٹھتا ہے جس کے پاؤں میں کوئی مجبوری نہیں---- جو کسی زنجیر سے بندھا ہوا نہیں ہے وہ ہوا سے بھی ہلکا اور خوشبو سے بھی زیادہ لطیف کلیم ہے وہ اس وجود سے اوپر اٹھتا ہے اور ہوا کی لہروں پر تیرتا ہوا پشمینہ کے پاس چلا جاتا ہے۔

عثمان: کس کے پاس!

کلیم: پشمینہ! میری بیوی ہے اسے میں نے کسی ہمدردی کسی مجبوری کسی ضرورت کے تحت نہیں چنا۔ پس وہ میری بیوی ہے میں اس سے اس طرح ملتا ہوں جیسے ہوا کا ایک جھونکا دوسرے جھونکے سے ملے---- بلا مطلب! بے ساختگی سے۔ آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آرہا۔

عثمان: جی ہاں میں غور سے سن رہا ہوں۔

کلیم: مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی فیصلہ ہوجائے گا جلدی پھر---- پھر مجھے عالیہ پر ترس آتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کیا یہ ممکن ہے کہ---- کہ میں کسی طرح اپنے دوسرے اصلی گھر جاسکوں---- حقیقت میں۔

عثمان: دیکھئے کلیم صاحب کئی بار دماغ میں ایسے Tumour ہوجاتے ہیں جن سے

مریض Serious Complications کا شکار ہوجاتا ہے بلکہ کئی بار اس سے بھی کئی نتائج نکلتے ہیں- Disastrous قسم کے- ہوسکتا ہے آپ کی Ailment ---- کا تعلق Mental Health سے ہو- بہرکیف آپ کو Medical Aid کا سہارا لینا ہوگا-

کلیم: میں آپ سے کہہ رہا ہوں اس کا بیماری سے کوئی تعلق نہیں ہے- میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے دل پر ایک بوجھ سا ہے- کیا مجھے عالیہ کو---- یہ سب کچھ بتانا چاہئے؟ وہ---- شاید سمجھ نہ سکے میرے نقطہ نظر کو----

عثمان: شاید وہ آپ کی بہتر طور پر مدد کرسکیں-

(اٹھ کر باہر کی طرف جاتے ہوئے)

کلیم: وہ شاید اسے میری بے وفائی پر محمول کرے شاید---- وہ مجھے-

عثمان: عالیہ پڑھی لکھی خاتون ہیں وہ خواب کی کسی بیوی سے اس قدر نہیں چڑ سکتیں- دیکھئے میں پھر کہوں گا کہ آپ کسی وقت میں مجھے Ring کریں- میں ڈاکٹر سخاوت کے ساتھ مل کر آپ کے ایکس رے لوں گا- ہماری تسلی ہوگئی تو-

(کلیم بیڈ پر سے اٹھتا ہے)

کلیم: مہربانی آپ کی مجھے بس اسی قدر کہنا تھا آپ سے----

عثمان: سلام وعلیکم کلیم صاحب-

کلیم: وعلیکم السلام----

ڈزالو

سین 8

ان ڈور

رات

(عالیہ راکنگ چیئر پر بیٹھی ہے کلیم نیم دراز ہے)

عالیہ: تم ایک ہی وقت میں دو عورتوں سے کیسے محبت کرلیتے ہو----؟

کلیم: جس طرح تم حامد اور راحت سے ایک ہی وقت میں پیار کرتی ہو-

عالیہ: یہ اور بات ہے-

کلیم: وہ بھی اور بات ہے عالیہ-

عالیہ: (منہ پرے کرکے) تمہیں مجھ سے کبھی محبت تھی ہی نہیں- میں جانتی ہوں---- پہلے پہل تم بیٹھے بیٹھے خیالوں میں گم ہوجاتے تھے- تمہارے خیالوں کی رانی کوئی اور تھی ہمیشہ---- رفتہ رفتہ اس فرار نے ایک صورت اختیار کرلی ہے- یہ خوابوں کی ملکہ جس کا ذکر تم کررہے ہو- یہ تمہارے اپنے ذہن کی پیداوار ہے- یہ تمہارے فرار کی راہ ہے- تم مجھ سے فرار ہوکر اس کی آغوش میں پناہ لیتے ہو- میں جانتی ہوں، جانتی ہوں، جانتی ہوں-

کلیم: اگر وفا کرنا میرے بس کی بات ہوتی تو میں ہمیشہ تمہارا وفادار رہتا- مرد اور کتے میں ایک فرق ہے- کتا زنجیر سے بندھ کر اسی گھر اسی زنجیر کی رکھوالی کرتا ہے- مرد زنجیر سے بندھ تو جاتا ہے لیکن اندر سے غائب ہوجاتا ہے- اس کا ہمزاد کبھی زنجیر پا نہیں ہوتا عالیہ----

عالیہ: تم اس خیالی محبوبہ کی خاطر---- ایک بسے ہوئے گھر کا سکون تباہ کررہے ہو---- مجھے---- حامد---- راحت کو---- اذیت کے حوالے کررہے ہو-

کلیم: کون جانے عالیہ---- کیا سچ ہے کیا جھوٹ ہے- کون جانے جب ہماری آنکھ کسی دوسرے جزیرے میں کسی دوسرے سیارے میں کھلے تو یہ زندگی یہ ساری اس کرۂ عرض کی زندگی کا دور ایک ننھے سے اچٹتے خواب کی طرح بے معنی ہو- کون جانے وہ زندگی اصلی ہے- اور یہ خواب ہے یا یہ اصلی ہے اور وہ خواب ہے- اس کا تصفیہ کون کرے میری جان؟

عالیہ: تم علاج کروالو کلیم سب ٹھیک ہوجائے گا- خدا کے لئے میرے ساتھ ہسپتال چلو----

کلیم: تم چاہے میری حالت کی کچھ بھی Interpretation کرو اسے فرار کہو یا بے وفائی کی آرزو کا منجمد ہوجانا کہو- ڈاکٹر عثمان اسے Brain Tumour کہیں کوئی Analyst اسے Sehizophrenia کہے چاہے Hallucination پکارے، چاہے Split Personality کہے---- لیکن تمہیں بتانا اپنا فرض

سمجھتا ہوں کہ جسم جس سطح پر زندہ رہتا ہے اس سطح پر انسانی روح کا مقام کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔

عالیہ: راحت کا کیا بنے گا۔ حامد کے متعلق تم نے کیا سوچا ہے۔ مجھے گولی مارو میں تو پرائی بیٹی ہوں۔ پر ان کا کیا بنے گا۔ وہ تو تمہاری اولاد ہیں۔

کلیم: بچے تو جذبۂ تخلیق کی اولاد ہیں اور تحفظ اور بقاء کے فرشتے انہیں پروان چڑھاتے ہیں ہم کون ہوتے ہیں انہیں اپنی ملکیت بنانے والے۔ بچوں سے میرا کیا تعلق؟

عالیہ: کلیم! کیا سوچ رہے ہو تم؟---- کلیم میں عالیہ بلا رہی ہوں تمہیں۔ کلیم؟ کلیم؟؟

(عالیہ زور زور سے کلیم کو جھنجھوڑتی ہے۔ عقب میں بکریوں کی صدائیں ابھرتی تھیں۔ یکدم عالیہ ایسے چہرہ بناتی ہے جیسے کچھ سونگھ رہی ہو۔)۔

کٹ

سین 9

ان ڈور

کچھ لمحے بعد

(دروازے کے ساتھ پشمینہ رو رہی ہے اور کلیم اسے جھنجھوڑ رہا ہے۔)

کلیم: پشمینہ----؟ کیوں رو رہی ہے تو---- کیا ہوا۔

پشمینہ: اب آیا ہے تو شہر سے لوٹ کر۔ بابا تو تیری راہ دیکھ دیکھ کر چلا بھی گیا۔ جا چلا جا شہر---- چھوڑ جا ہمیں۔

کلیم: مت بول پشمینہ---- چپ رہ۔ تو بولے گی تو پھر میرے لئے کوئی جگہ ایسی نہ رہ

جائے گی جہاں جاکر میں آرام سے بیٹھ سکوں ٹھنڈی ہوا سے باتیں کرسکوں۔

پشمینہ: بابا چلا گیا ہمیں چھوڑ کر---- کلیم میرا بابا چلا گیا۔

کلیم: جانے دے مت روک---- مت اس کی راہ کھوٹی کر۔ آنسو تو زنجیر ہوتے ہیں باندھ لیتے ہیں آدمی کو۔ مت باندھ مجھے کسی زنجیر سے۔

پشمینہ: اب میں کیا کروں گی اکیلی---- تو تو اپنے شہر چلا جائے گا۔ میں جانتی ہوں تجھے اپنے ڈیرے سے شہر اچھا لگتا ہے۔

کلیم: اور شہر والے کہتے ہیں تو یہاں ہوتے ہوئے کہاں چلا جاتا ہے کلیم۔

پشمینہ: مجھ سے وعدہ کر اب کہیں نہ جائے گا تو----

کلیم: وعدہ کرنے کو نہ کہہ---- دیکھ کسی دوسرے سے کیا ہوا وعدہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اپنے دل سے کیا ہوا وعدہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔ مت بول چپ رہ۔

پشمینہ: دیکھ تو کلیم میں بلاتی ہوں پر یہ بولتا نہیں۔ دیکھ ایسا سنگ دل تو کبھی نہ تھا بابا۔

(پشمینہ ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتی ہے بابا پلنگ پر لیٹا ہے۔ اس کے چہرے پر چادر ہے۔ بچے سہمے ہوئے بیٹھے ہیں۔

(کلیم بابا کے پاس بیٹھتا ہے۔ شُدم اور گُلا جان دائیں بائیں آکر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہیں کلیم باری باری دونوں کے ہاتھوں کو چومتا ہے۔)

ڈزالو

سین 10

ان ڈور

صبح

(کیمرہ پلنگ کے نیچے رکھے ہوئے بوٹوں پر مرکوز ہو جاتا ہے۔

یہ بوٹ گرد سے اٹے ہیں۔ اب کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے۔ کلیم حسب

(کلیم معمول پلنگ پر لیٹا ہے اس کی آنکھیں کھلی ہیں۔ وہ ایک عزم کے ساتھ اٹھتا ہے اپنے کندھوں پر مکیاں مارتا ہے۔ دوسری جانب سے عالیہ کیتلی اٹھائے آتی ہے۔)

عالیہ: مگ میں گرم پانی ڈال کر دوں شیو کے لئے۔

کلیم: آج میں دفتر نہیں جاؤں گا۔ بہت تھکان ہو گئی ہے مجھے۔

عالیہ: تھکان؟

کلیم: رات---- قبرستان دور تھا۔ اور گاؤں کے لوگ کم تھے مجھے دور تک کندھا دینا پڑا۔

عالیہ: کندھا دینا پڑا---- کیسے؟ کون سا قبرستان۔

(اب کلیم اٹھتا ہے اور جوتوں میں پاؤں ڈالنا چاہتا ہے یکدم اس کی نگاہ اپنے بوٹوں پر پڑتی ہے۔)

کلیم: دیکھ عالیہ میرے بوٹوں کی طرف دیکھ۔ میں جھوٹ نہیں کہتا تھا تجھے۔ قبرستان کی مٹی سرخ تھی۔ جب میں نے بابا کو لحد میں اتارا---- دیکھ عالیہ میرے بوٹ دیکھ۔ دیکھ میں جھوٹ نہیں کہتا۔ وہ میرا انتظار کرے گی اب---- بابا کے بغیر کیا بنے گا اس کا۔

(عالیہ پاس آکر بوٹ سے مٹی اپنی انگلی پر اتار کر دیکھتی ہے۔)

عالیہ: کیسی عجیب و غریب مٹی ہے۔ کہاں سے پڑی آپ کے جوتوں پر۔

کلیم: میں نہیں کہتا تھا تجھے---- وہاں پشمینہ ہے میرے بچے ہیں۔ میری روح اور تمناؤں کے جانشین---- شُدم اور گُلا جان---- پشمینہ اور میں دو نہیں ہیں ایک ہی آواز کی بازگشت ہیں۔ ہم دونوں---- عالیہ آئی ایم سوری۔

(عالیہ گم سم اس کی طرف دیکھتی ہے کلیم یکدم شرمندہ سا ہو جاتا ہے۔)

عالیہ: کہہ دو---- سب کچھ کہہ دو۔ کم از کم مجھے دوہرا عذاب تو نہ ہو۔

کلیم: دوہرا عذاب۔

عالیہ: ایک عذاب تو یہ ہوا کہ تم پشمینہ کو مجھ سے زیادہ چاہتے ہو دوسرا عذاب یہ کہ تم نے یہ بات مجھ سے چھپائے بھی رکھی۔

کلیم: میرے لئے ایک گلاس پانی لاؤ گی عالیہ۔

(عالیہ جاتی ہے۔ سنگ مرمر کے لیلے سے ممیانے کی آواز آتی ہے۔ اب کلیم راکنگ چیئر میں بیٹھ جاتا ہے۔ ساتھ ہی کھڑکی کا پردہ ہلتا ہے۔ الارم بجنے لگتا ہے۔ کلیم مٹھیاں بھینچتے ہوئی بڑا Tense ہوتا ہے۔ کیمرہ پہلے سارا منظر دکھاتا ہے۔ بعد میں مڈشاٹ دکھاتا ہے کہ کلیم بے سدھ پڑا ہے اور اس کی جان کرسی پر بیٹھے بیٹھے نکل جاتی ہے۔ اوپر سے عالیہ آتی ہے پانی کا گلاس میز پر رکھتی ہے کلیم کے پاس جاتی ہے نبض دیکھتی ہے پھر جھکتی ہے۔ سرخ مٹی بوٹوں سے کاغذ پر جھاڑتی ہے اور کاغذ کی پڑیا بناتی ہے۔ منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔ چند ثانیئے منظر بالکل سیاہ رہتا ہے۔ پھر دن کا سویرا جیسے نکلتا ہے۔ اب اسی کرسی پر عالیہ بیٹھی ہے۔ پاس ڈاکٹر عثمان ٹہل رہا ہے۔)

عثمان: آپ اس وقت توہم پرستی اور ضعیف العتقادی سے کام نہ لیں بیگم کلیم میں سمجھتا ہوں یہ صدمہ آپ کے لئے برداشت کرنا مشکل ہے۔ لیکن اگر آپ ان لائنز پر سوچیں گی تو میرا خیال ہے کہ آپ کی اپنی Thinking خراب ہو جائے گی۔

عالیہ: تو میں کیا سوچوں؟ آپ کی طرح یہ سوچوں کہ اس کے دماغ میں ٹیومر تھا؟ یا اس بات پر ایمان لے آؤں کہ اس نے مجھ سے فرار حاصل کرنے کے لئے اتنے جتن کئے بالآخر وہ اندر ہی اندر سانس روک کر مر گیا----

عثمان: اس کے مرنے کا Reason جو بھی ہو بہرکیف بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے بچوں کو یہی بتائیں کہ ان کے ابا ٹیومر کے مریض تھے کم از سکول جاکر انہیں یہ بات اپنے ہم جماعت بچوں کو سمجھانی تو آسان ہو۔

عالیہ: (عالیہ پڑیا کھول کر سامنے پیش کرتے ہوئے) شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن صدیوں سے کچھ ایسی حیران کن باتیں کچھ مافوق الفطرت واقعات کچھ ایسے حیرت انگیز حادثات ہوتے چلے آئے ہیں کہ ان کا کوئی جواز ہمارے پاس موجود نہیں۔ انسانی روح کے تجربات تو ہوا کی مانند ہیں یہ دکھائی تھوڑی جا سکتے ہیں۔

عثمان: مجھے افسوس ہے آپ بھی اس وقت کلیم صاحب کی طرح سوچ رہی ہیں میں

شام کو آپ کو پھر دیکھنے آؤں گا۔

(اب عثمان چلا جاتا ہے۔ عالیہ چپ چاپ بیٹھی ہے۔)

عالیہ: کلیم میں نے اپنی ہتھیلی کھول دی ہے---- محبت کا پارہ مٹھی بھینچنے پر انگلیوں کی درزوں سے نکل جاتا ہے۔ اب ہتھیلی کھلی ہے۔ تو لگتا ہے کہ تم یہیں کہیں ہو---- بالکل پاس۔ جیسے تم کہیں کبھی گئے ہی نہیں کبھی----

(الارم کلاک بجنے لگتا ہے پردہ ہلتا ہے۔ کھڑکی میں لمحہ بھر کے لئے کلیم اپنے نیگیٹو کی صورت میں نظر آتا ہے۔ پھر وہ کھڑکی سے اندر آتا ہے اور پلنگ پر لیٹتا ہے۔ ہلکی ہلکی موسیقی رواں ہوجاتی ہے۔ پھر پلنگ پر کلیم کا نیگیٹو موجود نہیں ہوتا۔ اب کارنس پر جو کھلونا لیلا موجود ہے۔ اس کی جگہ وہی لیلہ موجود ہے۔ جو پشمینہ کے گھر ہوا کرتا تھا۔ عالیہ اٹھتی ہے اس لیلے کو گود میں لیتی ہے اور اپنی آرام کرسی پر آبیٹھتی ہے۔ اب وہ کرسی کو Rock کرتی ہے۔ موسیقی اس پر اوورلیپ کرتی ہے عالیہ کے چہرے پر پہلی بار اطمینان بھری مسکراہٹ طاری ہے۔)

پیغام زبانی اور ہے

کردار:

- سیٹھ یوسف دامانی — عمر پچاس کے لگ بھگ
- نصیر — منہ چڑھا ملازم عمر تیس برس
- فضل — اخباری نمائندہ
- ندیم — فوٹوگرافر
- محمد علی — تار گھر کا بابو
- پی۔ اے — سیٹھ دامانی کے کارخانے کا
- انور — سیٹھ صاحب کا دوست
- نونی — ایک چھوٹی سی بچی
- ارشاد — نونی کا باپ
- جمیل — ایک اور لڑکا
- صومی — ایک چھوٹی بچی جو ابھی بولتی نہیں

سین 1

ان ڈور

دن

(اوپر والی منزل کا ایک اپارٹمنٹ، جس میں پشت کی جانب ایک لمبی سی کھڑکی ہے اس کھڑکی سے کچھ فاصلے پر ایک نیون سائین ہے جو رات کے مناظر میں چمکتا ہے اس پوسٹر پر لکھا ہے۔

Dont take risk Buy speed tyres for safety.

اس سائین بورڈ پر دو بڑے بڑے ٹائروں کی تصویریں بنی ہیں۔ دن کے مناظر میں صرف یہ حروف بلبوں سے بنے نظر آتے ہیں۔ اور رات کے وقت یہ سارا بورڈ جگمگانے لگتا ہے۔ ٹائٹل کے فیڈ آؤٹ ہونے پر کیمرہ ڈریسنگ ٹیبل کا کلوزاپ لیتا ہے یہاں فریم میں یوسف دامانی کی بیگم اور اس کے دس بارہ سال کے بیٹے کی ایک انلارجڈ فوٹو لگی ہوئی ہے کیمرہ ٹریک بیک کرتا ہے۔ یوسف دامانی جو نیروبی کا تاجر ہے اور درمیانی عمر کا آدمی ہے۔ غسل خانے سے برآمد ہوتا ہے۔ وہ اس وقت دانت برش کر رہا ہے۔ یوسف دامانی الماری کھول کر تولیہ نکالتا ہے اس وقت اس کا ملازم نصیر اندر آتا ہے۔ نصیر ایک دسویں پاس نوجوان ملازم ہے۔ باتونی ہے۔ بڑی پریت سے بال بناتا ہے خوبصورت نہیں ہے لیکن آئینہ دیکھنے کا بہت شوق ہے مالک سے بات کرتے ہوئے بھی کئی بار جب سنگھار میز کے شیشے پر اس کی نظر پڑ جاتی ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ وہ صرف ایک معمولی ملازم ہے اس وقت نصیر کے ہاتھ میں ایک عدد جوتے کا جوڑا ہے اور وہ اسے کپڑے سے چمکاتا داخل ہوتا ہے۔)

نصیر: سر جی دوپہر کو کیا پکے گا۔ کریلے گوشت، بھنڈی گوشت؟

یوسف: (قدرے اکتاہٹ کے ساتھ) کچھ ہی پکا لو نصیر۔

نصیر: سر وہ جو آپ کے دوست غلام ربانی صاحب ہیں نا۔ میں نے چار مہینے ان کے گھر نوکری کی تھی۔ بیگم صاحب ایک دن سات سالن پکا کر فریج میں رکھ دیتی تھیں۔ پھر ہفتے بھر کے لئے ان کو بھی چھٹی مجھے بھی چھٹی۔

یوسف: کوئی فون تو نہیں آیا تھا۔

نصیر: (اپنی رو میں) سر آپ شادی کرلیں جی دوبارہ بیگم ہو تو بڑا آرام رہتا ہے جی سات سالن ایک دن پکانے کا۔

یوسف: تم خود ہی پکا لیا کرو ایک ہی دن۔

نصیر: خود کوئی تھوڑا پکا سکتا ہے سر جی۔ اس کے لئے تو ایک بیگم درکار ہوتی ہے۔ جب تک کام ختم نہ ہو بیٹھنے نہ دے۔ ہاں سر جی وہ فاروق کہہ رہا تھا ون یونٹ توڑ کر برا کیا لوگوں نے۔

یوسف: کون سا فاروق؟

نصیر: کھوکھے والا فاروق بنڈا۔ بہت اخبار پڑھتا ہے۔ پہلے میں بھی اخبار بیچا کرتا تھا سر جی۔

یوسف: کیا کیا کام کئے ہیں تم نے۔

نصیر: فلموں میں ٹرولی میں نے دھکیلی، اخبار میں نے بیچا، کلینر میں رہا سر جی ٹرک پر۔ ڈیری فارم پر میں نے کام کیا ایئرپورٹ پر پورٹر میں رہا پانچ مہینے پانچ دن۔

یوسف: یہاں سے کہاں جانے کا ارادہ ہے نصیر؟

نصیر: نہیں جی۔ آپ کے ساتھ تو میں ساری عمر رہوں گا آپ نیروبی جائیں گے تو ساتھ جائے گا بندہ۔

یوسف: اب نیروبی جا کر کیا ملے گا نصیر؟

نصیر: سر جی آپ برا نہ مانیں تو کہوں۔

یوسف: کہو؟

نصیر: وہ سر میں ملک قیصر کے پاس جب کام کرتا تھا۔

یوسف: ملک قیصر کون؟

نصیر: جن کی فرنیچر کی دکان ہے، میکلوڈ روڈ پر۔ ان کی بیوی مرگئی تو چوتھے مہینے انہوں نے دوسری شادی کرلی۔ پانچ بچے تھے جی ان کے۔ چار مہینے سر۔ صرف چار مہینے بعد۔ آپ کو تو دو سال ہوگئے ایک فلم دیکھی تھی میں نے سر جی اس میں

دوسری بیوی بڑی اچھی تھی دوسری بیوی کبھی کبھی کافی اچھی ہوتی ہے سر۔

(اس وقت وہ غسل خانے کی طرف لوٹتا ہے۔)

یوسف: دوسری بیوی تو ہمیشہ ہی اچھی ہوتی ہے نصیر۔

نصیر: جی فاروق کہہ رہا تھا کہ ون یونٹ توڑ کر برا کیا لوگوں نے۔

یوسف: (جاتے ہوئے) تمہیں اس سے کیا مزے سے بھنڈی گوشت پکایا کرو نصیرالدین احمد خاں۔

نصیر: لیکن سر جی سیاست میں دلچسپی لینا بھی ہر آدمی کا فرض ہے۔

(اب یوسف غسل خانے میں داخل ہوتا ہے نصیر آئینے میں دیکھتا ہے سر کا سینٹ سپرے استعمال کرتا ہے اس وقت نونی آتی ہے گود میں چھوٹا سا کتا ہے یوں لگتا ہے جیسے وہ تازہ تازہ روئی ہے۔ نصیر ان بچوں سے بہت چڑتا ہے جو صاحب سے ملنے آتے ہیں۔ نونی کو دیکھ کر وہ ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کرتا ہے۔)

نصیر: جاؤ نونی جاؤ۔ (دبی آواز میں)

نونی: انکل کہاں ہیں؟

نصیر: (دانتوں میں بھینچ بھینچ کر) کیا لینا ہے انکل سے۔ کیا کہا؟

نونی: بال بنوانے ہیں۔

(اندر سے آواز آتی ہے۔)

نصیر: وہ تیری آپا ہیں؟ تیرے نوکر ہیں آجاتی ہے ادھر سے منہ اٹھا کر۔

یوسف: کس سے باتیں کر رہے ہو نصیر؟

نصیر: کوئی نہیں سر جی۔ اپنی دھوبن کی لڑکی ہے بش شرٹ دینے آئی ہے۔

نونی: (اونچی آواز میں) میں آئی ہوں انکل نونی۔

یوسف: (آواز) میں ابھی آتا ہوں بیٹے۔

نصیر: خبردار جو میری شکایت کی۔ بڑی امی سے شکایت لگادوں گا جاکر۔

نونی: کیا شکایت لگادو گے میری۔

نصیر: بتادوں گا کہ تو نے ہمارے روشندان کا شیشہ توڑا ہے۔ بال مار کر۔

نونی: کب توڑا ہے میں نے شیشہ۔

نصیر: توڑا نہیں تھا شیشہ۔ پچھلی جمعرات جب ہم ٹیلی ویژن دیکھ رہے تھے۔

نونی: انکل نے معافی دے دی تھی۔

نصیر: انکل نے معافی دی تھی میں نے تو معافی نہیں دی تھی نا۔

یوسف: (اندر سے) کیا باتیں ہو رہی ہیں نونی۔

نصیر: (نونی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر) ہم دونوں تاش کھیل رہے ہیں۔ سرجی یہ ہار رہی ہے سرجی۔ اسی لئے بولتی ہے بار بار۔

(اس جملے کے ساتھ ہی ہم غسل خانے کے اندر جاتے ہیں یوسف اس وقت سنک کے شیشے کے سامنے کھڑا شیو بنا رہا ہے۔ اب باہر کی طرف سے نصیر اور نونی کی آواز بند بند سی آتی ہے۔)

نونی: (منہ بنا کر) ہار رہی ہے اونہہ۔

یوسف: کیا بات ہے نونی۔

نونی: (باہر سے) یہ جی۔ یہ نصیر (جیسے منہ پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا ہو)

یوسف: میں ابھی آتا ہوں باہر۔

کٹ

سین 2

ان ڈور

وہی وقت

اس وقت یوسف چہرے پر ریزر چلا رہا ہے یکدم ایسی آواز آنے لگتی ہے جیسے تار گھر میں سگنل آنے لگے۔ یوسف رکتا ہے آواز جاری رہتی ہے وہ ریزر کو دیکھتا ہے۔ پھر غسل خانے میں ادھر ادھر دیکھتا ہے برش کو کان سے لگاتا ہے یوسف نلکے کے ساتھ کان لگا کر سنتا ہے۔ آواز باقاعدہ اور اونچی آتی ہے یوسف جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکلتا ہے۔

یوسف: باہر کیا ہو رہا ہے، کیا کر رہے ہو نصیر۔

نصیر: کچھ نہیں جی ہم دونوں تاش کھیل رہے ہیں۔

یوسف: یہ آواز کیسی ہے باہر۔

نصیر: کیسی آواز سرجی۔

یوسف: (داخل ہو کر) یہ---- یہ آواز کیسی تھی؟

(نصیر اور نونی قالین پر بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں۔)

نصیر: کیسی آواز سرجی۔ ٹریکٹر گزرا تھا نیچے سڑک پر۔

یوسف: ٹریکٹر کی آواز نہیں تھی۔

نونی: (تاش پھینک کر) کیسی آواز انکل۔

(یوسف کھڑکی کی طرف جاتا ہے۔ اور نیچے دیکھتا ہے۔ نونی پاس آتی ہے۔)

یوسف: بالکل سنسان سڑک پڑی ہے نیچے تو۔

نونی: میرے بال بنا دیجئے انکل۔

نصیر: چپکی رہ۔ دیکھتی نہیں انکل دفتر جا رہے ہیں۔

(یہ بات نصیر سرگوشی میں کہتا ہے۔)

یوسف: بڑی عجیب اور بڑی صاف آواز تھی (آہستہ آہستہ) جیسے کوئی تار دے رہا ہو---- جیسے----

نصیر: آپ ٹیلی گرام لکھ دیں سر میں ابھی چھوٹے ڈاک خانہ جاکر تار دے آتا ہوں۔ تار والا بابو میرا واقف ہے رہتک کا مہاجر ہے جی۔

یوسف: (بیٹھتے ہوئے) میرے لئے ایک گلاس پانی لانا نصیر۔

نصیر: ابھی سرجی۔

(نصیر چلا جاتا ہے۔ نونی پاس آکر محبت سے کنگھی پکڑاتی ہے یوسف کنگھی لے کر نونی کے بالوں میں پھیرتا ہے۔)

نونی: جب آپ کنگھی پھیرتے ہیں تو ذرا درد نہیں ہوتا انکل امی تو یوں کنگھی چلاتی ہیں یوں جیسے آرا چل رہا ہو۔

یوسف: ابھی نونی آواز آئی تھی تمہیں۔

نونی: کیسی آواز انکل۔

یوسف: گٹ گٹ، گرر گرر، گٹ گٹ---- گٹ میں غسل خانے میں شیو کر رہا تھا۔

نونی: انکل کوئی جھینگر ہو گا۔

یوسف: جھینگر نہیں تھا نونی۔

نونی: انکل جس کمرے میں، میں سوتی ہوں اس کی چھت پر تھوڑی سی سفیدی اتری ہوئی ہے رات کو میں غور سے دیکھتی ہوں تو زیرو کے بلب میں کم روشنی ہوتی ہے نا انکل۔

یوسف: ہوں۔

نونی: مجھے اس طرح لگتا ہے جیسے چھت پر ایک بھالو بیٹھا چرخہ کات رہا ہے۔ امی کہتی ہیں یہ تیرا وہم ہے۔

یوسف: آواز تھی نونی بالکل ٹیلی گراف سگنل جیسی۔

(اب دروازہ ذرا کھلتا ہے ارشاد اندر جھانکتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں چینی مینڈک جیسا کھلونا ہے۔ یہ پتری کا بنا ہوا کھلونا ہے۔ دباؤ تو بینڈے جیسی ٹک ٹک کی آواز آتی ہے۔)

نونی: آجاؤ ارشاد۔ آجاؤ نصیر نہیں ہے۔

یوسف: آؤ ارشاد۔

(اب ارشاد اندر داخل ہوتا ہے اور مینڈک ٹکٹکاتا ہے۔)

نونی: یہ آواز ہو گی انکل۔ ارشاد جب تم اوپر آرہے تھے تو تب تو اسے بجاتے آتے تھے نا۔

ارشاد: ہاں--- میرے لئے یہ کل لائے تھے انکل۔

(اب پھر ٹیلی گراف کا ساؤنڈ ایفکٹ شروع ہوتا ہے دونوں بچے اداس دم بخود ہو کر سنتے ہیں۔ ساتھ ساتھ ارشاد بھی بینڈا بجاتا ہے۔ اب آواز ذرا اونچی ہو جاتی ہے۔ نونی یوسف کی گود میں چڑھ جاتی ہے۔)

نونی: یہی آواز تھی نا انکل؟ بند کرنا اسے ارشاد۔

ارشاد: یہ کیسی آواز ہے انکل یہ کہاں سے آرہی ہے نونی۔

(نونی یوسف کا چہرہ اپنی طرف کرتی ہے آواز اونچی ہوتی ہے تینوں حیرانی سے فضاء میں دیکھتے ہیں یہ تصویر فیڈ آؤٹ ہوتی ہے۔)

نونی: چپ رہو---- انکل انکل۔

کٹ

سین 2

ان ڈور

دن چڑھے

(یوسف کا دفتر--- بڑی اعلیٰ قسم کی جگہ ہے بڑا ماڈرن دفتر ہے جس میں تین ٹیلی فون لگے ہوئے ہیں اس وقت یوسف نیل کٹر سے اپنے ناخن تراش رہا ہے اس کے پاس ہی اس کا سیکرٹری کھڑا اسے قالینوں کے فٹ ڈیڑھ فٹ کے سامپل پیش کرتا ہے۔)

پی اے: سر یہ ان قالینوں کے سامپل ہیں جو آپ نے----

یوسف: آپ یہ سیمپل مجھے دکھانے کی بجائے سردار علی اینڈ برادرز کو بھیج دیجئے اور کوٹیشن بھی ساتھ بھجوائیے۔ زیادہ سے زیادہ ہم ان کے لئے یہ رعایت کر سکتے ہیں کہ یا تو Ex.Mill ریٹ پر مال دے دیں یا پھر وہ Damaged مال لے لیں ہم سے۔ کچھ اور رعایت کر دیں گے اس صورت میں۔

(فون کی گھنٹی بجتی ہے۔)

یوسف: (چونگا اٹھا کر) ہاں، ہاں، کون فضل چوہدری صاحب تو روک کیوں لیا انہیں۔ بھیجئے، ہاں۔ فوٹوگرافر کو بھی بھیجئے۔

پی اے: سر میسرز طفیل نے کہا تھا کہ آپ اگر Jute کا کارخانہ نہ لگائیں اور وول کا استعمال ہی کریں تو---

یوسف: بابا ان کو میں نے کتنی دفعہ کہا ہے کہ وہ اپنے Suggestions سے ہمیں معاف رکھیں۔

پی اے: یس سر۔

یوسف: لکھ دو انہیں مال اٹھانا ہے تو اٹھائیں ورنہ کسی اور جگہ کھاتہ کھولیں۔

پی اے: سر میں ایل سی کے لئے چلا جاؤں بینک کی طرف۔

یوسف: کل نہیں گئے تھے۔

پی اے: کل سر بینک بند ہو گیا تھا۔

یوسف: (گھڑی دیکھ کر) ضرور جاؤ۔

(پی اے جاتا ہے اس کے جاتے ہی پھر ٹیلی گراف کی آواز آنے لگتی ہے یوسف فون کا چونگا اٹھا کر دیکھتا ہے کان سے لگا کر سنتا ہے کوئی آواز نہیں آ رہی ہے ادھر ادھر جھانکتا اور کان لگا کر سنتا ہے اب فضل چوہدری اور فوٹوگرافر ندیم داخل ہوتے ہیں۔ آواز بند ہو جاتی ہے۔)

دونوں: مے وی کم ان سر۔

یوسف: آیئے آیئے! (کچھ غائب اور کچھ حاضر سا ہے۔)

فضل: یہ جی میرے کلیگ ندیم، فوٹوگرافر ہیں۔

یوسف: آپ نمائش رسالے میں کام کرتے ہیں نا فضل چوہدری صاحب۔

فضل: بالکل سر۔ میں آپ کو ایک زحمت دینے آیا ہوں۔ ہم نے ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے اپنے رسالے میں۔ ملک کے مشہور بزنس مین کی پرائیویٹ لائف، میں نے سوچا کہ بسم اللہ آپ سے کرنی چاہیئے۔

یوسف: بڑی مہربانی ہے آپ کی۔ لیکن----- میری ایک ضروری میٹنگ ہے کچھ دیر میں۔

(فوٹوگرافر اٹھ کر دو چار تصویریں بناتا ہے۔)

فضل: میں آپ سے چند ضروری سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ بس ہلکا سا لائف Sketch باقی مضمون میں خود تیار کر لوں گا۔

ندیم: سر ذرا اس طرف چہرہ کیجئے۔

(فلیش جلا کر تصویر کھینچتا ہے۔)

فضل: آپ کب سے نیروبی میں ہیں سر۔

یوسف: دراصل میرے والد صاحب وہاں پہلے سیٹل ہوئے۔

فضل: بزنس کیا تھا جی ان کا۔

یوسف: تین دکانیں تھیں ان کی جنرل مرچنٹ قسم کی، ڈرگ سٹور اور بک سٹور بھی

ساتھ میں تھا۔ یہ قالینوں کا کارخانہ تو ادھر پاکستان میں اس بجٹ سے لگا ہے جو وہاں ہوئی تھی۔

فضل: آپ اب پاکستان میں مستقل رہائش رکھیں گے کہ نیروبی لوٹ جائیں گے یوسف دامانی صاحب؟

یوسف: اب ہم کیا لوٹیں گے نیروبی۔ نیروبی سے کچھ ایسی یادیں وابستہ ہیں کہ وہاں لوٹ جانا اب ممکن نہیں رہا۔

فضل: سر آپ کے بچے۔

یوسف: ایک بیٹا تھا۔ سرفراز دامانی آٹھویں میں پڑھتا تھا۔

فضل: وہ---- (ذرا رک کر) وہ وہاں نیروبی میں ہے کہ آپ کے ساتھ۔

یوسف: وہ اور میری وائف اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔

(یوسف اٹھ کر جاتا ہے فضل کاپی لے کر ساتھ ساتھ جاتا ہے۔)

ندیم: اگر آپ برا نہ مانیں تو ادھر آ کر کھڑے ہو جائیں دیوار کے ساتھ میں آپ کی ایک پوٹریٹ بنانا چاہتا ہوں۔

فضل: اگر آپ اپنی زندگی کا کوئی واقعہ مجھے بتا سکیں۔ ایسا واقعہ جو آپ کے لئے بہت اہم ہو تو---- تو میں بہت ممنون ہوں گا سر۔

یوسف: سرفراز اور میری بیوی میمونہ ممباسا سے نیروبی آ رہے تھے۔ Holiday Trip لی تھی انہوں نے۔ میں ان کے ساتھ نہیں جا سکا تھا۔ جس روز انہیں لوٹنا تھا---- یعنی سات اکتوبر 68ء کو بڑا روشن دن تھا۔ صبح مجھے---- اسی طرح میں اپنے دفتر میں تھا کہ مجھے ایک تار ملا۔

(ندیم تصویر کھینچتا ہے اور شکریہ ادا کرتا ہے یوسف واپس اپنی کرسی پر آ کر بیٹھتا ہے۔)

فضل: آپ کی وائف کی طرف سے۔

یوسف: جی---- انہوں نے مجھے ایئرپورٹ پر پہنچنے کی تاکید کی تھی۔

فضل: پھر----

یوسف: میں ایئرپورٹ پر پہنچا لیکن وہ دونوں نہیں آئے۔

فضل: یعنی۔

یوسف: میں نے ممباسا سے آنے والی اٹھائیس Flights دیکھیں لیکن---- لیکن وہ کیسے آتے؟

فضل: میں سمجھا نہیں سر۔

یوسف: (جیب سے رومال نکال کر آنکھوں پر رکھتا ہے۔) ان کے ہوائی جہاز کا Crash ہوگیا تھا---- آئی ایم سوری---- مجھے دراصل اس واقعے کا ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا۔

ندیم، فضل: بڑا افسوس ہوا سن کر سر۔

یوسف: افریقہ کے جنگل بھی بڑے ظالم ہیں۔ جہازوں کو نگل لیتے ہیں تو پھر ان کی خبر ہی نہیں ملتی۔ یہ واقعہ اگر آپ رقم کرنا چاہیں اپنی خوبصورت زبان میں۔ کیونکہ میں تو سادہ آدمی ہوں میں تو سیدھی سادی باتیں جانتا ہوں فضل چوہدری صاحب، میری عمر میں زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنا آسان نہیں ہوتا نئے دوست نئے رابطے، نئی بیوی، پھر سے بچے پھر سے خوشی، پھر سے تعلق، پھر سے غم---- یہ سب کچھ غالباً میرے لئے اب قابل قبول نہیں ہے۔

فضل: سر ابھی آپ کی کوئی خاص عمر تو نہیں ہوئی۔

یوسف: دوپہر جب ہوجائے فضل صاحب تو اس کے بعد دن ڈھلتا ہی جاتا ہے۔ شام آتی ہے، پھر پھیلتی ہے، پھر رات آجاتی ہے۔

(ندیم اٹھ کر تصویر بنانے کی تیاری کرتا ہے۔)

ندیم: ذرا بازو میز پر رکھ کر اسی طرح دیکھتے رہیئے۔ اسی طرح فضاء میں بہت دور----

یوسف: دراصل جو لوگ اپنے دل کے قریب ہوں وہ چاہے پاس رہیں یا دور جابسیں، زندہ رہیں یا مرجائیں ان سے دل کا تار ملا ہی رہتا ہے۔ ان کی باتیں دل کرتا ہی رہتا ہے وقت بوقت۔

فضل: بالکل درست کہتے ہیں آپ یوسف دامانی صاحب۔

یوسف: اگر سرفراز اور---- میمونہ میرے پاس ہوتے تو میں خوشی سے انہیں یاد کرتا اب وہ---- (رومال نکال کر آنکھوں سے لگاتا ہے۔) اس دنیا میں نہیں ہیں تو میں انہیں اپنی تنہائی کے ہاتھوں آنسوؤں کے ساتھ یاد کرتا ہوں۔ مقصد تو انہیں یاد رکھنا ہے فضل صاحب کیوں ندیم صاحب؟

(اب ندیم یکدم فلیش جلاتا ہے اور تصویر کھینچتا ہے ساتھ ہی تار کی آواز آنا شروع ہوجاتی ہے۔)

یوسف: سنیئے---- سنیئے فضل صاحب آواز سنیئے ذرا---- جیسے---- جیسے تار گھر سے سگنل آرہا ہو کوئی۔ آپ کو آواز نہیں آرہی ندیم صاحب۔

(ندیم اور فضل نظریں ملاتے ہیں۔ جیسے انہیں یوسف کے دماغ پر شبہ ہو۔)

فضل: (صاف جھوٹ بولتا ہے) ہاں جی کچھ آواز سی تو آرہی ہے۔ شاید آپ کے سٹینو ٹائپ کر رہے ہیں۔

یوسف: غور سے سنیئے---- میں---- اس کے معنی تو نہیں سمجھتا لیکن یہ آواز---- یہ آواز مجھے اندر ہی اندر جھنجھوڑتی ہے۔

فضل: اچھا سر۔ ہمیں آپ اجازت دیجئے۔ ہم نے آپ کا بہت قیمتی وقت لیا۔

یوسف: (حاضر نہیں ہے) جی نہیں---- بالکل نہیں۔

(دونوں ہاتھ ملا کر رخصت ہوتے ہیں۔)

فضل: شکریہ سر۔

ندیم: خدا حافظ سر۔ شکریہ۔

یوسف: میں جانتا ہوں آپ کو آواز نہیں آرہی۔ لیکن وہ اس کمرے میں اسی طرح موجود ہے جیسے کوئی بھنورا گھس آیا ہو اندر۔

(فضل اور ندیم انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔)

یوسف: (اوپر چہرہ اٹھا کر) خدا کے لئے مجھ سے کچھ کہو---- میری زبان میں سرفراز---- میمونہ، تم دونوں کہاں ہو---- کس حال میں ہو؟ افریقہ کے سفاک جنگلوں نے تمہیں مجھ سے کیوں چھین لیا؟ کیوں کیوں کیوں؟

(پریشانی کے عالم میں بازو میز پر رکھ کر اپنا سر بازوؤں پر رکھتا ہے۔ آواز جاری رہتی ہے۔)

کٹ

سین 3

ان ڈور

شام

(کمرہ بظاہر خالی ہے، پھر پلنگ کے نیچے سے نونی نکلتی ہے باہر کی کھڑکی کی طرف سے ایک چھوٹا بچہ آتا ہے۔ ارشاد غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر آتا ہے۔ سب ایک دوسرے کو چپ کرانے کے انداز میں ہونٹوں پر انگلی رکھے ہوئے ہیں۔ ایک سال سوا سال کی بچی یوسف کے پلنگ پر بیٹھی بوٹی کھانے میں مشغول ہے۔ سب بڑی دبی دبی آوازوں میں باتیں کرتے ہیں۔ کھڑکی میں نیون سائین جلتا ہے۔)

نونی: (آہستہ) اگر نصیر کو پتہ چل گیا تو وہ انکل سے ملنے نہیں دے گا۔

ارشاد: میں نے تو کہا تھا کہ غسل خانے میں چل کر چھپ جاؤ۔

جمیل: بالکونی میں چلے جاتے ہیں۔

نونی: مجھے ڈر لگتا ہے نیچے سڑک کو دیکھ کر۔

ارشاد: آج انکل سے شکایت کریں گے نصیر کے بچے کی۔

نونی: پھر تو وہ تمہیں اس گھر سے بھی نکلوا دے گا۔

(اب نصیر اندر آتا ہے۔ اس کے بازوؤں میں دھوبی کے کپڑے کی دھلائی ہے۔ یہ کپڑے اتنے زیادہ ہیں کہ اس کے چہرے تک آئے ہوئے ہیں اس طرح اسے بچے نظر نہیں آتے ہیں۔)

نصیر: (گاتے ہوئے) سن وے بلوری اکھ والیا
اساں دل تیرے نال لا لیا۔
تیری مہربانی، میرے ہانی، میرا بن جا---- سن وے بلوری----

(اب وہ کپڑے میز پر رکھ کر سیدھا آئینے کی طرف جاتا ہے

اور پھر گاتا ہے۔ آئینے میں تینوں بچے نظر آتے ہیں۔ یکدم جیسے اسے غصہ چڑھ جاتا ہے۔)

نصیر: کیا کہا تھا بے ارشاد میں نے تجھ سے۔

ارشاد: میں تو ابھی آیا ہوں۔

نصیر: تو کیوں آئی ہے نونی---- اور تو جمیل۔

جمیل: میں تو ایک سوال پوچھنے آیا تھا انکل یوسف سے۔

نصیر: ہاں وہ تیرا ماسٹر ہے پچاس روپے ٹیوشن لینے والا۔ تجھ سے جو میں نے کہا تھا نونی کہ اب شام کو تجھے نہیں آنا یہاں۔

نونی: میں تھوڑی آئی ہوں میرا ربن رہ گیا تھا یہاں۔

نصیر: کچھ نہ کچھ چھوڑ جایا کر یہاں ہر پھیرے میں۔ اور یہ صومی کو کون لایا ہے اور لاتے ہی بٹھا دیا اسے سیٹھ صاحب کے پلنگ پر۔ کر دے پلید---- تیرے باپ کا پلنگ ہے ناں۔

(چھوٹی بچی کو اتار کر فرش پر بٹھا دیتا ہے۔)

جمیل: ہم نے اسے نہیں بٹھایا خود چڑھ گئی تھی یہ۔

نصیر: دو چار محلے کے اور لفنگے بچے ساتھ ملا لو اور ٹولی بنا کر مانگتے پھرو گلی کوچوں میں۔ بہت پیسہ ہو جائے گا دنوں میں۔ اور اس ماسی مکاراں کو لیڈر بنا لینا اپنا۔

ارشاد: ہم کیوں مانگیں خدانخواستہ۔

نصیر: اور وہ کیا ہوتا ہے ہر شام---- انکل ہمیں ٹافی لا دو۔ انکل ہمیں Cones کھلانے لے چلو---- انکل ہمیں ایک نیا کھلونا خرید دو بہت مہنگا ہے ممی لے کر نہیں دیتیں۔ وہ کیا ہوتا ہے ہر شام۔ ریشم کا کیڑا اور انسان کا بچہ دونوں تباہی ہیں، تباہی۔ چلو نکلو یہاں سے۔

نونی: نصیر ہم صرف انکل سے مل کر چلے جائیں گے۔

ارشاد: دو منٹ کے لئے۔

نصیر: وہ تو اگر میں نہ ہوتا تو اس گھر میں بادشاہت ہی تمہاری ہو جاتی۔ چل نونی باہر ہو چل کر۔

نونی: نصیر پلیز ہم آدھے گھنٹے میں چلے جائیں گے انکل کو دیکھ کر۔

نصیر: کوئی تیرے ڈیڈی کی طرح ساڑھے سات سے لے کر ڈیڑھ بجے تک کھیاں

نہیں مارتے آفس میں۔ بہت بڑا کارخانہ ہے صاحب کا۔ تو سمجھتی ہے تجھ سے پیار محبت کی باتیں کرتے ہیں تو معمولی آدمی ہیں۔ چل باہر چل۔ وہ تھوڑی دیر آرام کرلیں گے تو میں بلاؤں گا تجھے---- جا اب، آجاتے ہیں وہاں سے انکل انکل بنانے والے۔

نونی: پلیز نصیر----

نصیر: ادھر کارخانے سے تھکے ہارے آتے ہیں تو تم سب چور ٹکڑ جاتے ہو انہیں۔ دیکھ کیا رہا ہے ارشاد کے بچے چل نکل۔

جمیل: میں اپنے ڈیڈی کو بتادوں گا----

(تینوں بچے بادل نخواستہ دروازے کی طرف بڑھتے ہیں۔)

نصیر: بتادے بتادے تیرے ڈیڈے سے تو گلی کا کتا بھی نہیں ڈرتا۔ نصیر کیا ڈرے گا، نکل ارشاد۔ تو پھر کھڑی ہے۔

ارشاد: نصیر بھائی۔

نصیر: نصیر بھائی! خوشامدی بٹیرے لے جا اس اپنی بندریا کو بھی ساتھ۔ اس کو کیوں چھوڑ چلا ہے۔ رونے لگتی ہے، تو فرمائشی پروگرام کی طرح بند ہی نہیں ہوتی۔ لے جا اس لالی پاپ کی پیاری کو۔ بھیج دیتی ہے اسے تمہاری اماں۔ ہر منٹ کے بعد منہ تو اس کا مجھے ہی دھلانا پڑتا ہے ناں---- چلو نکلو۔

(سارے بچے آہستہ آہستہ باہر جاتے ہیں۔ جمیل چھوٹی صوی کو اٹھا کر لے جاتا ہے بعد میں نصیر کھٹاک سے دروازہ بند کرتا ہے گاتا ہے اور چادر ٹھیک کرتا ہے۔)

نصیر: سن وے بلوری اکھ والیا--- اساں دل تیرے نال لالیا

(اب نصیر ڈریسنگ ٹیبل کے آگے جاکر آفٹر شیو لوشن اپنے چہرے پر لگاتا ہے۔ ساتھ ساتھ اپنا جائزہ آئینے میں لیتا ہے تھوڑا سا ناچتا ہے۔ اب باہر سے نونی وغیرہ کی آوازیں آتی ہیں۔ نصیر یکدم Alert ہوجاتا ہے دروازہ کھلتا ہے یوسف چاروں بچوں سمیت داخل ہوتا ہے اس کی گود میں چھوٹی صوی ہے چاروں بچے باتیں کرتے آتے ہیں۔)

یوسف: میں گھر پر نہیں تھا تو تم لوگ انتظار کرلیتے میرا۔

نصیر: سلام علیکم سرجی۔ یہ لوگ رکتے ہی نہیں تھے۔ میں نے تو کہا بھی ٹیپ ریکارڈ لگا دیتا ہوں۔

نونی: کب کہا تھا تم نے؟

نصیر: کہا نہیں تھا جب تم صوی سے ٹافی چھین رہی تھیں۔

ارشاد: یہ جھوٹ بولتا ہے انکل۔

یوسف: اپنے سے بڑے کو اس طرح نہیں کہا کرتے ارشاد بیٹا۔

نصیر: (جھوٹ موٹ روتے ہوئے) دیکھ لیجئے جی ان کی میں کیسی کیسی خدمتیں کرتا ہوں۔ پورا دو پونڈ کا تو یہ جیم کھا گئے۔ Honey کی بوتل ختم کردی۔ Corn Flakes سارے ہضم کرگئے۔ ساتھ میں آپ کی نظروں میں چور بنوں ساتھ یہ مجھے جھوٹا کہیں۔

یوسف: (جیب سے ایک پلاسٹک کا غبارہ نکالتا ہے۔) ناں بھئی نصیر بھائی تو اپنا آدمی ہے پرانا۔ اسے کچھ نہیں کہتے۔ یہ دیکھو ہم کیا لائے ہیں۔ سب کے لئے۔

نونی: میرے لئے پنسلوں کا ڈبہ نہیں لائے انکل۔

یوسف: (نکال کر دیتا ہے) لائے ہیں لائے کیوں نہیں۔

(جس وقت یوسف سب کو چیزیں دیتا ہے نصیر بیزاری کے عالم میں حسد کے ساتھ سبز ہوا جاتا ہے

جمیل: میرا پینٹ بکس؟

یوسف: وہ بھی آیا ہے۔

ارشاد: اور انکل میرے لئے؟

یوسف: تمہارے لئے یہ باجا---- اس میں ذرا ہوا بھرو نصیر----

(چھوٹی بچی صوی یوسف کی گود میں ہے۔ اسے یوسف لالی پاپ دیتا ہے۔ نصیر بڑے بال میں ہوا بھرتا ہے یوسف ٹیپ ریکارڈ لگاتا ہے اور بال کو اوپر ہوا میں اچھالتا ہے۔ بچے اسے ہاتھوں سے مارتے ہیں---- بڑی تیز موسیقی جاری ہوتی ہے۔ یوسف اپنے ہاتھ میں صوی کا ہاتھ پکڑ کر بال کو ہٹ کرتا ہے۔ نصیر خاموش سا ہو کر تاش کے پتے پھینٹتا ہے۔ یکدم اس پر تار کی گٹ گٹ غالب آجاتی ہے۔ یوسف جلدی سے جاکر ٹیپ بند کردیتا ہے۔)

یوسف: تمہیں آواز آئی نونی۔

نونی: آئی ہے انکل۔

نصیر: (نقل اتارتے ہوئے لیکن قریباً زیر لب) آئی ہے انکل۔

یوسف: یہ---- تم---- ارشاد تمہیں؟

ارشاد: یہ ٹیپ ریکارڈ کو کیا ہوا انکل گٹ گٹ کی آواز کیوں آنے لگی ہے اس میں سے؟

جمیل: انکل یہ ٹیپ ریکارڈ خراب ہوگیا ہے آپ کا۔ آپ میرے ڈیڈی جیسا خریدیں۔

(آواز اونچی ہوجاتی ہے۔)

نصیر: (نقل اتارتے ہوئے)میرے ڈیڈی جیسا---- اونہہ۔

یوسف: سن رہے ہو نصیر---- یہ کیسی آواز ہے؟

نصیر: کیسی آواز سرجی۔

یوسف: یوں لگتا ہے۔ سنو---- سنو کوئی تار دے رہا ہے----
تار گھر کی آواز آرہی ہے۔ پہلے تو یہ آواز کبھی نہیں آئی۔
یہ گٹ گٹ گرر گرر۔

نصیر: کیسی آواز سر---- کیسی آواز؟

یوسف: غور سے سنو---- ادھر ہوا میں جیسے---- سگنل ہو رہا ہے کوئی مجھے بلا رہا ہے۔
سنو نصیر تار گھر سے اطلاع آرہی ہے۔ غور سے پوری توجہ سے سنو۔

(یوسف آواز کی طرف اس درجہ متوجہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ نصیر پر رکھتا ہے یکدم نصیر کا چہرہ بدلتا ہے اور اسے بھی جیسے آواز آنے لگتی ہے وہ چہرہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھتا ہے۔)

کٹ

سین 4

ان ڈور

دن

(یوسف اپنے دفتر میں بیٹھا ہے فون کی گھنٹی بجتی ہے۔
فون اٹھاتا ہے۔
پی اے اندر آتا ہے۔)

یوسف: ہوں---- ٹھیک یہ نصیر کیوں آیا ہے؟ کیا؟ اچھا بھیج دو۔

پی اے: جناب، میسرز ایور لائٹ کا منیجر آیا ہے۔

یوسف: ابھی بلاتا ہوں ایک منٹ۔

پی اے: اچھا سر۔

(پی اے چلا جاتا ہے)

(اب نصیر آتا ہے اس کے ساتھ ایک بابو قسم کا آدمی ہے
محمد علی سلام کرتا ہے۔)

نصیر: سرجی---- میں اسے لایا ہوں۔ سلام کر۔ بھئی، اس کا نام محمد علی ہے۔

یوسف: اس کی نوکری کے لئے تم کہتے تھے نصیر؟

نصیر: جی نہیں۔ اسے میں نوکری کے لئے نہیں لایا۔ بھائی محمد علی بات یہ ہے کہ کبھی کبھی جہاں صاحب موجود ہوں وہاں سے ٹیلی گرام کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔

یوسف: اچھا اچھا یہ تار گھر سے آئے ہیں---- بیٹھو بیٹھو---- محمد علی صاحب کبھی کبھی اچانک مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہوا میں کوئی سگنل آرہا ہے۔ چونکہ میں اسے نہیں سمجھ سکتا اس لئے مجھے بہت الجھن ہوتی ہے۔

نصیر: میں نے اسے بتایا ہے سرجی۔

محمد علی: کسی خاص وقت، کسی مقررہ وقت پر یہ سگنل آتا ہے جناب؟

یوسف: نہیں اس کا کوئی خاص وقت تو مقرر نہیں ہے لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ صبح کے وقت اور شام کے وقت جب بچے میرے پاس ہوں تو---- یہ آواز ضرور آتی ہے تم اسے گھر کیوں نہیں لائے نصیر----

نصیر: وہاں کیا فائدہ سرجی۔ وہاں تو بچوں کی پلٹن بات ہی کرنے نہیں دیتی۔

یوسف: یوں لگتا ہے جیسے ہوا میں سے میرے لئے کوئی پیام آرہا ہے۔ جیسے کوئی روح

مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن میں کچھ سمجھ نہیں پاتا۔ میری آرزو ہے کہ تم چند دن کی چھٹی لے کر میرے پاس رہو۔ میں تمہیں خدمت کا اچھا معاوضہ دوں گا۔

نصیر: فسٹ کلاس جگہ ہے محمد علی۔

محمد: بات یہ ہے کہ جی میری چھٹی Due نہیں ہے اس سال کی۔

یوسف: اگر تم مان جاؤ تو ہم تمہارے صاحب کو فون کر کے سب طے کرلیں گے۔

محمد: وہ آپ کی مرضی ہے سر۔

یوسف: تمہیں کچھ دن کے لئے میرے ساتھ رہنا ہوگا کون جانے ابھی آواز آنے لگے۔ کون جانے دو چار گھنٹے لگ جائیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو۔

نصیر: غریب آدمی ہے جناب۔

(اب یوسف نمبر ملاتا ہے یکدم آواز آنے لگتی ہے۔)

یوسف: سنو--- سنو نصیر پھر آواز آئی--- سنو محمد علی صاحب آواز آرہی ہے۔ دیکھو گڈ گڈ گڈ--- صاف--- تار گھر کا سگنل ہے۔ سنو نصیر۔

نصیر: مجھے تو آواز نہیں آرہی سر۔

یوسف: تم غور سے سنو توجہ سے پلیز کان لگاؤ۔ آواز آرہی ہے آواز آرہی ہے اب ڈوب گئی--- اب پھر اونچی ہوئی۔

(محمد علی اور نصیر کو آواز نہیں آرہی وہ خالی خالی بیٹھے ہیں منظر ڈوبتا ہے۔)

کٹ

سین 5

ان ڈور

شام

(کمرے میں نصیر اور محمد علی کے سوائے کوئی نہیں ہے۔ محمد علی ایک غریب سا ملازم پیشہ آدمی ہے۔ وہ چپ چاپ بیٹھا ہے۔ نصیر کھانے کے کمرے کی میز پر سے جیم کی بوتل اٹھا کر چمچ سے کھاتا ہے۔)

نصیر: کھالے یار امرودوں کی جیلی ہے بڑا عمدہ مزہ ہے۔

محمد: بس--- مہربانی۔

نصیر: مرے کیوں جا رہے ہو۔ کارن فلیک کھاؤ شہد اڑاؤ جان بناؤ۔

محمد: اچھے کام پر لائے ہو تم مجھے ایک ایسا سگنل جو سنائی نہیں دیتا۔ اسے میں کیسے Interpret کرسکتا ہوں۔

نصیر: نہ کرو، اعلیٰ کوارٹر پنکھے والا، شاور والا غسلخانہ، اچھا پہننے کو اچھا کھانے کو فلم دیکھنے کو Extra Money اتنے مزے و یار میں نے اس وقت بھی نہیں کئے جب میں گیٹ کیپر تھا زمرو ٹاکیز میں۔

محمد: مجھے تو تم چھٹی لے دو اپنے صاحب سے۔

نصیر: گدھے کو فون دیا اس نے کہا میری آنکھیں دکھتی ہیں۔

محمد: میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں بیکاری کی زندگی بسر نہیں کرسکتا۔

نصیر: یہ بیکاری ہے ڈبل تنخواہ لوگے اور کیا چاہئے تمہیں۔

محمد: دیکھو میں تو جا رہا ہوں۔ تمہارے صاحب آئیں تو میرا سلام کہنا میں کب تک سگنلوں کا انتظار کرتا رہوں بیٹھا۔

(چلنے کے لئے اٹھتا ہے اس وقت یوسف بھاگتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی سگنل کی آواز آنے لگتی ہے۔)

یوسف: سنو محمد علی کتنی صاف آواز ہے میں دفتر سے گاڑی واپس لا رہا ہوں سنو خدا کے لئے توجہ دو سنو--- ضرور کوشش کرو۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ یہ آواز ضرور مجھے دیوانہ کردے گی۔ غور کرو۔ غور۔

(اس وقت وہ محمد علی کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ جس وقت ہاتھ محمد علی کے کندھے پر رکھتا ہے۔ محمد علی مجسم توجہ بن جاتا ہے اب اسے آواز سنائی پڑتی ہے۔ محمد علی یکدم

بھڑک کر کہتا ہے۔)

یوسف: سنو---- سنو---- سگنل آرہا ہے---- سنو---- غور سے توجہ سے۔

محمد: کاغذ پنسل---- پن---- کاغذ کچھ دو مجھے کوئی چیز کاغذ پنسل----

(نصیر بھاگ کر اسے کاغذ پنسل دیتا ہے محمد علی سنتا ہے اور لکھتا ہے۔)

محمد:

Reach airport, Bring car. Important. Very Important Report Bring your own car.

(اس وقت آواز بند ہو جاتی ہے۔)

نصیر: کیا کہا---- کیا مطلب ہوا اس تار کا۔

محمد: ہوائی اڈے پر پہنچو---- کار ساتھ لاؤ---- بہت ضروری---- اپنی کار ساتھ لاؤ---- لیکن یہ سگنل آ کہاں سے رہا ہے۔

یوسف: ایسا ہی تار سات اکتوبر 68ء کو بھی آیا تھا۔ میمونہ نے بالکل یہی تار دیا تھا بالکل یہی۔ ایئرپورٹ پر پہنچو---- کار ساتھ ہو یہ ضروری ہے---- یہ ضروری ہے---- یہ ضروری ہے۔

کٹ

سین 6

ان ڈور

دن

(اب ہم ایئرپورٹ پر پہنچتے ہیں۔ یوسف کی گاڑی پورچ میں آکر رکتی ہے یوسف اترتا ہے۔ اسے ہم جلدی جلدی اندر کی طرف جاتے دکھاتے ہیں۔ وہ کاؤنٹر پر جاتا ہے اور پوچھتا ہے اب

یوسف کو اضطراب کی کیفیت میں ایئرپورٹ کے مختلف مقامات پر آتا جاتا دکھاتے ہیں۔ پھر وہ باہر کی ریلنگ پر جاکر کھڑا ہوتا ہے۔ ایک ہوائی جہاز اترتا ہے۔ سواریاں سیڑھیوں پر اترتی ہیں۔ یوسف غور سے دیکھتا ہے۔ اب پیچھے سے ایک آدمی اس سے بغلگیر ہوتا ہے۔)

یوسف: کراچی کی فلائٹ سے کون کون سی سواریاں آرہی ہیں ابھی۔

انکوائری: ابھی لسٹ نہیں آئی سر۔

انور: اچھا آدمی ہے بھئی وہ بیچاری صبح کی فلائٹ سے آئی اور تو اسے Receive کرنے اس وقت آرہا ہے شاباش۔ صرف بزنس کرنا ہی سیکھا ہے بیوی کا دل رکھنا نہیں سیکھا۔

یوسف: بیوی---؟ صبح کی فلائٹ سے۔

انور: (آنکھ مار کر) پھر کسی اور دلبر کو Receive کرنے آئے ہو۔

یوسف: کسی اور دلبر کو---- انور کیا کہہ رہے ہو تم صبح کی فلائٹ پر---- تمہیں دھوکہ ہوا ہے۔

انور: بھابھی میمونہ اور سرفراز اترے تھے صبح کی فلائٹ سے میں ان کے ساتھ آیا ہوں۔ دوسری فلائٹ سے راولپنڈی جارہا ہوں۔

یوسف: لیکن وہ تو---- وہ دونوں تو Air Crash میں۔ ختم ہو چکے تھے۔

انور: یہی تو بھابھی کہہ رہی تھیں کہ اب وہ جائیں کہاں ممباسہ سے نیروبی پہنچے کئی مہینوں میں جنگل جھلس عبور کر کے ہوائی جہاز Crash ہوگیا تھا پر ان کی جانیں بچ گئی تھیں۔ بیچاری بہت پریشان تھیں۔ تم کو اطلاع تھی تو یار صبح ہی آجاتے خدا کے بندے۔

یوسف: یہ تم کس میمونہ اور سرفراز کی باتیں کر رہے ہو۔ (انور ہنستا ہے) تو اب وہ دونوں کہاں گئے ہیں۔ میں کہاں تلاش کروں انہیں؟

انور: بھابھی ذکر کر رہی تھیں کہ کسی ہوٹل میں قیام کریں گے۔ انہیں تو شاید علم نہیں ہے کہ تم یہاں ہو۔

یوسف: تم انہیں میرے پاس لے آتے۔

انور: اور مجھے کیا معلوم ہے کہ جناب ان دنوں یہاں رہتے ہیں، میں نے کہا تھا ان

سے کہ ہے تو پاکستان میں لیکن معلوم نہیں آج کل کہاں ہے- سلہٹ سے کب آئے-

یوسف: وہاں سے آئے ہوئے تو مجھے دو سال ہوگئے- اچھا--- اچھا کوئی نہیں میں انہیں تلاش کرلوں گا-

(چلنے لگتا ہے)

انور: میں نے انہیں خود ٹیکسی لے کر دی تھی- وہ مال کے کسی ہوٹل میں ٹھہری ہوں گی یوسف-

یوسف: اس شہر کی ہر گلی ہر مکان ہر عمارت کو قسم ہے میری بیوی بچہ مجھے لوٹا دے یا میرے اللہ- مجھے کیوں تو ادھ کھلی آنکھوں سے خواب دکھلا رہا ہے- یہ کس گناہ کی سزا ہے؟ کیا کیا ہے میں نے؟ کیا کیا ہے میں نے؟

(وہ جلدی جلدی باہر نکلتا ہے- L Shot میں اسے باہر جاتے ہوئے دکھاتے ہیں-)

کٹ

سین 7

ان ڈور

صبح

(یوسف کھانے کے کمرے کی میز پر اکیلا بیٹھا ہے سامنے ناشتے کا سامان لگا ہے- یوسف گلے میں سرویٹ لگا کر اس وقت کارن فلیک کھا رہا ہے نصیر خوشی سے داخل ہوتا ہے-)

نصیر: سر یہ تصویر چھپی ہے آپ کی رسالے میں دیکھئے جناب-

(اب کیمرہ رسالہ نمائش کا C.W. دکھاتا ہے اس پر یوسف کی تصویر چھپی ہے-)

نصیر: اندر مضمون بھی چھپا ہے سرجی- میں جب ریلوے میں ملازم تھا تو وہاں کے افسر کی تصویر چھپی تھی سرجی- اخبار میں انہوں نے سارے ریلوے سٹیشن کی ٹی پارٹی کی تھی جناب بمع قلیوں کے- یہ دیکھئے مضمون بھی چھپا ہے آپ کا-

یوسف: کیا لکھا ہے مضمون میں-

نصیر: (پڑھتے ہوئے) یوسف دامانی صاحب کے دل و دماغ پر شدت غم کی وجہ سے دیوانگی کا دورہ----

یوسف: کیا مطلب؟

نصیر: یہ سرخی ہے جی مضمون کی-

یوسف: کیا؟

نصیر: (پڑھتے ہوئے) ہم یوسف دامانی صاحب کے عالیشان کارخانے میں جہاں قالین بنتے ہیں اور کافی دور تک جوٹ کی بو آتی ہے- داخل ہوئے تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جناب دامانی صاحب کا دل اس قدر غم آشنا ہے-

یوسف: (آہستہ) واقعی میرا دل غم آشنا ہے-

نصیر: جب وہ اپنی مرحوم بیوی کی باتیں کرنے لگے تو ان پر ایسی مجنونانہ کیفیت طاری ہوگئی کہ انہیں فضاء سے اس تار کی آوازیں آنے لگیں- جو تار سات اکتوبر 68ء کو انہیں دیا گیا تھا- گو ہمیں اس سگنل کی آواز نہ آسکی لیکن سیٹھ دامانی کی شکل سے واضح تھا کہ وہ ماضی کی طرف لوٹ چکے ہیں- (یکدم) گولی ماریں جی آپ ان رسالے والوں کو- ان کے سینے میں دل ہی نہیں ہوتا- آپ اخبار پڑھیں سرجی-

(یوسف یکدم بڑے تھکے ہوئے انداز میں اپنا سر کرسی کی پشت سے لگا دیتا ہے-)

(رسالہ پرے پھینک دیتا ہے-)

یوسف: (بغیر اخبار کھولے) کل کا سارا دن سرفراز اور میمونہ کو ڈھونڈنے میں لگا- آدمی جب تک اپنے عزیز کی لاش اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے ایک امید سی بندھی رہتی ہے- میں بھی کیسا احمق ہوں کہ گزر جانے والوں کو تلاش کرتا رہا- اور انور بھی کیسا وہمی آدمی ہے کہ ہوائی جہاز میں کسی عورت کو میری بیوی سمجھتا رہا- لیکن شاید--- نصیرالدین یہ دھوکا ہو واہمہ نہ ہو----

نصیر: آپ اخبار میں اشتہار دیں سر جی۔ تھانے میں رپورٹ کریں---- ریڈیو پر کہلوائیں آپ کو سیٹھانی جی ضرور مل جائیں گی اخبار پڑھیں جی آپ غم نہ کریں۔ بس ایک دفعہ ریڈیو پر اعلان کرا دیں۔ کیا بات ہے سر جی--- کیا بات ہے----

(یوسف اخبار پڑھنے لگتا ہے اخبار کے صفحے پر نیچے کی طرف میمونہ اور سرفراز کی تصویر لگی ہے۔)

(یوسف اب مکمل غم کی تصویر بن چکا ہے۔)

یوسف: کچھ نہیں نصیر میں گاڑی وقت پر نہیں لے جا سکا۔

نصیر: کیسی گاڑی سر جی۔ کس وقت۔

(خبر پڑھتا ہے)

یوسف: سیٹھانی یوسف دامانی اور سرفراز ایئرپورٹ سے ٹیکسی میں روانہ ہوئے ابھی ان کی ٹیکسی پل کے پار ہی ہوئی تھی کہ ٹائی راڈ کھل جانے سے گاڑی ایک پیپل کے درخت سے جا ٹکرائی مسز یوسف دامانی اور سرفراز موقع پر ہی ہلاک ہوگئے۔ ٹیکسی ڈرائیور ہسپتال میں ہے اور اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔

(اس وقت تھوڑا سا دروازہ کھول کر نونی ارشد، جمیل اور عاصی جھانکتے ہیں۔)

نونی: انکل ہم آ جائیں اندر۔

یوسف: ان سب سے کہو اس وقت چلے جائیں---- میں کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔ میں نے---- یہ بچے کیوں چلے آتے ہیں ہر وقت، کیا چاہئے انہیں سمجھے؟ کس کے بچے ہیں یہ----

جمیل: انکل۔

نونی: ہم آپ کے لئے پھول لائے ہیں۔

(یوسف اپنا سر اخبار پر رکھ کر آہستہ آہستہ سسکیاں لیتا ہے نصیر جاتا ہے۔ دروازہ کھولتا ہے اور پھول نونی سے پکڑتا ہے۔ آہستہ آہستہ نصیر انہیں سمجھاتا ہے۔)

نصیر: تم لوگ یہاں سے نہ جانا۔ تمہارے انکل کی طبیعت خراب ہے جب وہ سر اٹھائیں ان سے لپٹ جانا دیکھو اپنے انکل کو ایک منٹ کے لئے اکیلا نہیں

چھوڑنا ورنہ میں جان سے مار دوں گا۔ تم سب کو خاص کر تجھے نونی ہر وقت ساتھ رہنا انکل کے کارخانے گھر ہر جگہ۔ کبھی نہیں چھوڑنا اپنے انکل کو----

(پھول پکڑ کر لاتا ہے کیمرہ اخبار کی تصویر دکھاتا ہے۔ سیٹھانی اور سرفراز کی تصویر ہے۔ نصیر یہ پھول اس تصویر پر رکھتا ہے پھر پشت کی جانب جا کر یوسف کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ بچے سہمے ہوئے دروازے کے پاس کھڑے ہیں۔)

کٹ

ایسی بلندی ایسی پستی

کردار:

- قریشی
- صدر مشاعرہ
- منیم
- پروڈیوسر
- جبیں
- ماسٹر سلیمی
- عقیلہ
- غیاث
- جبیں
- بابا
- اشرف

سین 1

ان ڈور

دن

(شاہدرہ کے قریب گلشن کالونی قسم کی جگہ میں ایک دو منزلہ مکان کا نچلا برآمدہ، یہ برآمدہ اندرونی صحن سے ملحق ہے جیسا کہ پرانی حویلیوں میں ہوا کرتا تھا۔ اس طرح صحن کا کچھ حصہ اور برآمدہ نظر آتے ہیں۔ منظر میں قریشی صاحب جو مالک مکان ہیں ہاتھوں میں چابیوں کا گچھا لئے کھڑے ہیں منیم جی ایک ٹین کی بکسی اٹھائے کھڑے ہیں برآمدے میں کچھ ٹوٹا سامان پڑا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں اور کچھ نہیں مالک مکان ایک مونڈھے پر سے رومال کے ساتھ مٹی جھاڑ کر بیٹھتا ہے اور منیم جی بالآخر اپنے ہی بکس نما ٹرنک پر بیٹھ جاتا ہے۔ اس وقت جبیں صراحی اور ایک سوٹ کیس اٹھائے اندر آتی ہے۔)

قریشی: سارے کمرے کھول دوں گا منیم جی آپ فکر نہ کریں۔

منیم: نہ جی۔ ایک میرا بوڑھا دم ایک جبیں، ہمیں کتنے کمرے چاہئیں دو نہ سہی چار سہی۔

قریشی: تین کمرے تو کوٹھے پر ہیں چھ نیچے ہیں۔

منیم: بیٹے سب کچھ نکال لیا تھا تانگے میں سے؟

جبیں: جی ابا۔ تانگے کا نمبر بھی میں نے نوٹ کرلیا ہے۔

منیم: ہے نا پگلی۔ ہمارا کون سا قیمتی سامان تھا۔ کہ تو نمبر نوٹ کرتی رہی اتنی دیر۔

قریشی: جس وقت مجھے کریم صاحب کا خط ملا اوکاڑے سے میں نے ارادہ کرلیا کہ آپ کو مکان دے دوں گا۔

منیم: قریشی صاحب (ہچکچا کر)

قریشی: جناب۔

نیم: بات یہ ہے کہ---- جبیں تو ذرا گھوم پھر کر مکان دیکھ لے تیری پسند ہو تو رہیں اس میں-

جبیں: کوٹھے کو یہ سامنے سے سیڑھیاں جاتی ہیں قریشی صاحب؟

قریشی: ہاں بیٹی سات سیڑھیوں کے بعد نیم چھتی آتی ہے سیدھی چلی جاؤ گی تو کوٹھے پر جانکلو گی- (جبیں جاتی ہے)

نیم: آپ جانتے ہیں اب مجھ جیسے نیم کے لئے رزق کا کال ہوگیا ہے- اس لئے لاہور آنا پڑا-

قریشی: فکر نہ کریں کسی دکان پر کسی جگہ اکبری منڈی میں کام مل جائے گا حساب کتاب کا-

نیم: کام تو انشاء اللہ مل ہی جائے گا- میں' میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کا مکان بہت بڑا ہے اور میں---- میں کرایہ نہیں دے سکتا فی الحال- (قریشی کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھ کر)

قریشی: لیجئے- کرایہ کون مانگ رہا ہے آڑھتی کریم دین سے پرانا بھائی چارہ ہے- آپ کا روزگار لگ جائے گا تو کرایہ بھی دیکھا جائے گا-

جبیں: (واپس آکر) ابا جی- اوپر والے کمرے میں' میں رہوں گی- رنگین شیشے لگے ہیں کھڑکیوں میں- وہاں سے جہانگیر کا مقبرہ بھی نظر آتا ہے-

قریشی: (چابیاں دیتے ہوئے) لیجئے نیم جی یہ چابیاں اوپر والے دو کمرے میرے سامان سے بند ہیں ان کے سوائے سارا گھر آپ کے لئے حاضر ہے اور کوئی چیز-

نیم: جی نہیں شکریہ آپ نے پہلے ہی بہت تکلیف کی ہے-

قریشی: کوئی روٹی پانی؟

نیم: ہم انتظام کرلیں گے جی-

قریشی: ساتھ ہی گجر رہتے ہیں- فسٹ کلاس دودھ ملے گا- سبزی والا ریڑے پر گزرتا ہے موڑ پر کھوکھا ہے کوئی تکلیف نہیں ہوگی- انشاء اللہ دس دس منٹ میں بس چلتی ہے داتا کے دربار کی-

جبیں: ابا جی اوپر دیکھیں ذرا-

نیم: کیا ہے؟

جبیں: وہ ممٹی پر چیل کیسی بیٹھی ہے-

قریشی: گرمی کا موسم ہے بیٹی چیلیں بیٹھا ہی کرتی ہیں-

جبیں: میں نے کوٹھے پر سے اسے اڑایا تھا ابا جی- شہ نشین پر کوئلے پڑے تھے وہ بھی مارے تھے مگر یہ میم صاحب ٹس سے مس نہیں ہوئی-

قریشی: نیم جی میں تو چلتا ہوں کل میرے بیٹے کا عقیقہ ہے کچھ انتظام شنتظام کروں گا چل کر- خدا حافظ-

جبیں، نیم: (بیک وقت) بہت بہت شکریہ جی- سلام علیکم- شکریہ آپ کا- خدا حافظ

جبیں: ابا جی- اندر چل کر دیکھیں کیسا خوبصورت مکان ہے- میں نہ کہتی تھی ہماری قسمت اتنی خراب نہیں ہوسکتی اب تو مان جائیے- جس اللہ نے مکان کا انتظام کیا وہ نوکری کا بھی کردے گا-

نیم: کچھ شہر سے دور ہے جبیں-

جبیں: پر آپ چل کر دیکھیں تو سہی کیسے کیسے ڈیزائن بنوائے ہیں قریشی صاحب نے چھتوں پر-

نیم: تو چل میں ذرا دو سجدے ادا کرلوں اپنے مالک کے سامنے-

جبیں: (دو قدم چل کر) ابا جی-

نیم: (بکسی میں سے تولیہ نکالتے ہوئے) کیا ہے جبیں؟

جبیں: ابا جی- اتنا بڑا مکان لاہور جیسا مہنگا شہر- ذرا سوچئے ابا جی سوچئے بالکل مفتا مفت- کبھی سنا ہے کسی نے؟ ہوا ہے ایسے کبھی اب بھی کہئے- خدا کسی کسی کی کبھی نہیں سنتا- دیکھ لیجئے-

(یہ کہہ کر جبیں چلی جاتی ہے-)

نیم: (کھانس کر سر پر تولیہ رکھتا ہے-)

کٹ

سین 2

ان ڈور

کچھ دیر بعد

اب ہم جبیں کے ساتھ کوٹھے کے اس کمرے میں آتے ہیں جہاں رنگین شیشوں والی کھڑکیاں ہیں۔ لمبی لمبی الماریاں ہیں جن کے سامنے بڑے بڑے شیشے جڑے ہیں اس کے علاوہ کمرے میں اور کوئی آرائشی چیز نہیں ہے ایک خالی چارپائی بچھی ہے جس پر کوئی بستر وغیرہ نہیں ایک طرف ایک ترچھا سا ڈریسنگ ٹیبل پڑا ہے۔

جبیں اندر گھستی ہے چھینک مارتی ہے پر کھڑکی کی طرف بڑھتی ہے اور کھڑکی کھول دیتی ہے۔ دور ایک ٹیلی ویژن کا انٹینا نظر آتا ہے۔ جس سے اسٹبلش ہوتا ہے کہ چھت ہے۔ اب آہستہ آہستہ تانپورہ بجنے لگتا ہے جبیں واپس آکر چارپائی کو اپنے تن سے دوپٹہ اتار کر جھاڑتی ہے ادوائن والی سائیڈ پر سر رکھ کر جوتوں سمیت لیٹ جاتی ہے۔ آہستہ سے ایک پرسوز خوش الحان آواز میں غزل کا مطلع شروع ہوتا ہے جبیں سرہلا کر سننے کے انداز میں کہنی کے بل ہوتی ہے۔ آواز اونچی ہوتی ہے۔ جبیں اٹھتی ہے۔ کھڑکی کی طرف دیکھتی ہے پھر کھڑکی سے باہر کی طرف جھک کر جھانکتی ہے واپس کمرے میں لوٹتی ہے۔

اب آواز اور بھی اونچی ہوجاتی ہے۔ جبیں بھاگ کر جاتی ہے۔ آواز آتی رہتی ہے چند ثانیئے بعد جبیں قیم جی کو بازو سے پکڑ کر اندر لاتی ہے۔

غزل

ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مژہ پہ آن کے ٹک جم رہے رہے نہ رہے
رہیں وہ لوگ جو بزم جہاں کی زینت ہوں

ہمارا کیا ہے جہان ہم رہے رہے نہ رہے
نظیر۔ آج ہی چل کر بتوں سے مل لیجئے
پھر التفات کا عالم رہے رہے نہ رہے

جبیں: سنیں۔ ابا جی۔ سنیں۔

قیم: (منہ ہاتھ تولئے سے پونچھتے ہوئے) کیا بیٹا؟

جبیں: کتنی خوبصورت آواز ہے، رہے نہ رہے، سنیں ابا جی۔

قیم: کیسی آواز۔ کس کی آواز، کیا ہوا ہے تجھے؟

جبیں: کوئی غزل گا رہا ہے بڑی سوز بھری آواز ہے۔ غور سے سنیں۔

قیم: سات بار درود پڑھو۔ پھر گیارہ بار لاحول پڑھو۔ دوبارہ سورۃ والناس پڑھو۔ کوئی آواز شواز نہیں آئے گی۔ انشاء اللہ

جبیں: آپ سنیں تو سہی۔

قیم: تم نیچے ہی چلو جبیں۔ میرے ساتھ والا کمرہ بھی بہت بڑا ہے۔

جبیں: نہیں ابا جی یہاں بہت اچھی ہوا آتی ہے۔

قیم: اچھا تو پھر بیٹے آرام سے کوئی کتاب پڑھو بیٹھ کر۔

(باپ جاتا ہے اور جبیں اپنے بکس میں سے کتاب نکال کر لاتی چارپائی پر لیٹتی ہے کتاب کھولتی ہے غزل جاری رہتی ہے منظر فیڈ آؤٹ ہوجاتا ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 3

ان ڈور

صبح کا وقت

(جب دوبارہ منظر فیڈ ان ہوتا ہے تو ایک کبوتر کھڑکی کی طرف سے اڑ کر کمرے میں آتا ہے ساتھ ہی عقب سے آواز آتی ہے- ہمسائے کی لڑکی عقیلہ آواز دیتی ہے-)

عقیلہ : آپا--- بی بی جی--- باجی- کوئی ہے اندر- باجی؟

(اندر آکر عقیلہ سب طرف دیکھتی ہے وہ قدرے ڈری ہوئی ہے ہاتھوں میں ایک طشت ہے جس میں ایک طرف پلاؤ لگا ہے اور دوسری طرف زردہ- اوپر سرپوش سے یہ طشت ڈھکا ہے عقیلہ ادھر ادھر دیکھتی ہے اب جبیں اندر کی طرف سے گنگناتی داخل ہوتی ہے-)

عقیلہ : ہائے باجی، میں تو بڑی مشکل سے یہاں آئی ہوں کوٹھے پر آپ کیسے رہتی ہیں یہاں؟ اتنی پیاری ہیں آپ اور اتنا برا ہے یہ مکان-

جبیں : کیوں-

عقیلہ : اماں نے آج نیاز دی تھی- یہ آپ کا حصہ بھجوایا ہے- مجھے کہنے لگیں عقیلہ تم دے آؤ ساتھ والوں کو- میں کوئی آتی تھی اکیلی پر یہ بلو سیڑھیوں سے ہی بھاگ گیا-

جبیں : آپ کی مہربانی ہے شکریہ-

عقیلہ : میں تو آپ کی طرف روز آتی باجی- میرے بھیا نے کبوتر پال رکھے ہیں میں جب کوٹھے پر ان کے ساتھ آتی ہوں آپ کی چھت پر ضرور دیکھتی ہوں پر ڈر لگتا ہے آپ کی طرف آتے ہوئے-

جبیں : ڈر، کیسا ڈر-

عقیلہ : آسیب زدہ مکان ہے یہ باجی آپ کو نہیں پتہ-

جبیں : آسیب زدہ؟ ایسے آسیب زدہ مکان تو خدا سارے کرے گانے کی آوازیں آیا کرتی ہیں وقت بے وقت-

عقیلہ : گانے کی آوازیں؟ یہاں سے تو وہ چیخوں کی آوازیں آتی ہیں کہ نیند اڑ جاتی ہے محلے والوں کی- کبھی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ جاتے ہیں کبھی سارا گھر خود بخود بیاہ کے گھر کی طرح جگمگا اٹھتا ہے کبھی چاندنی رات میں بھی اس کا کوئی کونہ

روشن نہیں ہوتا-

جبیں : کس مکان کی باتیں کر رہی ہو عقیلہ-

عقیلہ : اس مکان کی جی- قریشی صاحب کا گھر ہے یہ- میں جانتی ہوں- پہلے وہ خود رہے یہاں پتھر پڑتے تھے گھر والوں پر پھر ایک ہیڈ مسٹرس نے کرائے پر مکان لیا اس کے ٹرنکوں کو آگ لگ گئی بیٹھے بٹھائے پھر اومنی بس کا ایک افسر آکر رہا- ایسا بخار اس کو چڑھا باجی، ایسا بخار، ہسپتال جا کر دم دے دیا بیچارے نے- آپ یہ گھر چھوڑ دیں جی بڑا منحوس ہے-

جبیں : لیکن عقیلہ-

عقیلہ : پکی جگہ ہے باجی- قریشی صاحب نے نہ بکرا قربان کیا نہ نعت میلاد نہ دم دارو- آپ خود بتائیں جی ٹھیک بات ہے یہ ڈر کے مارے ادھر کوئی آئے بھی سب جانتے ہیں- کوئی کرایے دار نہیں آئے گا- (نیچے سے آواز آتی ہے-)

نیم : جبیں--- جبیں بیٹے-

عقیلہ : باجی آپ نہ رہیں اس مکان میں، خدا قسم ہمارے پاس ہی ایک مکان خالی ہوا ہے ایک سو بیس روپے کرایہ ہے وہ لے لیں آپ-

(نیم اوپر آتا ہے اس کے ہاتھ میں ایک نان اور تین سیخ کبابوں کا پیکٹ ہے-)

نیم : یہ تجھے پتہ نہیں کوٹھے کا کمرہ کیوں پسند آگیا ہے اس قدر-

عقیلہ : اچھا جی میں چلتی ہوں اب-

جبیں : کچھ دیر بیٹھیں آپ-

عقیلہ : کئی گھروں میں ابھی نیاز دینے جانا ہے- سلام علیکم جی-

نیم : وعلیکم السلام- جیتی رہو-

(عقیلہ چلی جاتی ہے باپ لمبی سی آہ بھر کر خالی چارپائی پر بیٹھ جاتا ہے-)

عقیلہ : آپ بھی کبھی آئیں جی ہمارے گھر- کھجور کا درخت ہے ہمارے گھر کے آگے-

جبیں : نوکری ملی کوئی ابا-

نیم : میں سمجھتا تھا اوکاڑے کا خدا کوئی اور ہے لاہور شہر کا رازق کوئی اور ہے- یہاں

آ کر پتہ چلا کہ دونوں ایک ہیں نوکری اس کو دینا ہوتی تو وہیں دے دیتا۔ لے پکڑ۔

جبیں: یہ کیا ہے ابا۔

نیم: نان کباب۔ ایک نان ہے اور تین کباب ہیں تیرے لئے۔

جبیں: لیکن آپ کی جیب میں تو بس کے پیسے بھی نہ تھے۔ یہ، یہ کہاں سے خریدے آپ نے۔

نیم: بس سٹاپ پر مل گئے مجھے۔ بس یونہی۔

جبیں: نوکری آپ کو نہیں ملی۔ پیسے آپ کے پاس نہیں تھے۔ بتایئے ابا کس طرح انتظام کیا آپ نے ان نان کبابوں کا۔

نیم: (منہ پھیر کر) بھوک بہت لگ گئی تھی جبیں، پیروں پر جسم کا بوجھ اور پیٹ پر بھوک کا دباؤ بہت ہو گیا تھا میں نے ایک---- ایک شریف زادہ تھا بس سٹاپ پر۔ میں نے اس سے کہا بھائی مجھے دو نان اور چھ کباب خرید دو۔

جبیں: ابا۔

نیم: وہ کہنے لگا جا بابا معاف کر۔ دماغ نہ چاٹ میرا۔

جبیں: پھر---- پھر---- بھی۔

نیم: میں نے اس سے کہا۔ میں کوئی پیشہ ور فقیر نہیں ہوں۔ عادی گداگر نہیں ہوں۔ نیم ہوں، بہی کھاتے بھرتا ہوں لنڈے لکھتا ہوں اور ان دنوں اس فن کی بہت کساد بازاری ہے وہ کہنے لگا جا بابا اتنی لفاظی نہ کر سبھی یونہی کہتے ہیں پیسے تو میرے پاس نہیں تھے پر میں بس کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ چپ چاپ بینچ پر۔ چلا نہیں جاتا تھا مجھ سے دو قدم بھی۔

جبیں: تو نے بھیک مانگی ابا۔ توکل نہ کیا اپنے رب پر۔ راہ نہ دیکھی کہ وہ تیرے لئے کیا انتظام کرتا ہے۔ بڑا بے صبرا ہے تو ابا۔

نیم: تھوڑی دیر کے بعد اسے۔ اس شریف زادے کو مجھ پر خدا جانے کیوں رحم آ گیا اس نے مجھے نان کباب خرید دیئے جبیں۔ اپنے حصے کا نان تو میں نے وہیں کھا لیا---- (آہستہ) اگر نہ کھاتا تو شاید تجھ تک نہ پہنچتا۔ راہ میں ہی کہیں گر گیا ہوتا۔

جبیں: تیرے لئے تو اس نے رزق حلال بھیجا تھا ابا پر تو صرف سجدہ کرتا ہے اپنے اللہ

کو اس کو مانتا نہیں ہے دل سے۔ لے کھا لے۔

(جبیں سرپوش کھول کر پلاؤ زردے کا طشت باپ کی طرف بڑھاتی ہے۔)

(باپ شرمندہ ہو کر طشت ہاتھ میں لیتا ہے۔)

نیم: اور تو۔ تو کیا کھائے گی۔

(باپ طشت لے کر چلا جاتا ہے۔)

جبیں: میں یہ کھاؤں گی جو تو لایا ہے۔ ساری عمر مجھے یہ روٹی یاد رہے گی۔ اونچا اڑنے سے روکا کرے گا مجھے یہ واقعہ۔ اپنی اوقات یاد رہے گی مجھے یہ کھا کر۔

(جب باپ چلا جاتا ہے تو جبیں دو لقمے توڑتی ہے ساتھ ہی اس کے دو آنسو نکل آتے ہیں وہ نان کباب رکھ دیتی ہے اپنے بستر کی شکنیں دور کرتی ہے تکیہ سیٹ کرتی ہی آرام سے بستر پر بیٹھتی ہے۔ ادھر ادھر دیکھتی ہے اور پر بستر پر لیٹ جاتی ہے۔اس کے لیٹتے ہی کمرے سے تان پورے کی جھنجھناہٹ آنے لگتی ہے وہ تڑپ کر اٹھتی ہے اور بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ جاتی ہے۔ تانپورے کی آواز ڈوبتی ہے اور اس کے ساتھ سرگوشی میں آواز آنے لگتی ہے۔

بابا: جبیں، جبیں، بیٹی جبیں۔

جبیں: کون ہے؟

بابا: میں ہوں بیٹا۔

جبیں: میں کون؟

بابا: بابا۔

جبیں: کون بابا۔

بابا: ایک شاعر، ایک موسیقار، جسے اس کے زمانے میں شہرت نصیب نہ ہو سکی۔

جبیں: مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

بابا: اپنی آرزو کی تکمیل۔

جبیں: کیسی آرزو۔

بابا: شہرت کی۔ مقبولیت کی۔ اس آرزو کی تکمیل جو میری جسمانی زندگی میں پوری

نہ ہوسکی۔

جبیں: میں آپ کی یہ آرزو کیسے پوری کرسکتی ہوں بابا۔

بابا: اٹھو کاغذ پنسل نکالو۔ میں تمہیں ایک شاعرہ ایک گلوکارہ کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔

جبیں: مجھے بابا؟

بابا: میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور تمہارے سوا کوئی اور اس دنیا میں نہیں ہے جو میری حسرتوں کی تکمیل کرسکے۔ اٹھو اور کاغذ پنسل نکالو۔

جبیں: لیکن بابا----

بابا: اٹھو جبیں۔

(جبیں اٹھ کر جاتی ہے اور میز کے دراز سے پیڈ اور قلم نکالتی ہے۔ واپس آکر اس چارپائی پر بیٹھ جاتی ہے۔ پھر آنکھیں بند کرکے چہرہ اوپر اٹھا لیتی ہے اور فضاء میں جیسے سونگھنے لگتی ہے۔ اس عالم میں اس کا قلم کاغذ پر چلنے لگتا ہے اور وہ غزل کے اشعار لکھ رہی ہے۔ اس کاغذ پر اس کا قلم چلتا ہوا کلوزاپ میں بھی دکھایا جائے۔ آخری شعر لکھ چکنے کے بعد وہ اس Trance سے چونکتی ہے۔)

بابا: یہ غزل جو میں نے ابھی تمہیں لکھوائی ہے میں نے کل ہی تمہارے کوٹھے پر چہل قدمی کرتے ہوئے فکر کی تھی۔ اب یہ غزل تمہاری ہے۔

جبیں: میری غزل! لیکن میں اسے کیا کروں بابا۔

بابا: یہ کل تم اس مشاعرے میں پڑھو گی جہاں ملک کے عظیم شاعر جمع ہو رہے ہیں۔

جبیں: لیکن مجھے وہاں گھسنے کون دے گا۔

بابا: تم جاؤ گی اور کہو گی کہ میں اس مشاعرے میں شرکت کرنا چاہتی ہوں اور تم کو اجازت مل جائے گی۔ لوگ تم کو عقیدت کی نظر سے دیکھیں گے اور محبت کے دل میں جگہ دیں گے۔ لیکن غزل ترنم کے ساتھ پڑھنا۔

جبیں: ترنم کے ساتھ! ---- مجھے تو گنگنانا بھی نہیں آتا۔

بابا: میرا ہاتھ تمہارے کندھے پر ہوگا بیٹا اور میری روح تمہارے سر کی اوڑھنی ہوگی---- تم گاؤ گی اور اس جلتے ہوئے شہر پر شبنم کا نزول ہوگا۔

جبیں: یہ ناممکن ہے۔

بابا: یہی ممکن ہے کیونکہ میں ایک صدی سے اسی بات کا انتظار کر رہا تھا اور میری تقویم میں آج کا ہی دن لکھا ہے۔

(تانپورے کے تار زور سے جھنجھناتے ہیں اور جبیں پکارتی ہے۔)

جبیں: بابا--- بابا--- بابا----

(اور کھلی ہوئی کھڑکی کا پٹ دھڑ سے بند ہوجاتا ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 4

ان ڈور

شام

(مشاعرے کی سٹیج، بہت سے پرانی اور نئی وضع کے شاعر ڈائس پر بیٹھے ہیں۔ ایک شاعر نوجوان اپنا کلام سنا رہا ہے۔ اپنے آخری دو شعر سنانے کے بعد وہ ختم کرتا ہے اور صاحب صدر بزرگ صورت کہتے ہیں۔)

صدر: جناب جلیل سیفی کے بعد عزیزی اختر جبیں سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنا کلام سنائیں۔

(جبیں مائیک پر آتی ہے خوفزدہ ہے ادھر ادھر دیکھتی ہے۔ کھنکارتی ہے۔ پھر اپنے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر بابا کا ہاتھ محسوس کرتی ہے اور گانے لگتی ہے۔)

جبیں:

ستم ہے آدمی کے واسطے مجبور ہوجانا

زمیں کا سخت ہونا آسماں کا دور ہو جانا

(اس کی غزل کے ہر ہر شعر پر بڑی داد ملتی ہے اور چھوٹے بڑے شاعر سب اس کے کلام پر سر دھنتے ہیں۔)

کٹ

سین 5

آؤٹ ڈور

وہی وقت

(غزل کے خاتمے پر اسے ایک چھوٹا سا لڑکا ایک چٹ لا کر دیتا ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھتی ہے اور اس لڑکے کے ساتھ دروازے سے باہر نکل جاتی ہے۔ وہاں اسے ادھیڑ عمر کا ایک آدمی کوٹ پتلون میں ملبوس ملتا ہے۔)

پروڈیوسر: معاف کیجئے گا مجھے آپ کو اس طرح زحمت نہیں دینا چاہئے تھی۔

جبیں: کوئی بات نہیں---- فرمائیے۔

پروڈیوسر: میں ہامونیکا فلمز کا مالک ہوں اور میرا نام ابراہیم سبحان ہے۔

جبیں: آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔

پروڈیوسر: مجھے آپ کی یہ غزل اپنی فلم کے لئے چاہئے۔

جبیں: (کاغذ آگے بڑھا کر) لے لیجئے۔

پروڈیوسر: اس طرح سے نہیں۔ آپ کو ہمارے ساتھ باقاعدہ معاہدہ کرنا ہوگا۔ غزل کا بھی اور آواز کا بھی۔

جبیں: جی۔

پروڈیوسر: میں آپ کی غزل آپ ہی کی آواز میں ریکارڈ کرنا چاہتا ہوں۔ بالکل ایسی ہی سچوایشن میری فلم کی ہے کہ ہیروئن شاعرہ ہے اور وہ اسی طرح مشاعرے

میں---- معاف کیجئے گا یہ دھن کس کی تھی۔

جبیں: (مسکرا کر) میری اور کس کی۔

پروڈیوسر: کیا آپ ہماری ایک اور سچوایشن کے لئے بھی کوئی گیت لکھ سکتی ہیں۔

جبیں: کیوں نہیں۔

پروڈیوسر: اور اس کی دھن بھی بنا سکتی ہیں؟

جبیں: ضرور۔

پروڈیوسر: معاف کیجئے---- If You Dont Mind مجھے اپنے گھر کا پتہ لکھ دیجئے۔ (اپنا کارڈ اور پین نکال کر) میں خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

(جبیں اس کے وزیٹنگ کارڈ کی پشت پر اپنا پتہ لکھ کر اسے دے رہی ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 6

ان ڈور

چمن چڑھے

(ہارمونیکا فلمز میں گانے کی ٹیک ہو رہی ہے۔ مائیکروفون لگا ہے۔ ایک طرف سازندے ہیں دوسری طرف کانوں پر ہیڈ فون لگائے جبیں ہے۔ اس کے سامنے الگ مائیکروفون ہے۔ ایک کونے میں ریکارڈنگ ٹیبل نظر آتا ہے۔ یہاں ہمارے کنٹرول روم کے پینل کو بڑی خوبصورتی سے دکھایا جاسکتا ہے۔)

سین کھلتے ہی ہم دیکھتے ہیں کہ میوزک اسٹنٹ ماسٹر سلیمی سازندوں کے سامنے کھڑا ہے اور ہدایات دے رہا ہے۔)

سلیمی: Piccolo بہت دھیمی بجے گی سردار، پچھلی ٹیک میں تم اوپر چلے گئے تھے۔ وائلن ایک ساتھ بجا کے---- استھائی پر آنس دینی ہے صرف، لیکن بھر کے---- پورا ماحول بنا کے نیچے اترنا ہے--- لیس ریڈی---- ون- ٹو- تھری- فور----

(سازندے ابتدائی دھن بجاتے ہیں ساز کا چکر پورا ہونے کے بعد سلیمی دور بیٹھی ہوئی جبیں کو اشارہ دیتا ہے۔)

جبیں: کٹ اٹ، (ساز تھم جاتے ہیں) سلیمی میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر کہتی ہوں کہ مجھے اشارہ نہ دیا کرو۔

سلیمی: ٹھیک ہے میڈم---- ویری سوری۔

جبیں: جب یہ گیت میرا لکھا ہے۔ دھن میری بنائی ہوئی ہے سازینہ میرا سیٹ کیا ہوا ہے تو کیا مجھے پتہ نہیں چلے گا کہ مجھے کہاں سے بول پکڑنے ہیں۔

سلیمی: ویری سوری میڈم۔

جبیں: چلو شروع کراؤ۔

سلیمی: ریڈی، ون- ٹو- تھری---- فور۔

(ساز شروع ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی جبیں گیت گانے لگتی ہے۔ اس گیت کی Taking پر ہر طرح کے شاٹ جی کھول کر لئے جاسکتے ہیں---- گیت کے آخری بول ختم ہوتے ہیں اور اندر بوتھ سے Intercom پر آواز آتی ہے۔)

آواز: ٹیک تھری او کے۔

سب: مبارک، مبارک۔

(سازندے خاص طور پر انگوٹھا اور انگلی ملا کر واہ واہ میڈم واہ واہ کرتے ہیں۔ پروڈیوسر جلدی سے لڈوؤں کا ایک ڈبہ لے کر اندر آتا ہے اور میڈم کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جبیں مسکراتی ہے اور ایک لڈو اٹھا کر شائستگی سے Bite لیتی ہے۔)

سین 7

ان ڈور

رات

(جبیں کا بالا خانہ۔ میز پر پورٹیبل ٹیپ ریکارڈ سے گیت کے آخری بولوں کی صدا آرہی ہے۔ کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے۔ جبیں چارپائی پر بیٹھی ہے گیت ختم ہوتا ہے تو آواز آتی ہے۔)

بابا: دوسرے انترے میں تمہارا بے سرا ہونا ہمیں اچھا نہیں لگا بیٹے۔

جبیں: بے سری نہیں ہوئی بابا۔ یہ گانے کی ڈیمانڈ تھی۔ سچوایشن ہی ایسی تھی اس گانے کی۔

بابا: جو دھن ہم تمہیں بنا کر دیں اس سے بال برابر بھی ادھر ادھر نہ ہوا کرو۔

جبیں: آخر میں بھی اس فن کو کچھ سمجھتی ہوں بابا۔

بابا: شاید۔

جبیں: شاید کی بات نہیں ہے، اگر آپ کہیں اس دنیا کے ہوتے تو آپ کو پتہ چلتا کہ میری کس قدر ڈیمانڈ ہے۔

بابا: ہمیں معلوم ہے۔ ہماری حسرت کی کونپل پھوٹ رہی ہے اور گلہائے رنگا رنگ کی شدت شعر و نغمہ کے گلستان میں جھومنے والی ہے۔

جبیں: ابھی آپ کو دو غزلیں اور تین گیت اور لکھ کر دینے ہیں۔

بابا: پانچوں چیزیں تیار ہیں بیٹا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا شہرت سے خود سر نہ ہو جانا۔

جبیں: نہیں ہوتی، نہیں ہوتی---- آپ لکھوائیے تو سہی۔

(اٹھ کر کاپی پنسل لیتی ہے اور اسی طرح آنکھیں بند کر کے چہرہ اوپر اٹھاتی ہے۔ پنسل کاغذ پر چلنے لگتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 8

ان ڈور

دن کا وقت

(جبیں کے گھر کا ڈرائنگ روم، اس میں وہی پروڈیوسر اور
اس کے ساتھ ایک اور آدمی فلمی دنیا کے بیٹھے ہیں اس وقت
جبیں کے ساتھ اس کا باپ بھی ہے۔)

پروڈیوسر: غیاث صاحب ایک ایکشن فلم بنا رہے ہیں اور مجھے سفارش کے طور پر آپ کے پاس لائے ہیں۔

غیاث: آپ کی بڑی مہربانی۔ ہمیں پانچ گانوں سے زیادہ نہیں چاہئیں۔

جبیں: لیکن اس وقت میں ان کے گانے مکمل کر رہی ہوں۔

پروڈیوسر: ہمارے گانے بھی ہوتے رہیں گے میڈم۔ آپ ان کے لئے بھی ضرور کچھ کیجئے۔ دیکھئے ناں ایک ساتھ آپ کی دو فلمیں لگیں گی تو آپ شہرت کے آسمان پر پہنچ جائیں گی۔

ابا: لکھ دو بیٹا لکھ دو۔

جبیں: سوچوں گی غیاث صاحب۔ مشکل کام ہے اور اس کے لئے بڑا ریاض کرنا پڑتا ہے۔

پروڈیوسر: آپ کے لئے کیا مشکل ہے۔ خدا نے آپ کو دماغ بھی دیا ہے اور گلا بھی۔ آپ تو ایک دن میں پانچوں گانے تیار کر سکتی ہیں۔

جبیں: کہنا آسان ہے رفیقی صاحب۔ لیکن کرنا بہت مشکل ہے۔ بہرحال میں کوشش کروں گی آپ مجھے سچوایشن سمجھا دیجئے۔

غیاث: پہلی سچوایشن یہ ہے کہ دشمن ہیرو کو اٹھا کر دلدل میں پھینک دیتے ہیں۔ ہیرو دلدل میں ڈوبتا جاتا ہے اور گاتا جاتا ہے۔ دکھ کا گیت، موت کا گیت، خوف اور غم کا ملا جلا گیت۔ لیکن اس گیت میں ہیرو کی آواز میں گانے کی دھن میں شکست کا احساس نہ ہو بلکہ ایک عزم کا ایک مضبوط اور جاندار عزم کا احساس ہو۔ آپ سمجھ رہی ہیں ناں۔

جبیں: جی جی میں سمجھ رہی ہوں۔

غیاث: ہولے ہولے ہیرو دلدل میں ڈوب جاتا ہے۔ لیکن اس کی آواز دلدل کے اندر سے بھی آتی رہتی ہے۔ جب وہ دلدل کے نیچے بولتا ہے تو اوپر کیچڑ میں چھوٹے چھوٹے آبلے سے پھوٹتے ہیں ان کو طبلے کی چلنت اور آواز کی ساتھ مکس کرنا ہے۔ اس کے بعد ہیروئن دور سے ہوک اٹھاتی ہوئی اس دلدل کے کنارے پہنچتی ہے اور دلدل کے اوپر پھوٹتے ہوئے بلبلوں سے اندازہ لگاتی ہے کہ ہیرو نیچے ہے۔ یہاں گیت کی دھن ایک Bang کے ساتھ بدلتی ہے۔ اور ہیروئن دلدل میں چھلانگ لگا دیتی ہے۔

(اس تفصیل کے بعد یہ سین پندرہ سولہ سیکنڈ کے لئے
Silent ہو جاتا ہے اور غیاث پروڈیوسر ہاتھ کے اشاروں سے اور
صوفے پر پہلو بدل کر سچوایشن سمجھاتا ہے۔)

فیڈ آوٹ

سین 9

ان ڈور

شام

جبیں کا کمرہ

(تانپورہ لئے جبیں بیٹھی ہے اس کے بال کھلے ہیں اور اس نے ایک مہنگی سی ساڑھی پہن رکھی ہے اس وقت وہ اپنے زعم میں مکمل آرٹسٹ بن چکی ہے۔ تانپورہ چھیڑتی ہے۔ ساتھ ایک بول گاتی ہے۔)

جبیں: بن دیکھے جو نیند نہ آوے موہے۔
سگری رین جگاوے تڑپاوے ستاوے---- موہے---
بن دیکھے جو نیند نہ آوے---- موہے

(اس وقت عقیلہ آتی ہے)

عقیلہ: میں آجاؤں جی؟

جبیں: (تنفر سے) آجایئے---- ویسے اس وقت میں ایک فلمی دھن تیار کر رہی تھی۔

عقیلہ: میں زیادہ دیر نہیں ٹھہروں گی جی---- بس میری ایک سہیلی کا آٹوگراف ہے وہ روز مجھے کہتی ہے کہ تیرے تو ہمسائے میں رہتی ہے جبیں اختر صاحبہ ان سے سائین کروادے۔

جبیں: پین ہے آپ کے پاس۔

عقیلہ: میں لائی ہوں جی ساتھ ---- ؟ کوئی شعر بھی لکھ دیجئے جی اپنا۔

(جبین سائین کرتی ہے شعر لکھتی ہے)

جبیں: بیٹھ جایئے کھڑی کیوں ہیں؟

(عقیلہ ایک کرسی کے اوپر اچھلی سی بیٹھ جاتی ہے۔)

عقیلہ: ہائے جی ہم سہیلیاں آپ پر بہت رشک کرتی ہیں عورتوں میں سے تو شاید آپ پہلی میوزک ڈائریکٹر ہیں۔

جبیں: میرے دادا کو موسیقی کا بہت شوق تھا۔ صبح کسی کو جگانے کا حکم نہ تھا۔ سٹیٹ کا گویا صبح سویرے راگ آساگا کر جگایا کرتا تھا۔

عقیلہ: ہائے آپ کو کس طرح راگوں کے نام یاد رہتے ہیں میں تو اتنا ریڈیو سنتی ہوں اتنا ریڈیو سنتی ہوں۔ پھر بھی کسی راگ کا نام یاد نہیں ہوتا۔

(دماغ کی طرف اشارہ کرکے)

جبیں: بس ساری بات ذہن کی یاد ہے۔ یہاں کچھ ہو تو یاد رہتا ہے سب کچھ۔

عقیلہ: آپ کی آواز کتنی پیاری ہے جی۔ جب آپ کے ریکارڈ لگتے ہیں ریڈیو پر تو میں جھٹ کاپی پنسل لے کر بیٹھ جاتی ہوں لکھنے۔

جبیں: ہمارے خاندان کی کئی پشتیں آرٹ ہی کی نشوونما میں لگ گئیں۔ بہت صاحب جائیداد تھے میرے بزرگ۔ سب نے زمینیں بیچیں مکان فروخت کئے لیکن آرٹ کی خدمت نہ چھوڑی۔

عقیلہ: ساری قوم آپ پر ناز کرتی ہے جی۔

جبیں: قومیں عموماً ان لوگوں کو بھول جاتی ہیں جو اس کی خدمت کرتے ہیں۔

عقیلہ: جی آپ رہنے والی کہاں کی ہیں۔

جبیں: کالسی سٹیٹ میں میرے نانا پرائم منسٹر تھے قیام پاکستان سے پہلے ہم لوگ چاندی کے برتنوں میں کھاتے تھے سونے کے گلاسوں سے پیتے تھے۔ سب کچھ سب مال دولت آرٹ کی خدمت میں ختم ہوا۔

عقیلہ: شعر لکھ دیا ہے جی آپ نے۔

جبیں: ہاں۔

عقیلہ: میری سہیلیوں کو بہت شوق ہے آپ کو دیکھنے کا۔

جبیں: دیکھئے مجھے فرصت کم ہی ہوتی ہے، کسی دن آپ مجھ سے ٹائم لے کر انہیں لے آئیں دس پندرہ منٹوں کے لئے۔

عقیلہ: اچھا جی بہت بہت شکریہ آپ کا۔ میں نے بہت قیمتی وقت ضائع کیا آپ کا۔

(عقیلہ چلی جاتی ہے ساتھ ہی ایک شان استغناء کے ساتھ جبیں تانپورہ چھیڑتی ہے اور پھر سے دھن بناتی ہے۔)

جبیں: بن دیکھے جو نیند نہ آوے موہے----

(اب بابا کی آواز فیڈ ان ہوتی ہے)

بابا: جبیں---- جبیں بیٹے۔

جبیں: کیا ہے جی---- دیکھتے نہیں آپ کہ میں دھن تیار کر رہی ہوں پرسوں صبح ٹیک ہے اس کی۔

(بابا گا کر سناتا ہے)

بابا: اس طرح نہیں جبیں بیٹے اس طرح موہے کی جگہ نیند نہ آوے پر زور دے کر۔

جبیں: (غصے سے) یہ آپ کی بات مجھے ذرا اچھی نہیں لگتی---- خواہ مخواہ دخل اندازی کی۔

بابا: ایک بات ہمیں بھی تمہاری اچھی نہیں لگتی جبیں۔

جبیں: کیا بات جی؟

بابا: وہ کون سے تمہارے بزرگ تھے جو چاندی کے باسنوں میں کھاتے تھے؟ وہ تمہارے اسلاف میں ایسے کون سے جی دار تھے جنہوں نے آرٹ کی خدمت میں جائیدادیں لٹادیں۔

جبیں: زندہ رہنے کے لئے---- اپنی ساکھ بنانے کے لئے کسی نہ کسی لاٹھی کا سہارا تو

لینا ہی پڑتا ہے بابا جی۔

بابا: لیکن عصا اگر جھوٹ کا پکڑو گی تو کسی نہ کسی دن منہ کے بل گرو گی۔

جبیں: آپ مجھے زیادہ نصیحتیں نہ کیا کریں ہاں۔ آخر تین فلموں کا پورا میوزک میں نے خود بنایا ہے میں اتنی بیوقوف تو نہیں ہاں۔

بابا: کچھ لوگ پاکستان میں ایسے تھے جبیں جن کے پاس ایک ٹوٹی پھوٹی جھگی بھی نہ تھی۔ پر وہ یہاں آئے انہوں نے جھوٹے کلیم دیئے اور بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہائش اختیار کرلی۔

جبیں: ان کا کیا تعلق ہم سے؟

بابا: سنتی جاؤ--- رفتہ رفتہ ان کوٹھی والوں کو یقین ہوگیا کہ وہ پہلے بھی صاحب جائیداد تھے--- جھوٹ میں یہی عیب ہے کہ رفتہ رفتہ اس پر خود اعتبار آجاتا ہے۔ آدمی اس شدت سے اپنے جھوٹ پر اعتماد کرنے لگتا ہے کہ اسے شبہ ہی نہیں رہتا کہ وہ جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔

جبیں: کیا کہہ رہے ہو؟

بابا: کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ فراوانی، شہرت، کامیابی عیش کچھ ان کے زور بازو کچھ ان کی محنت کچھ ان کی ذات سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ--- کہ اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی ہوتا ہے۔

جبیں: آپ مجھے کیا سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

بابا: کچھ بھی نہیں--- کچھ بھی تو نہیں۔ میرے عہد میں بھی کچھ ایسے کوے تھے جو موروں کے پنکھ لگا کر پھرا کرتے تھے، کچھ ایسے لوگ تب بھی تھے جو اپنی تعریف کے ڈھول پیٹا کرتے تھے۔ انہیں بہت اعتماد تھا اپنی ذات پر--- خدا حافظ۔

جبیں: کہاں جا رہے ہو بابا۔

بابا: گمنامی کے کنوئیں میں--- گمنامی اس شہرت سے اچھی، جو اس طرح ٹیک لگا کر حاصل ہو--- خدا حافظ---

جبیں: بابا--- بابا--- بابا۔

(جبیں آوازیں دیتی ہے، واپس آواز نہیں آتی۔)

فیڈ آؤٹ

سین 10

ان ڈور

بعد دوپہر

(جبیں اور اس کا باپ دونوں اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں اور دونوں ہی افسردہ ہیں۔ باپ کا سر جھک کر گھٹنوں تک آگیا ہے اور جبیں صوفے کے بازو کے ساتھ پچکی بیٹھی ہے۔)

جبیں: یہ سب کچھ کیا ہوا ابا--- مجھے یوں لگتا ہے کہ یہ آٹھ مہینے ایک خواب کی دنیا میں بسر کئے اور لوٹ کر پھر وہیں آگئے جہاں سے چلے تھے۔

ابا: نہ وہ عزت رہی، نہ شہرت، نہ دولت، نہ سر پر ٹھنڈی چھاؤں۔

جبیں: میں نے بہت کوشش کی ابا کہ گاؤں پورا زور لگا کر گاؤں لیکن لیکن جونہی میں نے مائیک کے سامنے منہ کھولا مجھ پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا اور جس وقت میں اس کے سامنے سے ہٹی سب کھانسی سب خراش دور ہوگئی۔

ابا: تو نے اپنا سامان تو بند کرلیا ہے ناں۔

جبیں: ہاں ابا۔

ابا: تو پھر--- جبیں--- میں سوچتا ہوں--- پھر یہ سب کچھ جبیں۔

(دروازے پر دستک ہوتی ہے اور اندر قریشی اور اس کا ایک دوست داخل ہوتے ہیں۔)

قریشی: السلام علیکم فہیم جی۔

ابا: وعلیکم السلام۔

قریشی: یہ میرے دوست ہیں اشرف اصلاحی صاحب۔

ابا: السلام علیکم (ہاتھ ملاتے ہیں)

اشرف: السلام علیکم۔

ابا: (اٹھتے ہوئے) یہ آپ کی چابی ہے قریشی صاحب اس گھر کی۔

قریشی: (چابی لے کر) شکریہ مُنیم جی۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اس گھر سے جانا پڑا لیکن مجبوری یہ آپڑی کہ اب ہم خود اس گھر میں آرہے ہیں۔ بڑی لڑکی کی شادی ہے ناں----

جبیں: آیئے ابا---- اوپر سے سامان لانے میں میری مدد کیجئے۔

قریشی: ہم بھی چلیں آپ کے ساتھ ہاتھ بٹانے کو۔

جبیں: جی نہیں شکریہ۔ کچھ ایسا سامان نہیں ہے۔

(دونوں نکل جاتے ہیں)

اشرف: لیکن اب تم کس طرح اس گھر میں رہو گے قریشی۔ کیا پھر وہی گت بنوانی ہے۔

قریشی: اب یہ گھر آسیب زدہ نہیں رہا اشرف۔

اشرف: کیا مطلب۔

قریشی: جب میں نے یہ گھر بنوایا تھا اور ہم سب یہاں آکر رہے تھے تو اس کی ممٹی پر ایک چیل بیٹھی رہا کرتی تھی۔ میں نے اس چیل کو اڑانے کی بہت کوشش کی۔ پٹاخے چلائے، پتھر مارے لاٹھی لے کر اس پر لپکا لیکن وہ نہ اڑی۔ سارا دن وہ چیل اس ممٹی پر بیٹھی ہمارے گھر کے اندر دیکھا کرتی اور رات کو یہ گھر اس نادارہ روح کا مسکن بن جاتا جس نے ہم پر طرح طرح کی آفتیں توڑیں۔

اشرف: مجھے یاد ہے لیکن پھر تم نے اس چیل کو بندوق سے ہلاک بھی تو کر دیا تھا۔

قریشی: جس شام میں نے اس چیل کو بندوق سے مارا ہے اور اس کے پنجے میں رسی باندھ کر اسے دور گڑھے میں پھینک کر آیا ہوں اس رات تو ہمارے گھر پر قیامت گزر گئی۔

اشرف: یہ وہی رات تھی ناں جب پپو چھت سے گرا تھا۔

قریشی: بالکل وہی---- وہی مہیب اور خوفناک رات اور صبح جب میں سیر کرنے کے لئے نکلا تو وہی چیل پھر ہمارے اس گھر کی ممٹی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

اشرف: واقعی! سچ کہہ رہے ہو قریشی؟

قریشی: پچھلے آٹھ ماہ سے میں صبح و شام اس گھر کے آگے سے گزرتا رہا ہوں اور اس چیل کو دیکھتا رہا ہوں۔ لیکن پچھلے ایک ماہ سے وہ یہاں نظر نہیں آئی---- میرے خیال میں وہ مُنیم جی سے ناراض ہو کر چلی گئی ہے۔

اشرف: تمہارے یہ مُنیم جی بھی تو فاقہ زدہ گدھ سے کم نہیں---- بیچاری چیل ایک گدھ کا کب تک مقابلہ کر سکتی ہے بھلا۔

(قریشی اٹھ کر ڈرائنگ روم کی چیزوں کا جائزہ لیتا ہے اور الماریوں کو اور آئینے وغیرہ کو اپنا رومال نکال کر پونچھنے لگتا ہے اور کہتا جاتا ہے۔)

قریشی: کتنی آرزو تھی مجھے اس گھر میں رہنے کی---- اور کس قدر آرزو ہے مجھے اس گھر میں رہنے کی---- لیکن وقت سے پہلے کوئی کچھ نہیں کر سکتا---- کسی کا زور نہیں چل سکتا۔

کٹ

سین 11

ان ڈور

صبح کا وقت

(مُنیم جی اور اس کی بیٹی جبیں اس گھر کے بیرونی برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہیں ساتھ ان کے سوٹ کیس اسور دو پوٹلیاں اور کچھ اور سامان ہے۔)

ابا: اب کہاں چلیں بیٹی۔

جبیں: (جیسے خواب سے چونک کر) جی ابا۔

ابا: میں نے کہا جبیں اب ہم کہاں جائیں۔

جبیں: وہیں ابا---- اسی لاریوں کے اڈے پر جہاں سے آپ ایک دن نان اور کباب مانگ کر لائے تھے۔

(پھر جبیں اپنا سر جھکا کر آنسو چھپاتے ہوئے پوٹلیاں اٹھاتی ہے۔ اس کا باپ سوٹ کیس اٹھاتا ہے اور دونوں سر جھکائے ہوئے

فیلڈ سے نکل جاتے ہیں۔ میوزک)

فیڈ آؤٹ

نیلی چڑیا

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

کردار:

- ڈاکٹر فہیم
- عورت
- منصور
- امی
- اقتدار
- بیرسٹر بخاری
- سمیرا
- عالم

سین 1

(ڈاکٹر فہیم کا کلینک---- اس کلینک کے دو حصے ہیں درمیان میں ایک ایسا دروازہ ہے جو اندر باہر کی طرف جھول کر کھلتا ہے۔ جس میں سے نچلا حصہ اور اوپر سے ہمیشہ نظر آتا ہے۔ باہر کی طرف بنچوں پر مریض بیٹھے ہیں۔ اور اندر کے کلینک میں ڈاکٹر کا دفتر ہے۔

ڈاکٹر کا اسسٹنٹ منصور اور اس کے علاوہ پانچ چھ مختلف عمر اور جنس کے مریض بیٹھے ہیں۔ ڈاکٹر اندر کی طرف تیزی سے جاتا ہے۔ اب ایک بوڑھا سا مریض جھولنے والے دروازے کے اوپر سے سر نکال کر اندر دفتر میں لنگز کا ایکسرے دیکھتے ہوئے ڈاکٹر سے باتیں کرتا ہے۔ ڈاکٹر کے زیادہ بال سفید ہو چکے ہیں چہرے پر بدمزاجی کی لائنیں پڑ چکی ہیں بولتا ہے تو ایک Superior آدمی کی طرح لہجے میں ایک خاص قسم کی پرے پرے قسم کی ٹون ہوتی ہے۔)

بابا: ڈاکٹر صاحب۔

فہیم: (اپنے کام میں مگن) اب کیا ہے؟

بابا: سرکار میری ایک عرضی تھی۔

فہیم: (قدرے درشتی سے) میں نے تمہاری عرض سن لی ہے بابا جی کم از کم بارہ ٹیکے لگیں گے۔

بابا: کوئی رعایت نہیں ہو سکتی بچیاں آلیا؟

فہیم: بابا جی ہر کلینک کا ایک وصول ایک ضابطہ ایک نظام ہوتا ہے ہر مریض کے ساتھ فیس مشورہ بدلنے لگے ہر مریض کے ساتھ ٹیکہ لگانے کا طے کرنا پڑے تو مصیبت میں جان پھنس جائے۔ بزاز کی دکان نہیں کلینک ہے کلینک۔

(دروازہ کھول کر منصور آتا ہے)

منصور: ڈاکٹر صاحب جنکش وائیلٹ سے سارے بازو پر پینٹ کر دیا ہے۔

فہیم: نسخہ جو میں نے لکھ کر دیا ہے وہ بنوا لیا ہے سکینہ بی بی نے۔

منصور: جی۔

ڈاکٹر: پچھلا بل بھی اس سے اصول کرلیں۔

منصور: اچھا جی۔

بابا: ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر: (گھبراہٹ اور جھلاہٹ کے ساتھ) بابا جی خدا کے لئے معاف کرو۔ یہ خیراتی ہسپتال نہیں ہے۔ موڑ پر چلے جایئے کئی کلینک اور مل جائیں گے آپ کو۔ جان چھوڑیئے میری خدا کے لئے۔

بابا: ڈاکٹر صاحب میری پسلی میں بڑا درد ہوتا ہے جی۔

ڈاکٹر: دیکھو بابا جی اس کلینک پر جو بھی آتا ہے اسے کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ ہمارے دل میں اب ہر تکلیف کو دیکھ کر درد نہیں ہوتا۔ معاف کیجئے اور جایئے۔ وقت نہ ضائع کیجئے میرا۔ (آواز دے کر) منصور۔! پنسلین کا ایک ٹیکہ لگا دو نور بانو کو۔ جاؤ بابا جی جاؤ۔

بابا: ڈاکٹر صاحب نوکری میری چھوٹ گئی۔ صحت میری نہ رہی میں دو روپے فی ٹیکہ دینے جوگا نہیں۔

ڈاکٹر: اگر میں ہر مریض پر ترس کھانے لگوں تو بھوکوں مرجاؤں۔
جاؤ بابا جی۔ ہمارا مغز نہ کھاؤ خدا کے لئے۔

(بابا لمبی سی آہ بھر کر جاتا ہے)

بابا: کل دس روپے تو میں لایا تھا ڈاکٹر صاحب مانگ کر۔

(بابا کے جانے کے بعد ڈاکٹر باہر آتا ہے اور ایک مریضہ سے جو برقعہ سر پر اٹھائے بیٹھی ہے بڑی Curt اور Mattor of Fact قسم کے لہجے میں تشخیص کرتا ہے۔)

ڈاکٹر: رات کو بخار تو نہیں تھا؟
بخار تو نہیں تھا۔ پنڈا ونڈا پھنکنا کوئی چیز نہیں۔ زبان دکھاؤ۔ منصور! ذرا اس بڈھے کو وہ بابا جی ابھی گیا ہی اسے چھ ٹیکے دے آؤ۔ دور نہیں پہنچا ہوگا۔ ابھی Run

عورت: اچھا جی۔

(جس وقت عورت زبان کھولتی ہے اور ڈاکٹر ناک چڑھائے

ٹارچ کی روشنی حلق میں ڈالتا ہے اس وقت اس کا دوست جو امریکہ سے آیا ہے کلینک میں داخل ہوتا ہے یہ آدمی اتنی دیر سے امریکہ میں ہے کہ اس کی چال ڈھال نشست و برخاست، انداز گفتگو سب پر امریکی چھاپ ہے۔)

دوست: نعیم ہیلو۔

نعیم: ہیلو ڈاکٹر اقتدار۔ What a Surprise واہ واہ بالآخر امریکہ چھوٹا تم سے۔

دوست: چھوٹا نہیں۔ صرف چھٹی پر آیا ہوں ایک مہینے کی۔

نعیم: This Undeed is a Surprise کیسے آئے۔ میرا پتہ کیسے ملا۔ So Many Questions آؤ بھئی چلے آؤ میرا معمولی سا کلینک ہے۔ میں ابھی آتا ہوں بی بی۔

(دونوں دفتر میں پہنچتے ہیں)

دوست: Home Sweet Home

نعیم: کیسا حال چال ہے تمہارا Brief Case History پلیز۔

دوست: اچھا حال ہے امریکی بیوی، دو اینگلو پاکستانی بچے ایک Job میرا ایک Job میری بیوی کا۔

She is Drawing about 300 dollars.

سیکرٹری ہے ایک لائٹر کی۔ سمیرا کا کیا حال ہے۔

نعیم: اچھا ہی ہوگا۔

دوست: کتنے بچے ہیں۔

نعیم: (آواز دے کر) منصور۔

منصور: (اف) جی ڈاکٹر صاحب۔

نعیم: دو عدد ٹھنڈی بوتلیں۔

منصور: اچھا جی۔

دوست: کتنے بچے ہیں تمہارے۔ How is Sumera

نعیم: میرے!

دوست: چلو سمیرا کے سہی۔

نعیم: ہاؤ ڈو آئی ناؤ۔

دوست: کیا مطلب۔

فہیم: سمیرا میری بیوی نہیں ہے۔

دوست: ڈونٹ ٹیل می۔ میرا کیا سارے کالج کا خیال تھا کہ You Dont Mind میری تمہاری اتنی Intimacy نہیں تھی پر کالج میں کون نہیں جانتا تھا کہ تم اور سمیرا ویری سوری۔

فہیم: جانتے تو سبھی تھے پر۔ کبھی کبھی اقتدار وہ بات جو بالکل Inevitable لگتی ہے۔ ہوتی نہیں۔

دوست: مجھے تو آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہے Do You Remember

فہیم: ری ممبر؟

دوست: یاد ہے سمیرا کی ڈسکشن روم میں انگلی کٹ گئی تھی جس روز، وہ جلدی سے گیلری میں نکل گئی تھی۔

(دونوں کے چہرے ایسے ہوجاتے ہیں جیسے وہ ماضی کی کوئی گہری یاد میں کھو گئے ہوں۔ I went after her)

سین 2

ان ڈور

کچھ لمحوں بعد

(ہسپتال کی ایک گیلری اس وقت سمیرا Overall پہنے گلے میں سٹیتھیسکوپ لٹکائے کھڑی ہے اس کی انگلی سے لہو نکل رہا ہے۔ اقتدار اس کے پاس جلدی سے آتا ہے اور پٹی باندھنے لگتا ہے اوپر سے ڈاکٹر فہیم آتا ہے اور وہ اقتدار کی بندھی ہوئی پٹی کھول کر کہتا ہے۔

فہیم: ایکسکیوزمی آئی ول مینج۔

اقتدار: معاف کیجئے۔ It was first aid nothing else.

(اقتدار مسکرا کر چلا جاتا ہے سمیرا پٹی بندھواتی ہے ساتھ ساتھ بولے جاتی ہے)

سمیرا: میں لوگوں کے دلوں کا بڑا دھیان رکھنے والا ہوں یہ اس کے دل کا دھیان رکھا ہے جناب نے۔

فہیم: زیادہ غصہ نہ کرنا لہو کی گردش تیز ہوجائے گی جان من اور پھر یہاں جو انگلی میں کٹ آیا ہی اناڑی ڈائسکشن کے وقت اس میں سے لہو نہیں رکے گا۔

سمیرا: نہ رکے۔ بلکہ میں تو چاہتی ہوں کہ اتنا لہو نکل جائے ہسپتال میں ایڈمٹ ہونا پڑے لوگ پھول لے کر آئیں طبیعت پوچھنے کو۔ سب دعا مانگتے پھریں ہائے کتنا مزہ آئے فہیم۔

فہیم: اتنی زیادہ توجہ چاہئے تمہیں؟

سمیرا: اور کیا؟ تم نہیں توجہ چاہتے۔

فہیم: ساری دنیا کی نہیں۔ صرف تمہاری توجہ، باقی ساری دنیا پر تو میں اپنی توجہ صرف کرنا چاہتا ہوں سرچ لائٹ کی طرح۔

سمیرا: دور دنیا کا اندھیرا میرے دم سے ہوجائے۔

فہیم: واقعی سمیرا--- جی چاہتا ہے کہ لوئی پاسچر قسم کی زندگی بسر ہو ہماری۔

(پٹی کی گرہ دے کر)

سمیرا: ہماری خواہ مخواہ۔

فہیم: مذاق میں بھی ایسی بات نہ کہا کرو۔ خدا جانے کیوں وہم سا ہوجاتا ہے مجھے۔

سمیرا: کیسا وہم؟

فہیم: میں ہمیشہ سے یہی سوچتا رہا ہوں کہ دراصل میرا اور سمیرا کا Ego دو چیزیں نہیں ہیں ہم دونوں نے اپنی شخصیتیں اس حد تک Pool together کرلی ہیں ہمارے ریسورسز ہمارے نظریئے ہمارا سب کچھ اس حد سانجھا ہے کہ ہماری Ego بھی Combined Ego ہوگئی ہے۔

سمیرا: پٹی باندھنے کی کس قدر فیس ہے؟

(سمیرا مسکرا کر فہیم کی طرف دیکھتی ہے یہ منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے)

فہیم: صرف ایک نظر۔

(کٹ)

سین 3

ان ڈور

پہلے سین کا وقت

(پہلے سین کو دہرایا جائے)
(کلینک میں اب اقتدار کے ہاتھ میں بوتل ہے وہ سٹرو سے پانی پینے میں مشغول ہے۔ نعیم کے چہرے پر پرانی یاد کا غبار ہے۔)

اقتدار: یار نعیم ! ایک بات کہوں گا کہ سمیرا سے شادی نہ ہونا سب سے بڑی Misfortune تھی تمہاری۔

نعیم: (آہ بھر کر) ہاں۔ تھی ہی۔

اقتدار: لیکن وجہ کیا ہوئی؟ منگنی تو تم دونوں کی فسٹ ایئر سے ہوئی تھی۔ Am I right or was that a rumour.

نعیم: منگنی تو ہماری ازل سے ہوئی تھی بلکہ مجھے تو اپنی زندگی کا ایسا کوئی لمحہ یاد نہیں جو میں نے واحد صیغے میں گزارا ہو میں نے جو کچھ بھی کبھی سوچا۔ جو کچھ بھی کبھی Achieve کیا جہاں کہیں گیا یا جہاں کہیں جانے کی فقط آرزو ہی رکھی ہر ہر لمحے ہر ہر واقعے میں سمیرا ہمیشہ موجود رہی۔ اس کا جسم اگر ساتھ نہ بھی دے سکا تو ایک Presence ایک Positive Feeling ضرور میرے ساتھ رہی کہ وہ میرے ساتھ ہے۔ Do you Understand

دوست: But what happend.

نعیم: کبھی کبھی کچھ بھی نہیں ہوتا اور پھر بھی فیصلے بدل جاتے ہیں۔ شاہراہ پگڈنڈیوں میں بدل جاتی ہیں۔

دوست: Was it your mother? کبھی کبھی مائیں Jealousy کے تحت I mean

نعیم: اماں؟ نہیں نہیں انہیں تو سمیرا بہت پسند تھی۔ کچھ نہیں ہوا تھا بس ایک سنگ میل آ گیا تھا ایک دوراہا ایک نیا موڑ ایک اور سٹیشن ایکیکوزی۔

(اب نعیم اٹھ کر عورت کے پاس جاتا ہے جس کے حلق کو دیکھتا وہ اندر گیا تھا عورت منہ کھول دیتی ہے نعیم ٹارچ ڈالتا ہے۔)

نعیم: اچار تو نہیں کھایا تھا رات۔

عورت: (منہ کھولے ہوئے) نہیں جی۔

نعیم: گرم چائے پی کر ٹھنڈی بوتل۔

عورت: (پھر نفی میں سر ہلاتی ہے۔)

(اس وقت یہ منظر فیڈ آؤٹ ہو جاتا ہے۔)

سین 4

ان ڈور

رات

(نعیم کا گھر۔ نعیم کی والدہ ریٹائرڈ ہیڈ مسٹرس ہے۔ اس نے بڑے جتن سے نعیم کی تعلیم و تربیت کی ہے۔ لیکن وہ خود Idealist نہیں ہے اس وقت سمیرا امی کے حلق میں ٹارچ ڈال کر دیکھ رہی ہے پاس ہی نعیم کھڑا انجکشن بھر رہا ہے۔)

نعیم: امی جی کس سے علاج کروا رہی ہیں آپ۔ اس کے ہاتھ میں شفاء نہیں ہے۔ House Job سے نکال رہے ہیں اسے اور آپ۔

سمیرا: آپ نہ بولیں بیچ میں کل Cholic کے مریض کو اپنڈے سائٹس بتا رہے تھے امی جی۔

نعیم: تمہاری طرح چپ بت بنا تو نہیں کھڑا تھا۔ Duffer بن کر۔ کچھ جواب دے رہا تھا ڈاکٹر صاحب کو کچھ اپنی کھوپڑی اپر سٹوری استعمال کر رہا تھا۔

سمیرا: ہائے، قربان جائیں اس کھوپڑی کے۔

نعیم: امی جی میرا علاج کروائیں آپ کو دو تین دن میں آرام آ جائے گا۔

امی: اس کے ہاتھ سے مجھے ہمیشہ آرام آ جاتا ہے نعیم۔

نعیم: ٹیکہ میں لگاؤں گا کہ آپ ڈاکٹر صاحب۔

سمیرا: نہ جی ٹیکہ آپ ہی لگائیں۔

سمیرا: جن کے میں ٹیکہ نہیں لگا سکتی روتے ہیں۔ باقی سارے ہسپتال میں پوچھ لیں سب کہتے ہیں میرا ہاتھ بہت ہلکا ہے۔

نعیم: ایک پنجابی کا محاورہ یاد آگیا۔ (نعیم ماں کے ٹیکہ لگاتا ہے)

امی: کونسا محاورہ؟

نعیم: کانیا ہتھ لگن تے جانیا۔

سمیرا: دیکھ لیں آپ اب امی جی۔ آپ کو ملنے آجاتی ہوں تو یہ پتہ نہیں کیا سمجھنے لگے ہیں۔

امی: سمجھنا اس نے کیا ہے سمیرا۔

سمیرا: (اٹھتے ہوئے) اچھا امی جی دن میں تین بار یہ مکچر---- اور چار چار گھنٹے کے بعد یہ گولیاں اور رات کو دودھ کی پیالی کے ساتھ یہ سلیپنگ پل۔

نعیم: بیٹھئے ڈاکٹر صاحب کچھ پلان ولان بناتے ہیں۔

سمیرا: کاہے کا؟

نعیم: کچھ اپنے مستقبل کا کچھ اپنے پروفیشن کا کچھ لوگوں کی خدمت کا کچھ بگڑے معاشرے کا۔

سمیرا: یہ امی آپ نے ان کی کیسی تعلیم کی ہے؟ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں لوگ ہنستے ہیں خدا قسم۔

نعیم: لوگوں کا کیا ہے۔ ایک زمانے میں پتھر مارتے تھے، دار پر چڑھاتے تھے، اب بیچارے ہنس لیتے ہیں، مذاق اڑا لیتے ہیں۔

امی: کیسا مذاق؟

سمیرا: یہ جو دیہات سدھار Level پر سوچیں گے امی تو تعلیم یافتہ ڈاکٹر تو ہنسیں گے دیکھئے۔ Ideals ضرور ہونے چاہئیں لیکن اس طرح نہیں کہ دوسروں کی آنکھوں میں انسان اپنی چمک سے لائٹیں مارتا پھرے۔ آدمی اندر Superior ہو لیکن دوسرے اسے اپنے میں ہی سے سمجھیں۔ یہ طریقہ ہوتا ہے اصلی Ideals کا Platfrom، کھڑا آدمی نظر نہیں آنا چاہئے نیچے بیٹھے ہوئے بونوں کو----

نعیم: کبھی یہ بھی ہوا ہے سمیرا کہ انسان بھیگا ہوا بھی ہو اور خشک بھی ہو؟

سمیرا: Wash and wear کپڑا پہنئے۔ گیلا ہو گا لیکن خشک نظر آئے گا۔ خدا قسم Try it

امی: یہی اسے میں سمجھاتی رہتی ہوں۔

سمیرا: باقی آپ سمجھائیں امی جی خدا قسم یہ اپنی باتوں سے دشمن زیادہ بنا لیتے ہیں لوگوں کو---- اچھا جی خدا حافظ۔

نعیم: ایک منٹ ٹھہرو سمیرا۔

سمیرا: جی۔

نعیم: تم میرا ساتھ دو گی کہ نہیں؟ جو راستہ میں نے چنا ہے وہ بڑا پر خطر ہے۔

سمیرا: اس سوال کا جواب میں تقریباً سو مرتبہ پہلے بھی دے چکی ہوں اب آخری بار سن لیجئے---- ہاں---- ہاں---- ہاں زیادہ تنگ کیا تو Pathedeue کا ٹیکہ لگا دوں گی---- خدا حافظ امی جان۔

(سمیرا مسکراتی چلی جاتی ہے۔ نعیم گہری سوچ میں چلا جاتا ہے)

امی: نعیم

نعیم: جی امی

امی: بیٹا! خیر سے تو پڑھا لکھا ڈاکٹر ہے میں کیا سمجھاؤں پر اپنی باتوں سے لوگوں کو دشمن نہ بنایا کر بیٹا۔ پچیس سال سروس کی میں نے چھوٹے بڑے کئی سکولوں میں پڑھایا لیکن حکمت عملی سے کام لیا ہمیشہ۔ نہ کبھی کسی پارٹی بازی میں حصہ لیا۔ نہ ہیڈ مسٹرس کو ہتھے پر چڑھایا۔

نعیم: لوگ اونٹ کے اس لئے دشمن ہوتے ہیں امی کہ وہ خود قد میں بکری کی مانند حقیر ہوتے ہیں۔ لوگ اس لئے دشمن بنتے ہیں کہ مشین کی ساری گراریاں ناکارہ ہوتی ہیں۔ ایک بھی پرزہ کام کرتا رہے تو جام شدہ پرزوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ جھوٹے لوگوں میں سچا آدمی کڑوے پھل کی بیل ہے۔ کینچوے کی طرح دونوں رخوں پر رینگنے والے اس لئے زندہ رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے کہ کسی کسی کو تیر کی طرح چلنا آتا ہے۔ کیا بات کرتی ہیں آپ دشمن کی۔

امی: تیری تو اب شادی ہو جانی چاہئے۔ میں سمیرا کے گھر جاؤں گی۔

فہیم: لیکن وہ تمام شرائط آپ پیش کریں گی جو میں نے آپ کو بتائیں ہیں۔

امی: فہیم تو خود روایات کے خلاف چل---- تیری مرضی---- تو خود رسومات توڑ، برے رواج نہ مان۔ تیری عقل مندی ہے پر لڑکی والوں پر دھونس جمانا شادی سے پہلے یہ کہاں کی شرافت ہے؟

فہیم: ساری دنیا کہتی ہے امی کہ لڑکے والوں کی مانگ اس قدر ہوتی ہے کہ لڑکی والے ان کی فرمائشوں کے سامنے نہتے ہو جاتے ہیں کم از کم ایک گھرانہ تو ایسا نکلے جو لڑکی والوں پر اکئی کا بوجھ نہ ڈالے۔

امی: اکلوتی لڑکی ہے سمیرا۔ کوئی خالی ہاتھ تھوڑی پھینک دیں گے۔ ان کی خوشی جس میں ہو وہ تو----

فہیم: مجھے ان کی خوشی سے کوئی سروکار نہیں۔ چاہے کوئی مجھے بیوقوف سرپھرا کہے، لیکن میں ایک گھر کو جہیز کی لعنت سے چھٹکارا دلا سکتا ہوں۔ میں دلا کر رہوں گا---- آپ بات نہیں کر سکتیں تو میں بخاری صاحب سے بات کروں گا امی۔

امی: نہیں نہیں، میں خود فیصلہ کرلوں گی ان سے۔

فہیم: ذرا بازو اٹھائیے۔

(بازو اٹھا کر بی پی چیک کرتا ہے منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے)

فیڈ آؤٹ

سین 5

ان ڈور

شام

(بیرسٹر بخاری کا لاؤنج یہ بڑے پڑھے لکھے تھری پیس سوٹ پہننے والے مونوکل لگانے والے آدمی ہیں۔ تھوڑی سی فرنچ کٹ قسم کی داڑھی بھی ہے جس میں کچھ سفید بال بھی ہیں۔ انہیں منی پلانٹ پودے کا عشق ہے۔ ان کے کمرے میں جابجا منی پلانٹ

گملوں میں لگا ہے۔ ان کے پاس ایک بچوں کے کھلونے سائز کا فوارہ ہے۔ اور ایک چھوٹی قینچی ہے وہ بیلوں کی کتر بیونت کرتے ہیں۔ ساتھ ساتھ فوارے کے چھینٹے دیتے ہیں اور باتیں کئے جاتے ہیں۔

سوشل ورکر عالم صاحب بڑے وضع دار تعلیم یافتہ خوش نصیب آدمی ہیں اور بیرسٹر صاحب کے دوست ہیں۔ وہ نہایت بڑھیا قسم کے سوٹ میں ملبوس ہیں اگر انہیں سمجھ نہ آئے تو ناخنوں کو دانتوں سے کٹکٹانے لگتے ہیں۔

(ان دو کے علاوہ اس وقت کمرے میں فہیم کی امی بیٹھی ہیں۔)

بخاری: آپ پریشان نہ ہوں اور غیرضروری تفصیلات میں نہ جائیں جب چاند کی تیسری تاریخ Fix ہوگئی ہے تو ہم زبان والے آدمی ہیں۔ چاند کی تیسری کب ہوگی عالم صاحب؟

عالم: آج سے ٹھیک نو دن بعد----

امی: جمعہ مبارک ہوگا اس دن۔

عالم: وقت کم ہے بخاری صاحب، سوچ لیجئے آپ---- کارڈ چھپنے میں ہفتہ لگ جائے گا۔ پھر دو تین دن کا نوٹس مہمانوں کو بھی ہونا چاہئے۔

امی: یہی سب کچھ تو میں سمجھا رہی ہوں کہ کارڈ وارڈ نہیں چھپیں گے۔

عالم: کیا مطلب؟

امی: کارڈ کی کیا ضرورت ہے آپ پیڈ کے کاغذ پر اطلاع دے دیجئے، رشتہ داروں دوستوں کو---- کہ----

بخاری: خیر آپ ہمارے انتظامات کے لئے Worry نہ کریں بہن جی۔ آپ اپنے گھر کی مختار ہیں۔ کارڈ چھپوائیں نہ چھپوائیں آپ کو اختیار ہے۔

امی: دیکھئے بخاری صاحب! مشکل یہ ہے کہ فہیم کی تعلیم دراصل میں نے درسی کتابیں پڑھ کر کی ہے چونکہ میں بیوہ عورت تھی کبھی بورڈنگوں میں رہی کبھی ایسے بند بند گھروں میں جہاں زیادہ لوگوں کا آنا جانا نہیں ہوتا۔ فہیم کو لوگوں سے ملنے کا اتفاق کچھ زیادہ نہیں ہوسکا وہ سمجھتا ہے کہ کیسے سمجھاؤں آپ کو

اب؟

بخاری: فرمائیے فرمائیے۔

عالم: ہم سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں جی----

امی: نعیم کا خیال ہے کہ لوگ چاہتے ہیں انہیں دلدل سے نکال کر معطر اور کھلی روشن زندگی عطا کی جائے۔ لیکن انہیں ایسا آدمی نہیں ملتا جو یہ کر سکتا ہو۔ وہ اصولوں کو Values کو بالکل اسی طرح مانتا ہے جیسے پانچویں کا بچہ۔ لوگوں سے نہیں ملا ناں بخاری صاحب---- ورنہ اسے پتہ چلتا کہ لوگ سبھی اصول پرست ہوتے ہیں، لیکن اپنے اپنے رنگ کے، کسی کا پارہ سو تک پہنچتا ہے کوئی ایک سو سولہ پر دم لیتا ہے۔ ایک چیز سمجھوتہ بھی ہے حکمت عملی بھی ہے۔ Considerations ہوتی ہیں سو رنگ کی---- ابھی نا سمجھ ہے آپ فکر نہ کریں، سمیرا ٹھیک کر لے گی اسے----

عالم: معاف کیجئے گا محترمہ میں آپ کے مطلب کو سمجھ نہیں سکا۔

امی: سیدھی بات یہ ہے کہ وہ کہتا ہے لڑکی والوں پر کوئی بوجھ ڈالنا گناہ ہے۔

عالم: واہ واہ سبحان اللہ----- ایسے نیک نفس لڑکے کہاں ہیں آج کل۔

امی: وہ کہتا ہے بجلی نہ لگی ہو، شامیانوں کا نشان نہ ہو، کھانا نہ ہو، فقط شربت پر نکاح ہو اور اس قدر جہیز ملے جتنا رسولؐ اللہ نے بی بی فاطمہؓ کو دیا۔ اب بتائیے درسی کتابوں جیسی باتیں نہیں تو اور کیا ہے؟

عالم: بڑی اچھی سوچ ہے صاحبزادے کی۔

بخاری: آپ فکر نہ کریں بہن جی آپ نعیم سے کہیں کہ ہم اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیں گے۔ کسی قسم کا اسراف، کسی قسم کی پھوں پھاں، شو شو نہیں ہوگی۔ وہ خاطر جمع رکھے۔ نہایت سلیقے سے بڑی سادگی کے ساتھ بڑی انکساری اور محبت کے ساتھ سمیرا اس کے سپرد کریں گے---- اور کچھ؟

امی: (اٹھتی ہے) بس جی اسی بات کی تسلی چاہئے تھی آپ سے۔

عالم: بخاری صاحب تو خود کتاب لکھ رہے ہیں۔

On "The evil traditions in Pakistan."

پھر انہیں سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔

امی: اچھا جی خدا حافظ۔

بخاری: آپ بیٹھتیں سمیرا آنے والی تھی ہسپتال سے۔

امی: نعیم بھی آنے والا ہو گا۔ صبح ناشتہ کر کے نہیں گیا تھا۔

بخاری: یہ بات ہے تو پھر مجبور نہیں کیا جا سکتا آپ کو۔

امی: السلام علیکم۔

بخاری، عالم: وعلیکم السلام۔ (امی چلی جاتی ہے بخاری اور عالم رہ جاتے ہیں)

عالم: لڑکا آپ کو اپنے ڈھب کا مل گیا بخاری صاحب۔

بخاری: اللہ کا شکر ہے اسی نے اسباب بنا دیئے ایسے۔

عالم: مجھے پندرہ سال ہو گئے ہیں جہاد کرتے ہوئے سوشل خرابیوں کے خلاف، میں جانتا ہوں کہ یہ کام کتنا مشکل ہے۔ لان میں گھاس لگاؤ بخاری جان تو گھاس کم لگتی ہے اور Weeds زیادہ نکل آتی ہیں۔ معاشرے کا بھی یہی حال ہے۔

بخاری: ہم تو ہر طرف سے ریٹائر ہو گئے۔ اب تو کتاب لکھیں گے اور ان منی پلانٹوں کی خبر گیری کریں گے بس----

عالم: بتیاں وتیاں لگانے کے تو میں بھی خلاف ہوں بخاری صاحب۔ ہمارے ملک میں قلت بہت ہے بجلی کی۔

بخاری: چلئے دوپہر کا کھانا سہی۔

عالم: ایک بات سمجھ نہیں آئی بخاری صاحب نعیم کی والدہ کی؟

بخاری: کونسی بات؟

عالم: دیکھئے ناں جہیز کوئی بنیادی خرابی نہیں ہے معاشرے کی رشوت ستانی، جھوٹ، ریاکاری، اونچ نیچ، حسب نسب کا فخر---- یہ محترمہ اور ان کا بیٹا کچھ خدائی فوجدار قسم کے لوگ لگتے ہیں۔ آپ اور ان کے معاملے میں جہیز کا مسئلہ ہے ہی نہیں۔ آپ afford کر سکتے ہیں آپ شوق سے دیں جو کچھ آپ کا جی چاہے۔ آپ کی اکلوتی بیٹی ہے کسی اور کی حق تلفی نہیں ہو رہی۔

(اس وقت سمیرا آتی ہے۔ اس نے Overall پہن رکھا ہے)

سمیرا: السلام علیکم ابا جی۔

عالم: وعلیکم السلام۔ ہمارا بیٹا تو پورا ڈاکٹر ہو گیا۔

بخاری: نعیم کی والدہ تاریخ مقرر کرنے آئیں تھیں۔

عالم: بخاری صاحب!

بخاری: ہماری بیٹی منہ میں انگلی دے کر شرمانے والی نہیں ہے۔ آج سے ٹھیک نو دن بعد جمعہ کے روز طے پایا ہے۔

سمیرا: (نظریں جھکا کر)

بخاری: تم کو وہ گدھا فہیم ملے تو کہنا انکل کہتے تھے ہمیں سمجھانے کی کوشش نہ کرے۔ ہم خود کتاب لکھ رہے ہیں۔ پاکستان کی مذموم رسومات کے خلاف۔

بخاری: میرے ساتھ ذرا Red light area کی طرف چلئے۔ میں آپ دکھاؤں۔

What is misery.

What is depression.

سوسائٹی کا ناسور دکھاؤں آپ کو۔ پتہ نہیں یہ نوجوان کہاں رہتے ہیں۔

بخاری: ہم ذرا Notes لینے جا رہے ہیں بیٹے تم کھانا کھا لینا۔

سمیرا: اچھا اباجی۔

(بخاری اور عالم جاتے ہیں سمیرا ایک صوفے پر بیٹھتی ہے۔ دبے پاؤں فہیم آ کر چپ چاپ پاس بیٹھ کر زور سے تالی بجاتا ہے)

سمیرا: (ڈر کر) ویری فنی۔

فہیم: بخاری صاحب کہاں ہیں۔

سمیرا: سیدھی طرح انکل کہا کریں انہیں۔

فہیم: انکل صاحبان کہاں ہیں۔ وہ اور ان کے ہمزاد عالم صاحب؟

سمیرا: کیوں؟

فہیم: ابھی کچھ کھپلا ڈال گئی ہیں اچھی طرح کیل ٹھونک کر نہیں گئیں۔

سمیرا: شادی ہو رہی ہے کوئی دروازے کھڑکیاں فٹ نہیں ہو رہے ہیں ہمارے ہاں۔

فہیم: سمیرا تم آئیڈیلسٹ نہیں ہو اور لڑکیوں کو ہونا بھی نہیں چاہئے کیونکہ انہیں بچے پالنا پڑتے ہیں۔ لیکن تم سمجھتی نہیں ہو۔ میرے اندر کیسی آگ لگی ہے کیا کچھ کرنا چاہتا ہوں، کیا کیا کچھ؟

سمیرا: فہیم!

فہیم: جی ڈاکٹر صاحب

سمیرا: خواہ مخواہ سیدھی سڑک پر پہاڑ نہ کھڑے کر لینا اپنی نادانیوں سے۔

فہیم: کیسی نادانیاں؟

سمیرا: یہ جو تمہیں بخ لگی ہے کہ شادی پر نہ کوئی رسومات ہوں اور نہ جہیز ہو نہ بلہ گلہ ہو نہ کھانا پکانا----

فہیم: میں نے بلہ گلہ سے کب منع کیا ہے؟

سمیرا: اباجی سادگی پسند ہیں جو کچھ ہو گا حد سے بڑھا ہوا نہ ہو گا۔

فہیم: تمہیں کیا کچھ چاہئے سمیرا۔ سچ سچ بتاؤ۔

سمیرا: مجھے؟---- دو اوورہال، تین سرنجیں، ایک بلڈ پریشر اپریٹس ایک جوتا Comfertable قسم کا۔ چار ساڑھیاں، واش اینڈ ویئر ایک Sun glass، دو تھرما میٹر، کچھ بلاؤز، کچھ Under clothes

فہیم: اور سچ سچ بتانا کیا کچھ تیاری ہو چکی ہے ادھر۔

سمیرا: بھئی جو کچھ اباجی afford کر سکتے ہیں آسانی سے وہ۔

فہیم: تمہیں میری جان کی قسم! تین کپڑوں میں میرے ساتھ چلنا ہو گا تمہیں۔ میں تم سے اس لئے شادی نہیں کر رہا سمیرا کہ مجھے تم سے شدید محبت ہے۔ میں تم سے اس لئے شادی کرنا چاہتا ہوں کہ تم عام لڑکیوں کی طرح چھوٹے دل والی نہیں ہو۔ تم Mean petty اور Ego centric نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ لوگوں کی خدمت کرنا آسان ہو گی۔ دو ہاتھ پٹی باندھیں تو جلدی آدمی گرہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ہے نا؟

سمیرا: (خوف کے ساتھ) شاید۔

فیڈ آؤٹ

سین 6

ان ڈور

صبح کا وقت

(ماں پلنگ پر نیم دراز ہے اور کہنی کے بل سر کو سہارا دیئے

ہوئے ہے۔ نعیم کے ہاتھ میں اخبار ہے----)

ماں: ویسے کیوں مجھے زہر نہیں دے دیتا۔ جیسی میری صحت ہے چٹکی بھر بہت ہو گا۔

نعیم: حد ہو گئی---- آپ سمجھنے کی کوشش تو کریں۔

ماں: نعیم! تم نے برج نہیں کھیلی لیکن میں تمہیں بتاتی ہوں کہ کئی کھلاڑی شیخی میں Over bid کر دیتے ہیں۔ ان کے پاس دوسروں کے پتے نہیں ہوتے اور وہ Grand slam کی سکیمیں بناتے ہیں۔

نعیم: میں شیخی میں گگرڑ نہیں جارہا۔ میرے دل میں آگ سی لگی ہے۔

ماں: پرسوں مہندی کی رات ہے اور تو آج۔

نعیم: سمیرا آپ کی طرح نہیں ہے۔

ماں: میری طرح نہ سہی اول و آخر لڑکی ہے۔ وہ کیا سمجھے گی دولہا گگرڑ کے نواحی علاقے میں چلا گیا ہیضے کی Epidemic سے لوگوں کو بچانے---- اور کوئی ڈاکٹر نہیں ہے جانے والا۔

نعیم: Contingeney کم ہے ایمرجنسی زیادہ ہے۔

ماں: شادی کے بعد سہی سمیرا کو بھی ساتھ لے جانا۔

نعیم: ایک گھنٹے میں خدا معلوم کتنی جانیں تلف ہو جائیں آپ 72 گھنٹوں کی بات کر رہی ہیں۔

ماں: نعیم! اکیلا چنا کیا بھاڑ جھونکے گا۔ میں نے مان لیا تو نیک نیت ہے تو بہت کچھ کرنا چاہتا ہے۔ پر معاشرے کے دکھ نہ ایک آدمی کے بس کا روگ ہیں نہ ایک دن میں سمٹ جانے والے ہیں۔

نعیم: آپ جو مرضی کہیں جس طرح چاہیں روکیں میں اپنی شادی کو Epidemic پر ترجیح نہیں دے سکتا۔

ماں: کچھ عقل کو ہاتھ ڈال۔

نعیم: میں شادی سے انکار نہیں کر رہا۔ صرف دس بیس پچیس دن کی مہلت مانگ رہا ہوں۔ آپ بخاری صاحب سے بات کرنا چاہیں تو کر لیں ورنہ میں خود ان سے عرض کروں گا۔

ماں: نعیم! وہ لڑکی کا باپ ہے ہوش کر---- مصلحت سوچ کچھ۔

نعیم: آپ لوگ---- آپ کی Generation کیا چیز ہے؟ سمجھوتے، حکمت عملی،

مصلحت، بہتری، کیا کیا ڈھالیں ایجاد کر رکھی ہیں آپ لوگوں نے جھوٹ، ریاکاری، بددیانتی کو محفوظ کرنے کے لئے۔

ماں: کیا کہہ رہے ہو تم۔

نعیم: پہلے تولو پھر منہ کھولو---- صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے---- سانچ کو آنچ نہیں---- نیکی کر دریا میں ڈال۔ یہ سارے محاوروں کا جھکڑ کیوں چلا رکھا ہے آپ لوگوں نے---- یہ آپ لوگ کیسی میراث ہمارے سپرد کر جاتے ہیں جو نوادرات کی طرح محض سجنے سجانے کے قابل ہوتی ہے---- آپ نے مجھ سے اتنا ظلم کیوں کیا---- کیوں کیوں کیوں؟ میں کوئی آپ کا دشمن تو نہیں تھا۔ بیٹا تھا آپ کا؟ بیوگی کا سہارا تھا آپ کا---- کیوں کیا اتنا ظلم آپ نے مجھ پر۔

ماں: نعیم!

نعیم: آپ نے مجھے ان Values سے پیار کرنا کیوں سکھایا جو مشروط تھیں۔ آپ نے میرے ہاتھ میں ایسے اصولوں کی تلوار کیوں تھمائی جو دیمک زدہ لکڑی کی طرح بودی تھی۔ آپ نے مجھے سوسائٹی کے لئے جوکر کیوں بنایا امی۔ بولیئے مجھ پر ہنسنے کے لئے اتنا بڑا معاشرہ تھا۔ آپ جانتی تھیں اور پھر بھی---- پھر بھی آپ مجھے سکھاتی رہیں۔ ایسے اصول جو نہ کہیں استعمال ہوتے ہیں نہ ہوں گے کس لئے آپ نے مجھ سے یہ بدلہ لیا کس لئے، کس لئے، کس لئے؟

(نعیم کا چہرہ دکھ اور کرب سے اٹا پڑا ہے کیمرہ اس کی ماں پر آتا ہے جو شرمندہ ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 7

ان ڈور

دن

(اس وقت فہیم بپھرے ہوئے مزاج کے ساتھ بخاری صاحب کے لاؤنج میں کھڑا ہے بخاری صاحب اپنے مونوکل صاف کر رہے ہیں۔ عالم صاحب اخبار میں سے کوئی تراشا قینچی کے ساتھ کاٹ رہے ہیں)

عالم: یاد کیجئے بخاری صاحب کیا کہا تھا پرسوں میں نے آپ سے۔

بخاری: ہاں کہا تو تھا پر۔

عالم: میرا اندازہ یہی تھا۔

فہیم: مجھ سے بات کیجئے عالم صاحب---- کیا اندازہ تھا آپ کا۔

عالم: میں ان سے---- کہہ رہا تھا برخوردار کہ تم ان تلوں میں سے نہیں ہو جن میں تیل ہوتا ہے۔

فہیم: جی؟

عالم: ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے ایک وقت ہوتا ہے۔

فہیم: سچ کی بھی؟---- نیکی کی بھی؟---- پانچ بج کر بارہ منٹ پر نیکی نیکی ہوتی ہے اور پانچ بج کر بائیس منٹ پر نیکی نیکی نہیں رہتی۔ یہ مطلب ہے آپ کا؟

عالم: تم ابھی جذبات کی جھاگ سے کھیل رہے ہو تم کو زندگی کے گہرے پانیوں کا احساس نہیں۔ یہ چیز تجربے سے، علم سے، صبر سے حاصل ہوتی ہے بیٹا جی۔

فہیم: مجھے ایسا علم، ایسا صبر، ایسا تجربہ نہیں چاہئے جو رنگ دار عینک کی طرح سب کچھ اندھیر کر دیتا ہے۔

بخاری: بیٹا کارڈ بٹ چکے ہیں تیاری ہو چکی ہے سارے شہر میں ہماری عزت ہے۔ تم اگر شادی نہیں کرنا چاہتے تو وہ اور بات ہے یونہی مفت میں جگ ہنسائی ہمیں پسند نہیں۔

عالم: بالکل۔

فہیم: دیکھئے انکل میں پانچ آدمی بارات میں لا رہا تھا۔ یہی طے تھا ناں۔ آپ کے ساتھ---- ایک میں ایک امی تین میرے دوست---- انہیں میں آدھے گھنٹے میں لے آؤں گا آپ لوگ نکاح کا بندوبست کریں۔

عالم: میاں صاحبزادے تم ایک معمولی ریٹائرڈ ہیڈ مسٹرس کے لونڈے ہو بخاری صاحب سے آدھا شہر واقف ہے۔ وہ کس کس کو اکٹھا کر سکتے ہیں۔ آدھے گھنٹے

میں۔

فہیم: تو پھر میری واپسی تک انتظار کیجئے۔

بخاری: اچھا؟

فہیم: اگر میں نے دیکھا کہ صورت حال بہتر ہو گئی ہے تو میں بیچ میں ہی آ جاؤں گا۔

عالم: ہیضے کے بعد چیچک کی وباء پھیلے گی پھر طوفان آئے گا مشرقی پاکستان میں۔ اس کے بعد ٹی بی کی مہم پر نکلو گے میاں صاحبزادے ہمیں دولہا چاہئے بیٹی سمیرا کے لئے خدائی فوج دار نہیں چاہئے۔

فہیم: میں---- میں سمیرا سے چند منٹ مل سکتا ہوں انکل۔

بخاری: ہاں۔

فیڈ آؤٹ

سین 8

ان ڈور

شام

(سمیرا ایک ایسے کمرے میں مائیوں بیٹھی ہے جس میں صرف ایک قالین اور چند گاؤ تکئے پڑے ہیں۔ کچھ سہیلیاں دوپٹوں کو گوٹا لگا رہی ہیں۔ ایک لڑکی ڈھولک بجا رہی ہے۔ اس کے ساتھ کوئی بھی گا نہیں رہی۔ ڈھولک جاری رہتا ہے بخاری صاحب آتے ہیں۔ سمیرا کے کان میں کچھ کہتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ سمیرا ایک دوست کو بلا کر اسے کچھ کہتی ہے وہ باری باری سب کو کچھ کہتی ہے لڑکیاں شرارت سے مسکرائیں رخصت ہوتی ہیں فہیم آتا ہے۔)

فہیم: سمیرا، ڈاکٹر صاحب۔

سمیرا: (ناراضگی سے) خدا کے لئے کچھ عقل کریں آپ! کیا الٹی باتیں کر رہے ہیں۔

فہیم: اٹھو سمیرا ہم دونوں گھر جا رہے ہیں آج۔ چاہو تو جانے سے پہلے نکاح ہو جائے۔ مجھ پر اعتماد کرنا چاہو تو واپسی پر نکاح ہو جائے گا۔

سمیرا: فہیم!

فہیم: جی؟

سمیرا: میں فرض اور محبت کی جنگ وغیرہ کا فلمی مسئلہ کھڑا کرنا نہیں جانتی۔ لیکن آج تمہیں چننا ہو گا---- مجھے یا اپنی ہٹ دھرمی کو۔

فہیم: (آنکھیں بند کر کے) یہی میں سوچتا تھا کہ کبھی نہ ہو گا---- میں کبھی سوچتا بھی نہ تھا کہ میرا مشن اور سمیرا دو علیحدہ چیزیں ہیں مجھے کسی ایک کو چننا ہو گا ان دونوں میں سے۔

سمیرا: میں بھی---- ایک احمقانہ خیال کو سہلاتی رہی ہوں اتنے سال---- میرا خیال تھا تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ لیکن میں تو ایک Tool ہوں تمہارے ہاتھوں میں۔ فقط ایک پگڈنڈی ہوں میں۔ تم وہ Foolish خواب پورے کرنا چاہتے ہو جو نویں جماعت کے بعد ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ میں تمہارا ساتھ دے بھی دوں تو فہیم کہاں تک کب تک----؟

فہیم: جب میں چھوٹا تھا سمیرا---- تو میں نے ایک دفعہ ایک چڑیا پکڑ لی تھی۔ مجھے اس چڑیا کا خاکستری رنگ اتنا برا لگا کہ میں نے---- میں نے اسے نیلی سیاہی سے رنگ کر چھوڑ دیا---- جانتی ہو پھر کیا ہوا؟

سمیرا: کیا۔

فہیم: جب وہ اپنی رشتہ دار چڑیوں میں پہنچی تو ٹھونگیں مار مار کر سب نے اسے لہو لہان کر دیا---- یہاں صرف خاکستری بد رنگ چڑیاں زندہ رہ سکتی ہیں---- میں نیلی چڑیا ہوں---- میں اپنے انجام سے واقف ہوں۔
(جانے لگتا ہے)

سمیرا: کہاں جا رہے ہو؟

فہیم: نیلی چڑیا کہاں جائے گی بچ کر۔

سمیرا: فہیم کہاں جا رہے ہو تم۔

فہیم: گھر---- تم میرے ساتھ نہیں جا سکتیں۔ بس یہی بہت ہے میرے لئے برداشت کرنا۔

سمیرا: تم کو رتی بھر پروا نہیں کہ جگ ہنسائی ہو گی۔ باتیں بنیں گی---- میری سہیلیاں کیا کہیں گی؟

فہیم: پہلے لوگ پتھر مارا کرتے تھے اب ہنستے ہیں باتیں کرتے ہیں۔

سمیرا: تمہیں اس بات کی پروا بھی نہیں کہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔

فہیم: مجھے اس دل پر اتنا اعتماد ہے سمیرا کہ جب چاہوں اسے جوڑ سکتا ہوں۔ یہی اعتماد لے کر تو میں اتنے بڑے جہاد پر نکلا ہوں----

سمیرا: خدا حافظ فہیم! کاش تمہیں مجھ سے محبت ہوتی!----
(فہیم چلا جاتا ہے سمیرا پر کیمرہ جاتا ہے)

فیڈ آؤٹ

سین 9

کلینک

پہلے سین کا وقت

(بوتلیں قریب قریب ختم ہو چکی ہیں۔ فہیم کرسی سے پشت لگائے بیٹھا ہے۔)

فہیم: اقتدار جب پانی کے بلبلے میں اس کے خوابوں کی ہوا سما جاتی ہے تو وہ خوشی کے ساتھ پانی کی سطح پر آتا ہے لیکن جب وہ اردگرد ہزاروں بلبلے دم توڑتے دیکھتا ہے تو چپکے سے اپنا پیراشوٹ کھول دیتا ہے۔ سارے خواب سارے Ideals ہوا بن کر نکل جاتے ہیں۔ اور اس کا وجود سپاٹ پانی کی سطح سے مل جاتا ہے۔ Idealistic باتوں کی Idealistic لوگوں کی تو بس اتنی سی کہانی ہے۔

اقتدار: لیکن تمہیں تو اتنا اعتماد تھا سمیرا پر---- واپسی تک اس نے انتظار نہ کیا تمہارا----

فہیم: دس برس کا لڑکا تتلیوں کے پیچھے بھاگتا ہے لیکن دس برس کی لڑکی گھر بسانے کا سوچتی ہے- سمیرا پوری بالغ لڑکی تھی- وہ تتلیوں کے پیچھے بھاگنے والے انتظار کیوں کرتی بھلا!

اقتدار: Where is she now.

فہیم: کراچی میں ہے شاید- کچھ دنوں اس نے ایک مشنری ہسپتال میں کام کیا تھا- لیکن اس کے بزنس مین شوہر نے غالباً سمجھا لیا یا وہ خود ہی سمجھ گئی- کام نہیں کیا اس نے-

اقتدار: اچھا بھئی.Its getting late. I hetter huzz off

فہیم: تھینک یو---- میں آؤں گا تمہارے ہوٹل-

اقتدار: Welcome

السلام علیکم

فہیم: وعلیکم السلام

اقتدار: لیکن یار بخاری صاحب بڑے اچھے تھے- سمیرا Priceless لڑکی تھی-

(اقتدار چند قدم چلتا ہے پھر آتا ہے)

فہیم: میں معاشرے کو الزام نہیں دیتا- میں ہمیشہ اسبات پر حیران ہوتا ہوں کہ وہ لوگ جو اس قدر اچھے تھے جو خود رسومات کی زنجیریں توڑنا چاہتے تھے وہ اندر سے اتنے Conventional اور روایتی نکلے-

اقتدار: I am sorry.

فہیم: افسوس اس بات پر نہیں کہ معاشرہ پراگندہ ہے- حیرانی دکھ اس بات پر ہوتا ہے کہ لوگ ایک بھی نیلی چڑیا کو زندہ نہیں چھوڑتے یہاں صرف خاکستری رنگ کو زندہ رہنے کی اجازت ہے اور بس----

اقتدار: میں کراچی میں ملوں گا سمیرا کو----

فہیم: سمیرا سے مت ملنا---- وہ تم سے کہے گی تمہیں فہیم یاد ہے That Idealistic chap.؟ وہ تو بالکل Jew بن گیا---- اور سمیرا ٹھیک کہتی ہے--- میں بالکل یہودی بن گیا ہوں-

اقتدار: خدا حافظ-

فہیم: خدا حافظ-

(فہیم چپ چاپ بیٹھا ہے)

اقتدار: بڑی معمولی اور بڑی چھوٹی سی بات ہے فہیم- میں سمجھ نہیں سکا شادیاں عام طور پر بڑے بڑی واقعات کی وجہ سے رکا کرتی ہیں یہ تو معاف کرنا بڑی بودی سی وجہ ہے-

فہیم: بعض اوقات بڑی بودی باتیں ہموار راستے کے پہاڑ بن جاتی ہیں

اقتدار: لیکن---- ان دنوں سمیرا ہے کہاں؟

فہیم: ملتان میں---- چند دن اس نے ایک خیراتی ہسپتال میں کام بھی کیا تھا لیکن پھر اس کے کارخانہ دار شوہر نے سمجھایا کہ---- یا میرے خیال میں وہ خود ہی سمجھ گئی ہوگی کہ اس بک بک میں کیا رکھا ہے-

اقتدار: تو پھر وہ اب کیا کر رہی ہے؟

فہیم: اب وہ ایک بڑی سیاسی شخصیت اور نامور سوشل لیڈر ہے-

اقتدار: کیا مطلب؟

فہیم: تم نے بیگم ایس نادر علی کا نام نہیں سنا؟

اقتدار: ایس نادر علی سمیرا ہے؟

فہیم: ہاں-

اقتدار: وہی جس نے سماج کی بڑی رسموں اور قبیح رواجوں کے خلاف ملک بھر میں جہاد کر رکھا ہے-

فہیم: ہاں وہی-

اقتدار: جس نے ملک سے جہیز کی لعنت دور کرنے کے لئے ایک عظیم الشان تحریک چلائی ہے-

فہیم: بالکل وہی-

اقتدار: جو Social evils کے خلاف ہر زبان میں لٹریچر چھپوا کر تقسیم کر رہی ہے-

فہیم: بے شک، وہی-

اقتدار: ڈاکٹری چھوڑ کر یہ مصروفیت اپنائی ہے اس نے-

فہیم: اس وقت دو ہی مصروفیتیں ہیں---- جہیز کی لعنت دور کرنے کے لئے اپنی تحریک کو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلانا اور ہر دوسرے تیسرے مہینے لنڈی کوتل اور کابل جا کر ابھی سے اپنی خورد سال بچی کے لئے جہیز کی چیزیں خریدنا-

(ڈاکٹر اقتدار کا منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے اور ڈاکٹر فہیم اپنی سرنج اٹھا کر شیشی ہلاتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے۔)

فیڈ آؤٹ

آدم زاد

کردار:

- ماریو
- سکینہ
- کلثوم
- زینب
- باپ
- ڈاکٹر
- سائیں
- چیلا
- ماسٹر
- سلیم

سین 1

(یہ حیرت کدہ سکینہ پر ماریو جن کے سائے سے متعلق ہے۔ ماریو سکینہ سے محبت کرتا ہے۔ سکینہ بھی اس سے پیار کرتی ہے۔ دنیا والے اسے مرگی، سرسام، ہذیان، پاگل پن، سایہ اور جانے کیا کیا سمجھتے ہیں۔ سکینہ کا مختلف قسم کا علاج بھی کروایا جاتا ہے۔ آخر میں آدم زاد جن کی محبت سے سکینہ کو رہا کر دیتا ہے اور جن ماریو روتا ہوا رخصت ہوتا ہے۔ اس سکرپٹ میں جن ماریو عموماً سکرین پر نہیں آتا صرف اس کے بوٹ اور گھٹنے تک کا حصہ نظر آتا ہے۔ دانتے کے عہد کا لباس یعنی یونانی لبادہ بھی نظر آتا ہے۔

جب منظر فیڈ ان ہوتا ہے تو ہم ایک بند دروازہ دکھاتے ہیں یکدم اس کی کنڈی آپی آپ کھلتی ہے۔ پھر دروازہ چوپٹ کھل جاتا ہے۔ اب ماریو چلتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے۔ گھٹنے سے نیچے نیچے اس کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے ہم سکینہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ ماریو ایک لکڑی کی بازو والی نیچی کرسی پر بیٹھتا ہے۔ اس کے گھٹنے ایک لٹکا ہوا ہاتھ بوٹ اور لبادہ نظر آتا ہے۔

سکینہ کا کمرہ ایک آٹھویں پاس متوسط طبقے کی لڑکی کا کمرہ ہے۔ جو اندرون شہر کے کلچر سے تعلق رکھتی ہے۔ سکینہ اس وقت پلنگ پر اوندھی لیٹی ہے۔ ایک مخصوص دھن جو سارے سکرپٹ میں ماریو کے آنے پر بجتی ہے۔ عقب میں جاری ہو جاتی ہے۔ سکینہ اس وقت سسکیاں بھرنے کے انداز میں ناہموار سانس لے رہی ہے۔

ایک گلدستہ گلاب کے پھولوں کا سکینہ کے پلنگ پر اوپر سے گرتا ہے۔

ماریو: سکینہ!

سکینہ: اب مت بلاؤ مجھے۔

ماریو: میں تمہارے لئے نیلپز کے گلاب لایا ہوں۔

سکینہ: اپنے پاس رکھو اپنے نیلپز کے گلاب، بہت دیکھے ہیں ہم نے ایسے مرجھا جانے والے پھول----

ماریو: ہوا کیا ہے؟

(اب سکینہ اٹھ کر بیٹھ جاتی ہے۔ اس کے چہرے پر تازہ آنسوؤں کے نشان ہیں----)

سکینہ: یہ بھی اب میں ہی بتاؤں گی؟

ماریو: ایک بار---- صرف آخری بار۔

سکینہ: رات آئے کیوں نہیں----

ماریو: میں آیا تھا تم سو چکی تھیں۔

سکینہ: سچ کہ جھوٹ۔

ماریو: مجھے تمہاری قسم---- میں---- تو صبح تک یہاں بیٹھا تمہیں دیکھتا رہا---- میں تو---- کبھی نہ جاتا سکینہ پر تمہارے گھر والوں کو میرے یہاں رہنے سے بہت تشویش رہتی ہے۔ اسی لئے چلا گیا۔ کیا کرتا۔ (لمبی آہ)

سکینہ: گھر والوں کی بھلی کہی---- ماریو جس گھر میں نوجوان لڑکی ہو اس گھر کے لوگوں کو تشویش ہوتی ہی ہے۔

ماریو: کیا مطلب----

سکینہ: (پھولوں کو اٹھا کر سینے سے لگاتی ہے اور ان کو پیار کرتے ہوئے کہتی ہے) جوان لڑکی کھڑکی میں کیوں کھڑی تھی۔ جوان لڑکی نے عطر کیوں لگایا۔ جوان لڑکی کا کاجل کیوں پھیلا۔ روئی ہوگی چھپ چھپ کر، اٹھتے وقت سر سے پلا کیوں کھسکا۔ بیٹھتے وقت دوپٹہ کیوں لٹکا رہا۔ ایک مصیبت ہے جوان لڑکی بھی---- بجلی چلی جائے جوان لڑکی کا قصور---- دودھ پھٹ جائے جوان لڑکی کی غلطی---- رکشے والا پیسے زیادہ مانگے جوان لڑکی ملزم---- سارے گھر کی ردی ٹوکری، جوان لڑکی، جوان لڑکی، جوان لڑکی۔

ماریو: تمہارے گھر والے تمہیں بہت چاہتے ہیں۔

سکینہ: اونہہ چاہتے ہیں۔ ان کی تو بس یہ مرضی ہے کہ کسی طرح میں ان کی مرضی کے مطابق ٹھیک ہو جاؤں وہ دو کلمے پڑھوا دیں میرے کسی سے---- وہ کیا جانیں تمہاری دوستی نے مجھے کیا کچھ کر دیا ہے؟ میرے سارے دکھ جذب کر لئے ہیں

اس دوستی نے۔

ماریو: آج سے کئی سو سال پہلے میں نے فلورنس کی بیٹرس سے محبت کی تھی۔ وہ نوخیز دوشیزہ محبت کے لفظ سے بھی ناآشنا تھی اس نے میری محبت کا جواب نہ دیا۔ اسی محبت کی تلاش مجھے کوچہ کوچہ، قریہ قریہ---- ملک ملک لئے پھری اور صدیوں لئے پھری۔

سکینہ: اور میں ماریو----؟ میں----

ماریو: تم اسکول سے---- واپس آرہی تھیں بادل آسمان پر چھائے تھے۔ اندھیرا سا تھا۔ برگد کے درخت کی جڑیں نیچے کو جھول رہی تھیں۔ جب تم ان کے نیچے سے گزریں تو میری بھولائی لٹوں کو تم نے درخت کی جڑیں سمجھ کر پکڑ لیا---- بیٹرس پھر زندہ ہوگئی۔

سکینہ: جس قدر میری تنہائی کا تم کو خیال ہے ماریو اتنا تو میرے سائے کو بھی نہیں وہ بھی اندھیرے میں میرا ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔

ماریو: سکینہ سیدھی لائن کیا ہے۔ فقط نقطوں کا تواتر---- ساتھ ساتھ نقطے ڈالتے جاؤ تو ایک سیدھی لائن بن جاتی ہے۔ ماریو کیا ہے سکینہ---- سکینہ، سکینہ---- سکینہ----؟

(اس وقت دروازے پر دستک ہوتی ہے، کیمرہ دروازے کی جانب رخ کرتا ہے۔ ماریو کی کرسی خالی ہوجاتی ہے۔ زینب اور کلثوم اندر داخل ہوتی ہیں۔ کلثوم کے ہاتھ میں دم کیا ہوا پانی ہے۔ اور زینب کے بازو پر ایک تھان کپڑے کا ہے۔ آہستہ آہستہ زینب اور کلثوم باتیں کرتی ہیں۔)

کلثوم: اب طبیعت کیسی ہے اس کی ماسی جی۔

ماسی: تیرے سامنے ہے کلثوم۔

سکینہ: (اطالوی میں نظم پڑھتی جاتی ہے)

کلثوم: (پاس آکر) سکینہ! میں بی بی پاکدامن گئی تھی وہاں سے پانی دم کرا کے لائی ہوں تیرے لئے۔

کلثوم: میری بی بی بہن ذرا پانی پی لے۔

(کلثوم منت سے پانی پلاتی ہے۔ سکینہ دیوانوں کا سا قہقہہ لگاتی ہے)

زینب: دیکھا---- دیکھا تو نے کلثوم- اب جو کوئی اسے دیکھ لے تو بتا ہو سکتا ہے اس کا رشتہ کبھی- اٹھ کھڑی ہو سکینہ ذرا تیرا ناپ لینا ہے- (سکینہ اٹھ کھڑی ہوتی ہے-)

سکینہ: (اطالوی میں) mama mie

زینب: دیکھ دیکھ کیا بولتی ہے بکواس (اب زینب سکینہ کے سر سے پاؤں تک تین دفعہ تھان سے کپڑا لے کر ناپتی ہے- اور بولتی ہے) چاچی عائشہ نے بتایا تھا کہ اس کے قد سے تین بار کورا لٹھا ناپ کر کسی کو خیرات کر دو کبھی سایہ رہ ہی نہیں سکتا انشاء اللہ-

کلثوم: آپ فکر نہ کریں ماسی جی پانی بھی میں حاجی وارث حسین کی درگاہ سے دم کروا کر لائی ہوں-

زینب: تو اب گھر سے باہر نہ نکلا کر کلثوم- تاریخ مقرر ہو جائے تو پھر نکلا نہیں کرتے گھر سے- (کلثوم یہ جملہ سن کر شرما جاتی ہے)

(زینب کپڑا ناپتی ہے منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے-)

فیڈ آؤٹ

سین 2

ان ڈور

شام

(یہ ایک چھوٹے سے گھر کا پیارا سا صحن ہے- اس وقت سکینہ بالکل نارمل حالت میں تخت پوش پر بیٹھی ہے- اس نے سر پر دوپٹے کی بکل مار رکھی ہے- اور کھڑے زانو پر بازو رکھ کر ٹھوڑی ٹکا رکھی ہے- دوسرے ہاتھ سے وہ پاؤں کے انگوٹھے اور انگلیوں سے کھیل رہی ہے-

تخت پوش کے پاس تپائی پر ڈاکٹر صاحب کا بیگ بلڈ پریشر کا آلہ اور کچھ دوائیاں ٹیکے پڑے ہیں- زینب اور باپ دائیں بائیں مودب کھڑے ہیں- باپ دستی پنکھی سے ڈاکٹر صاحب کو جھل دے رہا ہے-)

زینب: بس ڈاکٹر صاحب جب دورہ پڑتا ہے پھر یہ سکینہ سکینہ نہیں رہتی میموں جیسی تو زبان بولنے لگتی ہے-

باپ: (دبی آواز میں) اطالوی زبان ڈاکٹر صاحب-

زینب: مجھے بتا تو لینے دو سارا معاملہ----

ڈاکٹر: یہ دورے کب سے پڑ رہے ہیں؟

زینب: آٹھویں میں تھی تب---- اب تو اسے سکول سے اٹھائے بھی تین سال ہو گئے ہیں- جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی---- تین سال اور پانچ مہینے-

ڈاکٹر: دیکھئے سکینہ بی بی آپ پڑھی لکھی ہیں- اور ذہین نظر آتی ہیں اس لئے میں آپ سے عرض کروں گا کہ جب تک مریض ڈاکٹر کے ساتھ پوری طرح Cooperate نہ کرے- علاج بے معنی ہوتا ہے-

سکینہ: میں بیمار نہیں ہوں ڈاکٹر صاحب----

ڈاکٹر: لیکن آپ کی والدہ تو کہتی ہیں کہ آپ کو سایہ ہے کسی جن کا-

سکینہ: وہ جن جس سے اماں اس قدر متفکر ہیں بالکل بے ضرر اور ہمدرد ہے- اس نے آج تک مجھے کوئی تکلیف نہیں دی نہ کبھی دے گا-

باپ: (سرگوشی کے انداز میں) یہ ٹھیک ہو جائے گی ڈاکٹر صاحب؟

ڈاکٹر: آپ فکر نہ کریں- میرا خیال ہے کہ ہسٹریا کا مرض ہے-

زینب: ہائے ہائے اللہ نہ کرے- یہ روگ تو عمر بھر کا ہوتا ہے- موئی مرگی کی طرح-

ڈاکٹر: کیا اس جن کو آپ دیکھ سکتی ہیں؟ (بلڈ پریشر کا آلہ لگاتے ہوئے)

سکینہ: بالکل جس طرح میں آپ کو دیکھ سکتی ہوں-

ڈاکٹر: گھر کا کوئی اور فرد بھی اسے دیکھ سکتا ہے؟ آپ کی طرح-

سکینہ: جی نہیں-

ڈاکٹر: جس وقت یہ جن آتا ہے تو اس وقت آپ میں کیا تبدیلی آتی ہے؟ آپ کیا محسوس کرتی ہیں، کیا آپ کے جسم پر بھی اس کا کچھ اثر ہوتا ہے؟

سکینہ : کبھی کبھی میری ہتھیلیاں کھردری ہوجاتی ہیں اور میرے گلے میں رکاوٹ سی پیدا ہوجاتی ہے جیسے کچے پکے بیر کھاکر گلہ بیٹھ سا نہیں جاتا ڈاکٹر صاحب---؟ بس اور کچھ نہیں۔

باپ : لیکن--- یہ مرض کیا ہے؟

ڈاکٹر: میں ابھی اچھی طرح تشخیص نہیں کرسکا لیکن جہاں تک میرا خیال ہے یہ ہسٹریا ہی کی ایک قسم ہے۔

سکینہ : ڈاکٹر صاحب میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مجھے کوئی مرض کوئی ہسٹریا، کوئی مرگی، کوئی دماغی مرض نہیں ہے آپ--- آپ اباجی پریشان نہ ہوں۔ ماریوچ سکا ایک بے ضرر حقیقت ہے وہ صرف میرا دوست ہے---

زینب : ہائے ہائے دوست ! کچھ شرم کر لڑکی ! جوان لڑکی کا بھی کوئی دوست ہوا ہے--- سنی بات آپ نے؟ کوئی اور سن لے تو قیامت آجائے۔

(ڈاکٹر ٹیکہ تیار کرتا ہے)

سکینہ : بدقسمتی سے اماں جی اس بدنصیب لڑکی کا ایک دوست ہے۔

زینب : یہ دیکھئے آپ۔ ابھی تو آٹھویں میں اٹھالیا ورنہ خدا جانے کس کس طرح نام روشن کرتی ہمارا۔

سکینہ : میں تو حیران ہوں آپ ایک اڑتی اڑتی خوشبو سے، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سے، مسجد سے آنے والی اذان سے تو کبھی حیران نہیں ہوئے ماریوچسکا سے آپ کیوں خائف ہیں۔ وہ تو ان ہی چیزوں کی طرح لطیف اور بے ضرر ہے۔ (ٹیکہ لگانے کے لئے بازو اٹھاتا ہے لیکن سکینہ بازو پرے کرتی ہے) ڈاکٹر صاحب میں بیمار نہیں ہوں، نہیں ہوں میں بیمار، خدا کے لئے سمجھئے۔

(زینب آستین اوپر کرتی ہے ڈاکٹر ٹیکہ لگاتا ہے)

سکینہ : ڈاکٹر صاحب آپ کو پورا یقین ہے کہ آسٹریلیا نامی جزیرہ ہے کہیں؟

ڈاکٹر: (ٹیکہ لگاتے ہوئے) آپ نے دیکھا نہیں اٹلس میں۔

سکینہ : لیکن آپ نے آنکھوں سے تو نہیں دیکھا ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر: دیکھا تو نہیں لیکن سائنٹیفک آدمی ریسرچ کرچکے ہیں بی بی۔

سکینہ : جو باتیں سائنس آپ کو سمجھا دیتی ہے کتنی جلدی سمجھ آجاتی ہیں آپ کو۔ ذرا سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ ہوسکتا ہے کچھ ایسے تجربات بھی ہوں جن کا آپ کو

ادراک نہ ہو۔ آپ کو تجربہ نہ ہو لیکن آسٹریلیا جزیرے کی طرح وہ روحانیت کے چشمے واقعی وجود ہوں۔

ڈاکٹر: (محبت کے ساتھ کندھا تھپتھپا کر) اتنی اچھی تو باتیں کرتی ہیں آپ اتنی شستہ زبان استعمال کرتی ہیں اور پھر اپنی امی ابو کو پریشان کر رکھا ہے آپ نے۔ اپنے اندر خوداعتمادی پیدا کیجئے۔ اگر آپ اپنے ماحول سے اپنی ذات سے مکمل طور پر مفاہمت پیدا کرلیں گی تو یہ انتشار یہ اضطرابی کیفیت یہ ذہنی Splitting پیدا نہ ہوگی۔

سکینہ : میں آپ کو علاج کرنے سے منع نہیں کرتی ڈاکٹر صاحب کیونکہ آپ نیک نیتی سے مجھے بیمار سمجھتے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ آپ کے نزدیک بھی صرف حساب، الجبرا، جیومیٹری، ہائیجین فزیالوجی ہی علوم ہیں بس ان ہی کو سمجھنے میں عمر گنوانا سیکھا ہے آپ نے مغرب والوں سے--- کچھ علم ایسے بھی ہیں ڈاکٹر صاحب جو تصوف کی آنکھ سے سیکھے جاتے ہیں جو روحانیت کے پردے اٹھا کر حاصل ہوتے ہیں جس طرح نیکی، سچائی، بہادری--- ان کو (دل پر ہاتھ رکھ کر) ان کے سیکھنے کے لئے دماغ نہیں دل کام میں لانا پڑتا--- ہے۔

ڈاکٹر: ایک پیالی گرم دودھ کی شکر یا شہد ملا کر انہیں پلا دیجئے اب نیند آجائے گی انشاء اللہ۔

سکینہ : ہم سب ایسے ہیں--- ہم سب ایسے ہیں جو بات ہمیں سمجھ نہیں آتی وہ بے بنیاد ہے جھوٹ ہے۔ جس بات کا ٹھوس ثبوت نہیں ملتا وہ سرے سے غلط ہیں۔ کچھ علم دو اور دو چار نہیں ہوتے--- ہیں ناں ماریو---؟ کچھ باتیں اس طرح نہیں سمجھائی جاسکتیں کہ بٹن دبایا اور بتی روشن ہوگئی۔ تم بتاؤ ماریو چسکا--- ہم سب کنوئیں کے مینڈک کیوں ہیں۔ کیوں ہیں۔ ہم سب کنوئیں کے مینڈک؟--- کیوں ماریو چسکا؟

(اب سکینہ آنکھیں موند لیتی ہے۔ آہستہ آہستہ سکینہ سوتی جاتی ہے۔ کیمرہ سکینہ پر مرکوز رہتا ہے۔ منظر آہستہ آہستہ فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 3

ان ڈور

صبح کا وقت

(کلثوم بھی سکینہ کی طرح متوسط طبقے کی لڑکی ہے۔ اس وقت اس کی ایک سہیلی اس کے کمرے میں بیٹھی ایک دوپٹے کو لپکا لگا رہی ہے اس کے ارد گرد جہیز کے کپڑے نئے نئے برتن، پلنگ، ڈریسنگ ٹیبل وغیرہ پڑے ہیں۔ کلثوم نے زرد رنگ کا لباس اور زرد ہی چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔ اس کے ہاتھوں میں تازہ مہندی لگی ہے۔ ہلکی ہلکی ڈھولک آواز فیڈ ان ہوتی ہے۔
گیت کی آواز بہت ہلکی ہونی چاہیئے۔ بعد میں جب مکالمے شروع ہوں تو خالی ڈھولک کی آواز بالکل ہلکی سی کہ شبہ رہے بج رہی ہے۔ جاری رہتی ہے۔)

گیت:

نکا موٹا باجرا ماہی وے میرا کون چھڑیسی ڈھولا
نکا موٹا باجرا گوریئے تیرا میں چھڑیساں--- ڈھولا
وگدی اے راوی ماہی وے وچ اک پھل کائی دا ڈھولا
میں نہ جمدی ماہی وے توں کیکر ویاہی دا ڈھولا
وگدی اے راوی گوریئے وچ سٹاں گنڈیریاں ڈھولا
توں نہ جمدی گوریئے میتوں لکھاں بتھیریاں ڈھولا

(سکینہ اندر آتی ہے۔ اس وقت سکینہ نے گوٹے والا سوٹ اور خاصا زیور پہن رکھا ہے۔ وہ آکر کلثوم کے پاس بیٹھتی ہے۔)

کلثوم: (گلہ آمیز لہجہ میں) رات تو کیوں نہیں آئی مہندی پر----
(دونوں کنکھیوں سے تیسری لڑکی کو دیکھتی ہیں)

سکینہ: (ادھر ادھر دیکھ کر) وہ آگیا تھا۔

کلثوم: مینو۔ ذرا ٹھنڈی بوتل تو لا سکینہ کے لئے۔

(مینو اٹھ کر چلی جاتی ہے۔ اب دونوں بے تکلف انداز میں باتیں کرتی ہیں۔)

سکینہ: خدا قسم بہت آنے کی کوشش کی۔

کلثوم: ہم سے تو وہی اچھا ہوا----

سکینہ: (گلے لگا کر) ہائے ناں۔

کلثوم: چلو اچھا۔ ہمارا تو ٹنٹا آج ختم ہوجائے گا۔ کون آئے گا پھر ساہیوال سے پوچھنے پوچھانے---- میں نے بہت راہ دیکھی تیری رات کو۔

سکینہ: (اس کے مہندی والے ہاتھ احتیاط سے پکڑ کر) تیری طرح وہ بھی بہت راہ دیکھتا ہے میری---- اگر میں آجاتی۔

کلثوم: بس اب اللہ کرے تیری بھی شادی ہوجائے۔

سکینہ: ہائے ناں۔

کلثوم: کیوں؟

سکینہ: شادی کے بعد تو ماں باپ بھائی بہن بھول جاتے ہیں۔

کلثوم: تو اچھا ہی ہے ناں۔ بھولے وہ ماریو کا بچہ۔ ہماری اچھی بھلی سکینہ کی جان کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔

سکینہ: اسے کچھ نہ کہا کر کلثوم۔

کلثوم: کیوں؟

سکینہ: وہ تو میری سہیلی ہے جو بات میں کسی سے کہہ نہیں سکتی جو بات کسی کو سمجھ آ نہیں سکتی جس بات کا کہیں سے جواب نہیں ملتا وہ ساری باتیں میں ماریو سے کرتی ہوں۔

کلثوم: صرف باتوں سے کیا بنتا ہے سکینہ---- اور بھی تو بہت کچھ چاہیئے زندگی میں۔

سکینہ: جب زندگی میں کوئی بات کرنے والا مل جائے کلثوم تو پھر اور کیا چاہیئے۔ جب اپنی کہی دیواروں نے سنی تو پھر زندگی کس کام کی؟

کلثوم: (کہنی مار کر) ایک ہاتھ پکڑنے والا، چٹکی کاٹنے والا، دھکے دے کر پکڑنے والا بھی تو ہو کسی پردے کے پیچھے----

سکینہ: تجھے ضرورت ہوگی اس کی---- میں تو---- بس ماریو---- سے باتیں کرتی ہوں آنکھیں بند کرکے۔ کلثوم اس کی زندگی کے سارے ورق میں نے پڑھ لئے ہیں میری زندگی کا کوئی واقعہ اس کے لئے غیر اہم نہیں---- وہ بولتا ہے میں سنتی ہوں، میں بولتی ہوں تو اس کا رواں رواں سنتا ہے--- اور کیا چاہئے انسان کو---- میرے دماغ سے تمام چمگادڑیں اڑ گئی ہیں ہر طاق روشن ہوگیا ہے۔ میرے بند ایوانوں کا----

کلثوم: پھر کہے گی مجھے بیمار نہ کہو---- پھر کہے گی مجھے کچھ نہیں---- دیوانوں کی طرح دیواروں سے باتیں کرتے چلے جانا اور کیا ہے----؟

سکینہ: تجھے جو ماریو نظر نہیں آتا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ موجود ہی نہیں؟

کلثوم: ہمیں معاف ہی رکھ اس ماریو سے۔

سکینہ: اس یوسف ثانی کو دیکھ لے تو ابھی مہندی دھو ڈالے اپنے ہاتھ سے۔

کلثوم: اتنی محبت ہے تجھے اس سے؟

سکینہ: خدا جانے یہ محبت ہے یا کچھ اور ہے کلثوم۔ میں نے آج تک کسی سے محبت نہیں کی---- خدا جانے اسی طرح ہوتی ہے محبت---- یا شاید کچھ اور ہوتا ہے محبت میں؟ میں تو بس اسی کی دوستی کے لئے جیتی ہوں۔ پہلے زندگی ایک بوجھ تھی اب بوجھ نہیں رہی---- تو بتا اپنی؟

کلثوم: ہمارا حال تو اس مہندی سے پوچھو---- باہر سے بجھا ہوا سبز رنگ اندر سے کھلکھلاتا ہنستا سرخ انگارہ سا رنگ---- تجھے بھی ایک دن یہی گلال رنگ چڑھے گا سکینہ ایسا ہی ہنستا کھلکھلاتا رنگ----

(کیمرہ کلثوم کے ہاتھوں پر جاتا ہے، ساتھ ہی ڈھولک کی آواز خوب اونچی ہوجاتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 4

ان ڈور

دن

(اب ہم پھر صحن میں آتے ہیں۔ صحن کا وہ نقشہ اب نہیں ہے جو ڈاکٹر کے وقت موجود تھا۔ اب انگیٹھی میں سے لوبان کا دھواں اٹھ رہا ہے۔ تخت پوش پر اگربتی اسٹینڈ میں اگربتیاں روشن ہیں سکینہ کھلے بالوں کے ساتھ سیاہ کپڑوں میں تخت پوش پر بیٹھی ہے۔ باپ انگیٹھی کے پاس ہے اور ہرمل کے دانے آگ میں پھینکتا ہے۔ زینب بیٹی کے پاس سیاہ مرغ بازوؤں میں لئے کھڑی ہے۔ سائیں گھڑونجی والا اور اس کا چیلا بگا صحن میں دھمال ڈالنے کے انداز میں زبردست طریقے پر بازو اٹھا اٹھا کر ناچ رہے ہیں۔ عقب سے ان کو اور بھی گرم کرنے کے لئے ڈھولک پر کھٹا کھٹ سی کی تال بجتی جاتی ہے۔)

(گیت)

سائیں:

چلو جی بھوت پتندر
ہمارے دل دے اندر
تیرے سے کشتی لڑکے
بنے ہیں ہم جہاں مچھندر
سکینہ کو چھوڑ شتابی
کرو ہم سے ٹک اندر ----

(اس گیت کو سائیں اور چیلا حسب ضرورت دہراتے ہیں پھر سائیں چیلے کو دھموکے لگاتا ہے اور کہتا ہے۔)

سائیں: نکلے گا کہ نئیں۔

چیلا: نکل جاؤں گا۔

سائیں: کیسے؟

چیلا: پانچ سیر شکر لے کر۔

سائیں: اور؟

چیلا: ایک جوڑا بی بی کا ریشمی۔

سائیں: اور؟

چیلا: دس چاندی کے سکے۔

سائیں: اور؟

چیلا: ایک مرغا سیاہ رنگ کا۔

سائیں: اور؟

چیلا: اور جو بی بی کی ماں دینا چاہے۔

(اب سکینہ ہاتھوں کو کھجلنے لگتی ہے۔ ساتھ ہی وہ گلے پر ہاتھ رکھتی ہے پھر زور کا قہقہہ لگاتی ہے۔ سائیں سکینہ کے پاس بیٹھ کر عرق گلاب اس کے چہرے پر چھڑکتا ہے---)

سائیں: ہم کون ہیں سکینہ بی بی؟

سکینہ: سائیں گھڑونجی والا---

سائیں: اور تو کون ہے؟

سکینہ: میں ماریو چسکا۔

سائیں: کہاں کے رہنے والے ہو؟

سکینہ: فلورنس اطالیہ کا۔

سائیں: تمہیں ہم حکم دیتے ہیں چلے جاؤ۔

سکینہ: نہیں جاؤں گا۔

سائیں: تمہارا باپ بھی جائے گا ماریو---

سکینہ: باپ میرا ڈرپوک تھا۔ میں نہیں جاؤں گا۔

(چیلا یکدم ہوا میں اچھل کر چت کرتا ہے۔ سائیں چیلے کے سینے پر چڑھ کر بیٹھتا ہے اور چیلے کے سینے میں مکے مارتا ہے۔)

سائیں: بول ماریو---! تو بڑا کہ میں۔

چیلا: تو!

سائیں: ہمارے حکم سے چلا جائے گا۔

چیلا: پر سائیں جی تین جمعرات تک ہمارا پھیرا یہاں ہوگا۔

سائیں: بول کیا چاہتا ہے؟

چیلا: ایک کھیس، موٹھ کی کھچڑی۔

سائیں: جا چلا جا--- جا--- ہمارے حکم سے۔

(اب پھر سکینہ قہقہہ لگاتی ہے سائیں فرش سے اٹھ کر تخت پوش پر آتا ہے۔)

سائیں: بی بی سکینہ!

سکینہ: ماریو چسکا۔

سائیں: ہم تمہیں راجا بھوت پتندر کی قسم دیتے ہیں اس لڑکی کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔

سکینہ: یہ ناممکن ہے۔

(اب سائیں پاؤں سے سلیپر اتارتا ہے اور مارنے کے انداز میں اٹھاتا ہے اس وقت سکینہ پورے ہاتھ کا چانٹا بھرپور طریقے سے اس کے منہ پر مارتی ہے یکدم سائیں کو جیسے چکر آجاتا ہے۔)

سائیں: وہ بھاگا--- وہ گیا ڈر کے نکل گیا۔ گیا وہ بھاگا۔

(اب چیلا یکدم اٹھ کر زینب کے ہاتھ سے مرغ لیتا ہے۔ سائیں اسی طرح جوتا ہاتھ میں لئے باہر کی طرف بھاگتا ہے۔)

سائیں: وہ قبرستان کی طرف گیا ہے ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے۔ بگے آ ہمارے ساتھ--- اب کچھ فکر نہیں وہ بھاگا--- کسی تازہ قبر میں جا کر بیٹھے گا گھڑونجی والا سائیں تجھے نکال لے گا--- بچو آ چل میرے ساتھ بگے۔

چیلا: تم چلو سائیں جی میں آتا ہوں کہیں دور نہ نکل جائے وہ۔

(جوتا ہوا میں علم کی طرح لہراتا چلا جاتا ہے۔)

سائیں: سائیں گھڑونجی والا سے بھاگ کے کہاں جائے گا۔ بول بچ سکتا ہے تو۔

چیلا: بی بی کا ریشمی جوڑا؟

(تخت پوش سے جوڑا اٹھا کر دیتے ہوئے۔ سکینہ اب گاؤ تکئے سے سر لگائے خالی الذہن نظروں سے دیکھے جا رہی ہے۔)

زینب: یہ لو---

(زینب دس روپے پلے سے کھول کر دیتی ہے۔)

چیلا: اور جی صدقہ؟

زینب: اب تو نہیں آئے گی ماریو کی روح۔

چیلا: آپ فکر ہی نہ کریں بی بی جی۔

سکینہ: تو بتا ماریو۔۔۔؟ کس چیز کا علاج کئے جا رہے ہیں یہ لوگ؟ آخر ہوا کیا ہے مجھے؟ کیا ہوا ہے مجھے۔

(سکینہ آہستہ آہستہ بولتی ہے کیمرہ اس پر مرکوز رہتا ہے۔ منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

(یہاں سے ہم آؤٹ میں آجاتے ہیں)

(یہ دو تین چھوٹے چھوٹے سین باغ جناح کے مناسب مقامات پر Shoot کئے جائیں۔

① ایک تن آور درخت کی اوٹ میں ماریو کھڑا ہے۔ اس کا ایک پاؤں اور ایک بازو اس طرح باہر ہے کہ ماریو پہچانا تو جاتا ہے۔ لیکن پشت کی وجہ سے اور لبادے اور درخت کی وجہ سے اس کا صرف ایک ہیولا سا نظر آتا ہے۔ گھاس کے تختے پر سامنے سکینہ بیٹھی ہے۔ وہ جھولی میں سے ایک کینو یا مالٹا نکال کر ماریو کی طرف پھینکتی ہے ماریو اسے Catch کرتا ہے۔ ہلکی ہلکی رومانٹک موسیقی جاری رہتی ہے۔

② باغ کا ایک اور گوشہ ایک جھاڑی کی اوٹ میں سکینہ اور ماریو کچھ اس طرح بیٹھے ہیں کہ ماریو جھاڑیوں میں لیٹا ہوا ہے۔ اس کے بوٹ اور ٹانگوں کا کچھ حصہ نظر آتا ہے۔ سکینہ کی پشت کیمرے کی جانب ہے وہ پھول توڑتی نظر آتی ہے۔

③ جناح باغ سے باہر نکلنے والی سڑک پر زینب اس کا شوہر اور برقعہ پہنے سکینہ پکنک کا سامان اٹھائے باہر کی جانب آتے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ منظر ڈزالو ہوتا ہے۔)

ڈزالو

سین 5

ان ڈور

دن کا وقت

(اس وقت صحن میں ایک دراز قسم کا آدمی موجود ہے باپ بڑی لجاجت سے پاس کھڑا ہے یہ ماسٹر ہے اس کے سائن والے کوٹ پر ان گنت میڈل لگے ہیں اور سر پر اس نے قلغی دار پگڑی پہن رکھی ہے۔)

باپ: جو خدمت میں کر سکا کروں گا ماسٹر ڈون وان قادرا۔

ماسٹر: آپ کو معلوم ہے کہ میرا وقت کتنا قیمتی ہے میں محض آپ پر ترس کھا کر آیا ہوں۔

باپ: میں جانتا ہوں جی۔ (جیب سے چٹھیاں نکال کر)

ماسٹر: یہ میرے بکنگھم پیلس کی چٹھیاں ہیں۔ وہاں لیڈی فرائے ڈے نے مجھے یہ سونے کا تمغہ دیا تھا۔ میں نے اسے مسمرائز کر کے اس کی چوری کا پتہ لگا دیا تھا۔

باپ: اگر میری سکینہ ٹھیک ہو گئی ماسٹر جی۔

ماسٹر: ماسٹر ڈون وان قادرا۔ ہم کوئی پٹی ماسٹر نہیں ہے کہ آپ ہمیں ماسٹر جی ماسٹر جی بلاتے ہو ہر دوسرے منٹ۔

(اب زینب سکینہ کو سہارا دیئے لاتی ہے)

زینب: دیکھ لیجئے ٹھنڈی برف ہو رہی ہے۔ جناح باغ تو لے جانا بہانہ ہو گیا تب سے بیمار ہے۔

باپ: کھلی ہوا سے کون بیمار ہوتا ہے بھلی لوگ۔

زینب: تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔

ماسٹر: کرسی پر بیٹھ جاؤ لڑکی۔

(سکینہ کرسی پر بیٹھتی ہے)

زینب: اس کا جی آج ٹھیک نہیں ماسٹر جی۔

ماسٹر: میں سکول ماسٹر نہیں ہوں۔ میں ماسٹر ڈون وان قادرا ہوں۔ لڑکی میری طرف

دیکھو۔

(سکینہ چہرہ اٹھا کر ماسٹر کی طرف دیکھتی ہے)

باپ: یہ ٹھیک ہوجائے گی جی؟

(ہتھیلی بازو پھیلا کر پرے کرتا ہے)

ماسٹر: میرے ساتھ گنو--- اور نظر ہماری ہتھیلی پر جمائے رکھو۔ ایک دو تین۔

(جب دونوں بیس تک پہنچتے ہیں۔ سکینہ مکمل طور پر نیند کے غلبہ میں آجاتی ہے)

ماسٹر: کیا نام ہے تمہارا؟

(اب سکینہ کے صرف لب ہلتے ہیں اور اس کے لبوں سے ماریو کی آواز نکلتی ہے۔)

سکینہ: ماریو چیسکا۔

ماسٹر: یونان کے رہنے والے ہو کہ کوہ قاف کے؟

سکینہ: ----

ماسٹر: اس لڑکی کے پیچھے کیوں پڑے ہو----؟

سکینہ: میں صدیوں سے اپنی بیٹرس کی تلاش میں ہوں کئی ملک گھوم چکا---- کئی زمانے بیت گئے۔ کئی بار بیٹرس ملی اور پھریوں میرے ہاتھ سے نکل گئی جیسے انگلیوں میں سے پانی۔

ماسٹر: ماریو۔

سکینہ: چیسکا۔

ماسٹر: ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ سکینہ کے قالب کو چھوڑ کر اسی جگہ چلے جاؤں جہاں تم پہلے رہتے تھے۔

سکینہ: بڑ کے درخت میں بڑا اندھیرا ہے۔ بیٹرس کی آنکھوں میں بہت روشنی ہے میں یہ سودا نہیں کر سکتا۔

(ماسٹر ہاتھ کے اشارے کرتا ہے سکینہ اٹھ کر چلنے لگتی ہے)

ماسٹر: ماریو---- تم اسے چھوڑ کر جا رہے ہو۔

سکینہ: (آہستہ آہستہ چلتے ہوئے) Non Posso

ماسٹر: ماریو! تمہیں ہم حکم دیتے ہیں کہ اس کو چھوڑ کر چلے جاؤ ورنہ تمہارے حق

میں اچھا نہ ہوگا۔

سکینہ: بیٹرس کو چھوڑ کر جانا میرے لئے کئی صدیوں کی موت کے برابر ہے میں پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں کی طرح پھر خاموشی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

ماسٹر: چھوڑ دو سکینہ کو میں کہتا ہوں۔

سکینہ:

Non posso---- non posso---- non posso. Dellasanta maria non posso---- non posso---- non posso---

ماسٹر: لیٹ جاؤ سکینہ---- ماریو ہار مان چکا ہے۔ لیٹ جاؤ۔

(سکینہ پلنگ پر لیٹ جاتی ہے ماسٹر عجیب عجیب ڈھنگ سے سکینہ پر اشارے کرتا ہے سکینہ کی اپنی آواز آنے لگتی ہے۔)

سکینہ: no-- no-- no--

ماسٹر: سوئی رہو سکینہ---- جب تک ہم چلے نہ جائیں سوئی رہو۔ مبارک ہو آپ کو۔ اب ماریو کبھی نہیں آئے گا۔ ہم نے اسے نہ صرف اس بدن سے نکال کر باہر کیا بلکہ اس ملک سے بھی دیس نکالا دے دیا ہے ہمیشہ کے لئے۔ ہماری فیس۔

(باپ دس روپے دیتا ہے)

ماسٹر: Too little

باپ: (ایک اور دس روپے دیتا ہے)

ماسٹر: تھینک یو۔

سکینہ: (چیختے ہوئے) No-- No-- No

فیڈ آوٹ

سین 6

ان ڈور

(سکینہ کے گھر کا صحن بالکل خالی ہے۔ دروازے میں سے سلیم اٹیچی اٹھائے داخل ہوتا ہے۔ ادھر ادھر دیکھتا ہے پھر اٹیچی چارپائی کے پاس رکھ کر گھڑونجی پر سے گلاس اٹھا کر گھڑے میں سے پانی ڈالتا ہے۔ پانی ایک چھپاکے کے ساتھ کچھ گلاس میں اور کچھ فرش پر گرتا ہے اندر سے سکینہ کی آواز آتی ہے۔)

سکینہ: کون ہے؟

سلیم: میں ہوں سلیم--- (وقفہ)

(سکینہ آہستہ آہستہ دروازے تک آتی ہے اور پٹ کھول کر اس سے لگ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس طرح کہ اس کے وجود کا کچھ حصہ نظر آتا رہے۔)

سلیم: میرا نام سلیم ہے اور میں ملتان سے آیا ہوں۔ مجھے خالہ زینب اور خالو میر علی سے ملنا ہے۔

سکینہ: اس وقت کوئی بھی گھر پر نہیں ہے۔

سلیم: آپ کے ہوتے ہوئے میں یہ کیسے مان لوں کہ کوئی گھر پر نہیں ہے۔

سکینہ: آپ کون سلیم ہیں؟

سلیم: میں ڈاکٹر سلیم ہوں۔ سلطان علی صاحب کا لڑکا۔ آپ کا رشتہ دار۔

سکینہ: سلطان علی صاحب کون؟

سلیم: بھواڑے والے گدی نشینوں کے پوتے۔

سکینہ: (باہر نکل کر) آپ تائی نذیران کے لڑکے ہیں۔

سلیم: بالکل ٹھیک پہچانا آپ نے۔

سکینہ: آپ کا نام بھائی کریم ہے۔

سلیم: بھائی کریم ہمارے بڑے بھائی ہیں میں جمیل سے چھوٹا ہوں۔

سکینہ: تو پھر بیٹھئے کھڑے کیوں ہیں آپ۔

سلیم: خالہ زینب کہاں گئی ہیں۔

سکینہ: وہ اور ابا پٹواری ابراہیم کے چالیسویں پر گئے ہیں۔ آپ بیٹھیں ابھی آجائیں گے۔

سلیم: میرے پاس وقت نہیں ہے۔ مجھے تین بیس کی فلائٹ پر پشاور جانا ہے۔

سکینہ: تین بجنے میں تو ابھی دو گھنٹے پڑے ہیں۔

سلیم: ایئرپورٹ پہنچنے کے لئے دو گھنٹے پہلے سے تیار رہنا پڑتا ہے۔

سکینہ: (کرسی دے کر) ماموں رشید کی شادی پر آپ ہی گھنگرو باندھ کر ناچے تھے۔

سلیم: اوہ ماموں رشید! اس وقت تو تمہاری عمر مشکل سے چار سال ہوگی۔ میں آٹھ سال کا تھا جب (بیٹھ جاتا ہے)

سکینہ: پھر کھجور کی گٹھلی پر سے آپ کا پاؤں پھسل گیا تھا اور آپ گر پڑے تھے سب براتی ہنسنے لگے تو آپ نے رونا شروع کر دیا تھا۔

سلیم: کمال ہے سولہ برس پہلے کی بات تمہیں کتنی تفصیل کے ساتھ یاد ہے۔

سکینہ: جب باراتی ہنسے تھے تو مجھے رونا آگیا تھا۔

سلیم: باراتی ہوتے ہی ایسے ہیں۔ انہیں کسی کے جذبات کی پروا نہیں ہوتی۔

سکینہ: آپ پشاور کیوں جا رہے ہیں۔

سلیم: مجھے نوکری مل گئی ہے وہاں سول ہسپتال میں۔

سکینہ: آپ نے ڈاکٹری پاس کرلی۔

سلیم: فرسٹ کلاس۔ اعلیٰ درجے کی ڈاکٹری

Best and the youngest surgeon of Pakistan.

سکینہ: آپ چائے پئیں گے یا بوتل۔

سلیم: کچھ نہیں۔ شکریہ۔

(خاموشی)

سلیم: آپ کا نام سکینہ ہے ناں۔

سکینہ: جی۔

سلیم: وہ جن بھوت کے دورے آپ ہی کو پڑتے ہیں۔

سکینہ: (خاموش ہے)

سلیم: آپ ہی وہی سکینہ ہیں ناں جو اطالوی زبان میں فر فر بولتی ہیں۔

سکینہ: (خاموش ہے)

سلیم: (اپنا اٹیچی کھولتے اور اس سے سٹیتھوسکوپ نکالتے ہوئے) کہتے ہیں اطالوی زبان بہت ہی سویٹ ہے اور وہاں کے لوگ سویٹ میٹ بہت اچھی بناتے ہیں۔ وہ ایک تھے اطالوی فادر۔ ہمارے نشتر میڈیکل کالج میں کبھی کبھی آیا کرتے تھے

بڑی پیاری پیاری نظمیں سناتے تھے اطالوی زبان کی---- آپ بھی سنائیں۔ (کمر اور کندھوں کو سٹیتھوسکوپ لگا کر) زور زور سے سانس لیجئے---- لمبا اور لمبا---- شاباش۔

(ڈاکٹر سلیم گلے میں سٹیتھوسکوپ ڈال کر پھر کرسی پر بیٹھ جاتا ہے سکینہ اس کے سامنے چارپائی پر سر جھکائے خاموش بیٹھی ہے۔ ڈاکٹر سلیم ہاتھ آگے بڑھا کر اس کی نبض دیکھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی بیک گراؤنڈ میں محبت بھرا میوزک بجنے لگتا ہے۔ پھر وہ سکینہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے۔ میوزک تیز ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر اس کی آنکھیں دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم آہستہ سے اس کی آنکھوں کے پپوٹے کھولتا ہے۔ میوزک دھڑا دھڑ بجنے لگتا ہے۔ ڈاکٹر گلے سے اپنے سٹیتھوسکوپ اتارتا ہے، میوزک بند ہوتا ہے۔)

سلیم: فکر کی بات نہیں ہے ٹھیک ہو جاؤ گی۔

سکینہ: لیکن میں بیمار تو نہیں ہوں۔

سلیم: خاندان بھر میں تو یہی مشہور ہے۔

سکینہ: خاندان کا کیا ہے ان کا تو کام ہی مشہور کرنا ہوتا ہے۔ (وقفہ) ڈاکٹر صاحب۔

سلیم: جی۔

سکینہ: آپ ٹھہر نہیں سکتے۔ یہاں چند روز۔

سلیم: چند روز! میں تو ایک پل کے لئے اور نہیں ٹھہر سکتا کل مجھے رپورٹ کرنا ہے وہاں۔

سکینہ: اگر رپورٹ نہ کی تو کیا ہوگا۔

سلیم: پھر نوکری نہیں ملے گی اور کیا ہوگا۔

سکینہ: نوکری نہ مل سکی تو پھر کیا ہوگا۔

سلیم: واہ---- پھر تو سب کیا کرایا برباد---- پائمال و خوار کوئی رشتہ نہیں دے گا مجھے اپنی بیٹی کا----

سکینہ: ایسا سنگ دل کون ہو سکتا ہے ڈاکٹر صاحب۔

سلیم: بڑے سنگ دل لوگ پڑے ہیں اس دنیا میں سکینہ---- بڑے پتھر دل۔ تمہیں کیا معلوم، شکر کرو گھر کی چار دیواری میں رہتی ہو۔ (گھڑی دیکھ کر) اچھا بھئی اب اجازت---- خالہ جان اور خالو جان کو میرا سلام کہنا اور میری طرف سے پشاور آنے کی دعوت دینا۔ خدا حافظ۔

(ہاتھ ملانے کے لئے آگے بڑھاتا ہے۔ سکینہ اس سے ہاتھ نہیں ملاتی اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہتی ہے۔ سلیم اٹیچی لٹکائے گھر سے باہر نکل جاتا ہے اور سکینہ اس کے چلے جانے کے بعد سر ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگتی ہے۔ پھر اسی طرح ہچکیاں لیتی ہوئی اندر اپنے کمرے میں بھاگ جاتی ہے۔)

کٹ

سین 7

ان ڈور

چند لمحے بعد

(صحن بھاگ کر سکینہ اپنے کمرے میں آتی ہے۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھرا ہے۔ وہ اپنے پلنگ پر اوندھی لیٹ کر پائے پر ٹھوڑی رکھتی ہے۔ آنسو فرش پر گرتے ہیں۔ اب کلثوم آتی ہے اس نے دولہنوں والا لباس پہن رکھا ہے۔)

کلثوم: لے پھر رو رہی ہے تو،

(سکینہ لمبی آہ بھرتی ہے۔)

کلثوم: میں تو تجھے ملنے آئی تھی۔

سکینہ: چل دی ساہیوال کو---- تو تو کہتی تھی دس بارہ دن رہے گی؟

کلثوم: رہنا تو تھا پر وہ لینے آ گئے ہیں۔

سکینہ: بڑی خوش نصیب ہے تو۔

کلثوم: کہتے ہیں۔ گھر چل---- میرا دل نہیں لگتا اپنے کام پر۔

سکینہ: (دونوں ہاتھ کلثوم کے کندھے پر رکھ کر) آج مجھے پہلی بار پتہ چلا کہ دل کیا ہوتا ہے اور کیوں نہیں لگتا۔ یہ وہی گھر ہے وہی لوگ ہیں۔ وہی میں ہوں وہی تو ہے---- سرخ آندھی سے پہلے جس طرح گھر کے روشندانوں سے روشنی آتی ہے۔ اور دل ڈرنے لگتا ہے۔ اس طرح آج میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ خدا جانے کہاں آندھی چل رہی ہے سرخ رنگ کی۔

کلثوم: تیرا ماریو کہاں ہے دل لگانے والا؟

سکینہ: ماریو؟ ---- (آہ بھر کر) اب تو ماریو بھی میرا دل نہ لگا سکے گا کبھی۔

کلثوم: پھر ہوا کیا ہے؟

سکینہ: تو ٹھیک کہا کرتی تھی۔ صرف باتیں کرنے والا---- صرف باتیں سننے والا ہی کافی نہیں ہوتا---- جب اس نے میری نبض پر ہاتھ رکھا تو---- یوں ہوا جیسے اس کی انگلیوں سے میری رگوں تک ایک خاموش آگ بہتی چلی گئی۔ ایک ان کہا وعدہ ہو گیا ایک گھڑی میں----

زینب: (باہر سے) کلثوم آجا---- تیرا میاں بلا رہا ہے۔

کلثوم: کون ہے وہ----؟ آ رہی ہوں ماسی جی۔

سکینہ: وہ؟---- کیا لے گی پوچھ کر---- جا تیرا میاں انتظار کر رہا ہے۔

(یکدم کلثوم اس سے بغلگیر ہوتی ہے)

کلثوم: میرے پاس ساہیوال آنا۔

سکینہ: آؤں گی۔

کلثوم: اللہ جلدی سے تیرے ہاتھ پیلے کرے۔

سکینہ: (منہ موڑ کر آہ بھرتے ہوئے) خدا حافظ----

(سکینہ چپ چاپ کھڑی ہے باہر کی طرف سے ماریو داخل ہوتا ہے۔ اور اسی طرح کرسی پر بیٹھ جاتا ہے جیسے وہ پہلے سین میں بیٹھا تھا)

ماریو: سکینہ!

(سکینہ اپنے خیال میں گم ہے)

سکینہ:

(یکدم جیسے آواز سن لی ہو)

سکینہ: اچھا ہوا تم آ گئے۔ مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا ماریو---- ماریو---- آج میں---- آج میں بہت خوش ہوں---- اور آج میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔

ماریو: میں جانتا ہوں۔

سکینہ: ماریو!

ماریو: میں جا رہا ہوں سکینہ۔ میں جانتا تھا میرے دل کے کسی گوشے سے یہ وسوسہ نکل کر کبھی کبھی مجھے ڈس لیا کرتا تھا کہ انسان کا دل اسی طرح ہے اسے ریگ رواں کی طرح قرار نہیں۔

سکینہ: تم کیا کہہ رہے ہو ماریو---- میری بات تو سن لو۔

ماریو: صدیوں سے آوارہ ہوں---- سکینہ---- تم سے پہلے اور خدا جانے تمہارے بعد کتنی بار اور میں اپنی بیٹرس کو تلاش کرنے نکلوں گا۔ لیکن وہ تو پانی کا عکس ہے---- وہ کہاں ملے گی مجھے----

سکینہ: تم میرے دوست ہو ماریو---- ہمارا رشتہ بہت مقدس، بہت پرانا ہے ہم ملتے رہیں گے۔

ماریو: سمندر میں دریا تو مل سکتا ہے سکینہ لیکن دریا میں سمندر نہیں مل سکتا۔ محبوب کی ذات ہر دوستی کو نگل جاتی ہے۔ کوئی دوست محبوب کی جگہ نہیں لے سکتا۔ خدا حافظ بیٹرس۔

سکینہ: ٹھہرو رک جاؤ ماریو! تم نے میری تنہائی کو جگمگایا تم نے میرے دل کے ہر زخم پر مرہم رکھی۔ تم میرے غمگسار میرے مونس ہو۔ میں تمہیں کیسے جانے دوں---- کیسے کیسے ماریو!

ماریو: انسان ہمیشہ انسان سے محبت کرتا ہے سکینہ---- کسی انسان نے آج تک فرشتے شیطان یا جن سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ یہ تو ہم بھولے لوگ ہیں کہ سمجھتے ہیں شاید کبھی انسان ہماری طرف توجہ کرے گا۔

سکینہ: ماریو---- تم میری دوستی کو تنگ نظری سے جانچ رہے ہو----

ماریو: مجھ سے پہلے بھی کئی بار یہ واقعہ ہوا۔ جن پری زادوں کو اپنی قید میں تو رکھ لیتے

تھے پر ہیرا من توتا کبھی ان کا نہ ہوتا۔ ان پری چہرہ شہزادیوں کو ہمیشہ آدم زاد رہا کر لیا کرتے تھے۔

سکینہ: وہ مجھے رہا نہیں کر رہا ماریو سمجھنے کی کوشش کرو اس کی اپنی جگہ ہے تمہاری اپنی----

ماریو: تمہیں بھی سکینہ آدم زاد نے رہا کر دیا ہے بالآخر---- اس وقت تم اس کے گھوڑے پر اس کے سامنے بیٹھی ہو---- تمہارے بال اس کے چہرے کو چھو رہے ہیں۔ وہ تمہیں مجھ سے بہت دور بھگائے لئے جا رہا ہے---- خدا حافظ۔

(خاموشی)

ماریو: بیٹرس خدا حافظ۔

سکینہ: ماریو!

ماریو: محبت کا دھارا اتنا ظالم ہوتا ہے سکینہ کہ اس کے بہاؤ میں ہر چھوٹا بڑا پیار بہہ جاتا ہے۔ جہاں سرشاری کا یہ عالم نہ ہو وہاں محبت نہیں ہوتی صرف---- تیری میری دوستی ہوتی ہے سکینہ---- میں کیا تھا؟ ایک مجسم آرزو---- اور تو نکلی بیٹرس---- ایک مجسم سراب! خدا حافظ

سکینہ: ذرا رکنا ماریو---- ماریو---- ماریو میری تو سنو۔

(یہاں ماریو اونچے اونچے رونے لگتا ہے۔ پھر اس کے قدم جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ سکینہ روکنے کے انداز میں ہاتھ اٹھاتی ہے۔ ماریو کے رونے کی آواز پر ڈھولک کی آواز O.Lap ہوتی ہے۔)

گیت: وگدی اے راوی ماہی وے وچ دو پھل کائی وے ڈھولا
میں نہ بھدی ماہی وے تو کیکر وہائی وا ڈھولا

(ماریو گم سم کھڑا ہے۔)

فیڈ آؤٹ

بھوت نکالا

کردار:

- ٹوٹو بھائی — (بی کام کا سٹوڈنٹ گاؤں سے آیا ہوا)
- امی — اس کی دور کی خالہ
- عارفہ
- جہانگیر
- نجیب — امی کے بچے
- زاہدہ
- غازی

سین 1

ان ڈور

رات

(یہ ڈرامہ ٹوٹو بھائی سے متعلق ہے۔ ٹوٹو بھائی موٹے بھدے قدرے احمق لیکن دل کے اچھے آدمی ہیں اس کھیل میں ان پر Auto Suggestion کا اثر دکھایا گیا ہے۔ کئی وارداتیں اور حیرت کدے محض اس لئے معرض وجود میں آتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی قطرہ آپ کے ذہن میں زہر گھولتا رہتا ہے۔

اس وقت ٹوٹو بھائی ہاتھ میں کتاب لئے پڑھ رہے ہیں انہوں نے نائٹ سوٹ پہن رکھا ہے اور اس کی جیبوں میں گنڈیریاں ٹھونس رکھی ہیں۔ ساتھ ساتھ گنڈیریاں کھاتے ہیں ان کی چھلکے فرش پر پھینکتے ہیں ساتھ ساتھ رٹا لگا رہے ہیں۔)

ٹوٹو: F-i-l-tr-a-te ---- معنی چھاننا Fil (فل) Trate (ٹریٹ) فلٹریٹ معنی چھاننا۔ (چھاننی کا اشارہ کرتا ہے)

R-e-v-o-L-U-Tion بغاوت۔

(مکہ نکال کر بغاوت کا ایکسپریشن بناتا ہے)

M-o-L-E-S-Ta-Tion ایذا رسانی۔

(اپنے ہی چٹکی کاٹ کر ہائے کرتا ہے) I-So-Late علیحدہ کرنا۔ ان لفظوں کے سپیلنگ یاد کرکے وہ پلنگ پر لیٹتا ہے اور بیڈ لیمپ جلا کر آنکھیں بند کرکے ان ہی لفظوں کو یاد کرتا پھر ان کے جملے بناتا ہے۔ گنڈیریاں کھانے کا شغل ساتھ ساتھ جاری ہے۔

(ایک ایک جملہ رٹتے ہوئے)

ٹوٹو: (جملہ بنا کر) کلچرول فلٹریٹ

(جمائی لیتا ہے) (کنٹریشن کا چہرہ بناتا ہے)

Through all human boundries

ٹوٹو:

Revolution abides in the heart of the man.

(پانی کے جگ میں سے ایک چلو بھر کر پانی لیتا ہے اور اپنے چہرے پر چھینٹے مارتا ہے۔)

ٹوٹو:

Molestation of the weaker party is cowardice.

اب ٹوٹو کو مکمل طور پر نیند آجاتی ہے۔ ہاتھ سے گنڈیریاں گرتی ہیں۔ وہ تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر کے یہ جملہ رٹتا ہے۔

ٹوٹو:

Isolate me from the tranny of man kind.

اب سسپنس میوزک جاری ہوتا ہے دو نقاب پوش آدمی کھڑکی سے اندر کود کر آتے ہیں ٹوٹو جو مکمل طور پر نیند کی آغوش میں نہیں گیا آنکھوں کی جھری سے دیکھ کر مسکراتا ہے ایک آدمی واپس چلا جاتا ہے دوسرا کونے میں کھڑا رہتا ہے ٹوٹو جس کا خوف کا خانہ خالی ہے آرام سے اٹھتا ہے جیب سے گنڈیریاں نکال کر نقاب پوش کے پاس جاتا ہے نقاب پوش جس نے دراصل برقعہ پہن رکھا ہے کھڑا رہتا ہے۔

ٹوٹو: کھائیے بھائی کھائیے "پہلے پیٹ پوجا پھر کام دوجا۔" چوری بعد میں کر لیجئے گا۔

(ٹوٹو ذرا سا توقف کرتا ہے۔ پھر نقاب پوش کا نقاب اتارتا ہے اندر سے انسان کا ڈھانچہ نکلتا ہے ٹوٹو بھاگ کر رضائی منہ سر پر لپیٹ کر لیٹ جاتا ہے پھر ذرا سا کونا اٹھا کر دیکھتا ہے مردہ وہیں موجود ہے آنکھیں بند کر کے منہ سر اندر کر لیتا ہے۔ موسیقی بلند ہو کر بند ہوتی ہے۔)

سین 2

آؤٹ ڈور

صبح

(ٹوٹو بھائی تہمد باندھے اوپر تنگ بنیان پہنے باغ کے ایک گوشے میں ورزش کرتا ہے۔ یوگا کا آسن جما کر بیٹھتا ہے کہ سر پر پلپلا ٹماٹر آکر گرتا ہے۔)

ٹوٹو: ٹماٹر؟ (آواز دے کر) بھئی سبزی والے باورچی خانہ پچھلی طرف ہے۔ جو نمونے کا ٹماٹر تم نے بھیجا ہے اچھا ہے۔ (کھاتا ہے)

(آنکھیں بند کرتا ہے اب پتھر آکر اس کے گھٹنے پر لگتا ہے، آنکھ کھولتا ہے۔ اٹھ کر ساری طرف دیکھتا ہے پھر کھڑے ہو کر بھاگنے کی پریکٹس کرتا ہے۔ اب تڑا تڑ تواتر کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پتھر پڑتے ہیں۔)

ٹوٹو: Help firing---firing help.

(اب ٹوٹو دونوں بازوؤں اٹھاتا ہے جیسے ہینڈز اپ کر رہا ہو جب پتھروں کی بارش بند نہیں ہوتی تو یکدم Air Raid کے وقت جس طرح لیٹ جاتے ہیں اس طرح لیٹ جاتا ہے اور کہنیاں ٹیک کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیتا ہے۔)

(کٹ)

سین 3

ان ڈور

دن

ٹوٹو بھائی ستار لئے بیٹھا ہے اور سرگم بجا رہا ہے ماتھے سے

پسینہ پونچھتا ہے پھر سرگم بجاتا ہے ساتھ آواز ملا کر سروں کی درستگی کرتا ہے۔

ٹوٹو: (گا کر) سارے گاماپادھانی سا--- سانی دھاپاماگارے سا----
سارے گا- رے گاما---- گاماپا---- ماپادھا- پادھانی دھا
نی سا- سا---- سا- سا-

(اس وقت یوں آوازیں لگتی ہیں گویا قریب ہی کہیں بلیاں بولنے لگی ہوں اب یہ Cat Calls جاری رہتی ہیں- پہلے ایک دو بلیاں بعد میں ان گنت بلیوں کا شور- Full Blast آنے لگتا ہے-)

ٹوٹو اپنی ستار سے کان لگا کر سنتا ہے جیسے ستار میں سے بلی کی آواز آرہی ہو-

ٹوٹو: میاؤں میاؤں

Pussy Cat ---- Pussy Cat
Where have you been
I have been to London
to see the Queen.

(غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکتا ہے پھر پلنگ پوش اٹھا کر بیچ بیچ کرتا ہے ٹرنک الماری کھول کر دیکھتا ہے پلنگ کے نیچے سے بوٹ اٹھا کر دیکھتا ہے پھر جھاڑتا ہے مگ الٹا کر کے دیکھتا ہے گندے کاغذوں کی ٹوکری عین کمرے میں الٹتا ہے ٹوکری میں سے کئی کیلے کے چھلکے گرتے ہیں اب وہ پردوں کی جانب بے دھیانی سے بڑھتا ہے چھلکوں پر الانگ کر چلا جاتا ہے پردوں کو علیحدہ کر کے دیکھتا ہے واپس لوٹتا ہے بڑے دھیان سے پاؤں رکھتے ہوئے آتا ہے ایک چھلکے پر پاؤں پڑتا ہے پھسل کر پلنگ کے نیچے چلا جاتا ہے-)

کٹ

سین 4

ان ڈور

شام

(اب ہم عارفہ کے کمرے میں آتے ہیں- جہانگیر میاں اس وقت ٹیپ ریکارڈ کے پاس کھڑا اسے ہینڈل کر رہا ہے- نجیب پاس بیٹھا ایک ڈراؤنا Mask چہرے پر لگا کر دیکھ رہا ہے چھوٹی بہن زاہدہ، غازی (سات آٹھ سال کا لڑکا) کے چہرے پر سرمے سے مونچھیں بنا رہی ہے عارفہ پیروں کے انگوٹھوں میں ململ کا دوپٹہ لئے چنت دے رہی ہے جہانگیر میاں کبھی آواز اونچی کرتا ہے کبھی نیچی- دروازے پر دستک ہوتی ہے- جھٹ جہانگیر ٹریک بدلتا ہے- سب کو اشارہ کرتا ہے موسیقی بہت ہلکی پھلکی ہوجاتی ہے سارے بہن بھائی ناچنے لگتے ہیں اپنے اپنے فری سٹائل میں جہانگیر دروازہ کھولتا ہے- زاہدہ ٹیپ بند کرتی ہے-)

ٹوٹو: ادھر کوئی آواز تو نہیں آئی-

نجیب: کیسی آواز، ذرا ٹیپ بند کرنا زاہدہ-

جہانگیر: کیسی آواز ٹوٹو بھائی آف دھونکل شریف؟

ٹوٹو: جیسے بلیاں رو رہی ہوں منحوس-

عارفہ: دیکھئے ٹوٹو بھائی یہ ہماری نیکی ہے- ہم آپ کی ایسی باتیں برداشت کرلیتی ہیں کوئی اور ہمیں بلیاں کہے تو دیکھے-

ٹوٹو: میں کوئی آپ لوگوں کو تو بلیاں نہیں کہہ رہا تھا- سارے گھر سے آوازیں آرہی تھیں- آپ لوگ آنٹی جی سے چل کر پوچھ لیں-

زاہدہ: خیر سے آپ کی حمایتی آنٹی جی ولیمہ کھانے گئی ہیں-

عارفہ: (جھوٹ موٹ کا روتے ہوئے) خدا قسم ٹوٹو بھائی یہ ہمارے دو بڑے بھائی بیٹھے ہیں آپ کے سامنے کبھی پھول کی چھڑی بھی نہیں ماری انہوں نے-

ٹوٹو: نہ سچ میں نے تو آپ کو کچھ نہیں کہا- وہ آواز ادھر ہی سے آرہی تھی- پر-

زاہدہ: اب آپ باتوں میں نہ اڑائیں معاملے کو ٹوٹو بھائی-

غازی: باجی میں ان کے کمرے میں پنسل مانگنے گیا تھا تو یہ کہتے تھے بھاگ جا کمینے۔

ٹوٹو: یار کمینے تو میں نے لاڈ سے کہا تھا۔ بخدا۔۔۔ پیارے دوست۔

نجیب: (فیصلہ کن انداز میں) ٹوٹو بھائی۔ میں ایک عرصے سے کچھ باتیں نوٹ کر رہا ہوں۔

For your kind information.

ٹوٹو: کیسی باتیں نجیب بھیا۔

نجیب: آپ بالکل بگ پاورز کی طرح Behave کرتے ہیں زیردستوں کو دباتے ہیں اور طاقتوروں کے سامنے اپنے پنجے چھپا لیتے ہیں۔ Paws کے اندر

I dont like this

ٹوٹو: بھائی۔ ادھر سے آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے خود سنی ہیں زیردستوں اور زبردستوں کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عارفہ: تم سب خاموش رہو نجیب بھیا کچھ سلجھالیں گے معاملہ۔

نجیب: جب کبھی ہوتا ہے آپ غازی پر رعب ڈالتے ہیں۔

غازی: مجھے رات کے وقت سگریٹیں خریدنے بھیجتے ہیں چوری چوری۔

نجیب: پرسوں آپ نے زاہدہ کو Force کیا کہ وہ آپ کی گندی بنیان دھوئے۔ یہ کوئی شرافت ہے۔

جہانگیر: ان کی وجہ سے میرا ٹائر پنکچر ہوا۔ موٹر سائیکل کا نہ میں انہیں لفٹ دیتا نہ ٹائر ٹرک سے جا لگتا۔

نجیب: آپ کے Manners اس قابل ہیں کہ آپ کو اصطبل میں رکھا جائے اور آپ ہیں کہ ہماری ہر پارٹی ہر فنکشن میں دندناتے چلے آتے ہیں بلا دھڑک۔ نہ آپ کو آرٹ اور کلچر کا پتہ ہے نہ آپ ڈریسنگ کے اصول جانتے ہیں نہ آپ کی انگریزی کا Pronunciation اچھا ہے۔ نہ آپ فلم کے ٹاپک پر بات کرسکتے ہیں نہ ٹیلی ویژن کے پروگراموں کا آپ کو علم ہوتا ہے۔ آپ کس لئے منہ اٹھا کر Refined لوگوں کی سوسائٹی میں دندناتے چلے آتے ہیں بتایئے، فرمایئے۔

ٹوٹو: میں کوشش کر رہا ہوں۔

جہانگیر: کیا خاک کوشش کر رہے ہیں آپ۔

ٹوٹو: میں ورزش کرتا ہوں۔ ستار سیکھ رہا ہوں انگریزی کے فرسٹ کلاس حروف اپنی گفتگو میں استعمال کرنا سیکھ رہا ہوں آپ لوگ دیکھتے جائیں میں جلدی آپ کے لیول پر آجاؤں گا۔

عارفہ: نجیب بھیا انہوں نے ابھی ہمیں بلیاں کہا تھا۔

نجیب: میرے خیال میں آپ کو عارفہ اور زاہدہ سے معافی مانگنی چاہئے۔

ٹوٹو: نہ خواہ مخواہ ہی معافی۔ ہر بات پر معافی۔ میں آنٹی جی کو بتاؤں گا۔

نجیب: چلئے ووٹنگ کر لیتے ہیں کون سیکنڈ کرے گا میرے کو۔ ہم لوگ بے انصاف نہیں ہیں۔

غازی: میں نجیب بھیا۔ میں۔۔۔ (ہاتھ اٹھاتا ہے)

(سب ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ سب کو ہاتھ اٹھاتے دیکھ کر ٹوٹو بھائی بھی اپنا ہاتھ کھڑا کر دیتے ہیں۔)

نجیب: جو جو سمجھتا ہے کہ ٹوٹو بھائی کو معافی مانگنی چاہئے۔ ہاتھ کھڑا کر دے۔

نجیب: چلئے مانگئے ان سے معافی۔

ٹوٹو: مس سیدہ عارفہ اور سیدہ زاہدہ صاحبہ میں آپ سے دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ مجھے وہ گناہ جو میں نے کئے اور جو گناہ آئندہ مجھ سے سرزد ہونے والے ہیں سب یکمشت معاف کر دیں۔

جہانگیر: نجیب بھیا یہ تو سیدھا Contempt of Court ہے ان کی آواز میں تحقیر ان کے جملوں میں تضحیک کہ ان کے لب و لہجے میں طنز چھپا ہے۔

I dont like it.

نجیب: اب تو آپ کو مجھ سے بھی معافی مانگنی پڑے گی ٹوٹو بھائی۔

ٹوٹو: نہ خواہ مخواہ ہی معافی۔ میں آنٹی جی کو بتا دوں گا سب کچھ۔

نجیب: ہم کوئی بے انصاف تھوڑی ہیں جو بات اکثریت طے کر دے گی ہو جائے گی کس کس کا خیال ہے کہ ٹوٹو بھائی کو مجھ سے معافی مانگنی چاہئے۔

(سب ہاتھ اٹھاتے ہیں ساتھ ہی ٹوٹو بھائی کا بھی ہاتھ اٹھتا ہے۔)

(کٹ)

سین 5

ان ڈور

دوپہر

(ٹوٹو پلنگ پر بے سدھ پڑا سو رہا ہے۔ غازی آتا ہے اس کے ہاتھ میں ایک کاپی اور ایک لمبا سا پر ہے وہ کبھی اس پر سے ٹوٹو کے ناک کو کبھی کان کو سہلاتا ہے ٹوٹو کے گدگدی ہوتی ہے۔ ٹوٹو اٹھتا ہے۔)

ٹوٹو: کیا کر رہے ہو غازی میاں؟

غازی: آپ کو گدگدی ہوتی ہے ٹوٹو بھائی۔

ٹوٹو: ہوتی ہے لیکن اگر ہم اپنا دل سخت کر لیں تو نہیں ہوتی۔

غازی: یہاں گدگدی کریں ٹوٹو بھائی۔ میری ہتھیلی پر زور سے۔

(غازی اپنی ہتھیلی سامنے کرتا ہے اسے کھینچ کر رکھتا ہے۔ ٹوٹو گدگدی کرتا ہے اسے نہیں ہوتی۔)

غازی: جسے پہلے گدگدی ہو جائے ٹوٹو بھائی وہ دس روپے دے دوسرے کو ٹھیک ہے؟

ٹوٹو: ٹھیک ہے۔

غازی: لیں اب آپ میرے سر پر گدگدی کریں۔ کریں کریں۔ شرمائیں نہیں۔

(ٹوٹو گدگدی کرتا ہے کچھ نہیں ہوتا۔)

ٹوٹو: بڑے پکے ہو یار تم تو۔

غازی: یہاں گدگدی کریں ٹوٹو بھائی۔

(کہنی نکال کر سامنے کرتا ہے۔)

ٹوٹو: واہ۔

(ٹوٹو گدگدی کرتا ہے نہیں ہوتی۔)

(اب ٹوٹو ہاتھ بڑھا کر غازی کے پیٹ میں گدگدی کرنا چاہتا

ہے لیکن غازی روک دیتا ہے۔)

غازی: آپ کی تین باریاں ہو چکی ہیں ٹوٹو بھائی۔ اب میری باری ہے۔

(غازی ٹوٹو کے پاؤں میں گدگدی کرتا ہے ٹوٹو بیتاب ہو جاتا ہے۔)

غازی: لائیے دس روپے---- شرط آپ ہار گئے ہیں۔ پکی بات ہے۔

ٹوٹو: ناں یار میری بھی تو ہتھیلی میں کھجلی کر ناں۔

(غازی اب پیٹ میں گدگدی کرتا ہے۔ ٹوٹو ہنسی سے بے حال ہوتا ہے۔)

غازی: جگہ تو میں خود منتخب کروں گا ٹوٹو بھائی۔ پہلا چانس آپ کا گیا۔

ٹوٹو: فاؤل فاؤل فاؤل---- فاؤل۔

غازی: اپنی باری فاؤل فاؤل۔ نکالیئے سیدھی طرح دس روپے۔

ٹوٹو: یار تو میرے ٹخنے پر کھجلی کر۔

غازی: کیوں میری مرضی، جہاں میرا جی چاہے گا کروں گا۔ اب آخری چانس ہے آپ کا۔ دل سخت کر لیجئے اپنا ٹوٹو بھائی۔

ٹوٹو: کر لیا۔

غازی: آجاؤں۔

(ٹوٹو بغلوں کے نیچے گدگدی کرتا ہے ٹوٹو لوٹنیاں لگاتا ہے۔)

ٹوٹو: آہا----

غازی: نکالیئے دس روپے ٹوٹو بھائی۔

ٹوٹو: (اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ ہنستا رہتا ہے۔) کون سے دس روپے؟ کیسے دس روپے؟ کس کے دس روپے؟ کس طرح کے دس روپے؟ کس رنگ کے دس روپے؟ کیسے ہوتے ہیں دس روپے؟

غازی: اب ٹالئے ناں ٹوٹو بھائی۔ سیدھی طرح دیجئے میرا نوٹ۔

ٹوٹو: غازی بہادر! تم اپنے وقت کے بہت بڑے پنڈارے ہو۔

غازی: ٹوٹو بھائی مان جایئے۔ ورنہ میں امی سے کہہ دوں گا۔

ٹوٹو: آنٹی جی بہت اچھی عورت ہیں۔ تم گھر والوں کی طرح نہیں ہیں۔

غازی: میں نجیب بھیا کو بتا دوں گا سب کچھ----

ٹوٹو: کیسے؟

غازی: نجیب بھیا کو۔

ٹوٹو: ہائے میرے اللہ---- بھائی غازی بہلور میرے پاس اس وقت ایک دس پیسے کا بھی سکہ نہیں۔ دس کا نوٹ تو میں نے پورے ایک ہفتے سے نہیں دیکھا تیری قسم۔

غازی: آپ چلئے میرے ساتھ نجیب بھائی کے پاس---- آپ نے شرط کیوں لگائی تھی جی---- اب چلئے سیدھی طرح----

ٹوٹو: تم چلو میں آتا ہوں۔

غازی: میں سب جانتا ہوں جی۔ میں آپ کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ چلئے، چلئے، کھڑے کیوں ہیں؟ چلئے۔

(غازی باہر کی طرف کھینچتا ہے منظر فیڈ آوٹ کرتا ہے۔)

فیڈ آوٹ

سین 6

ان ڈور

صبح کا وقت

(نجیب، جہانگیر، عارفہ، زاہدہ اور آنٹی جی کمرے میں موجود ہیں، ماں کھڑی ہے۔ عارفہ اور زاہدہ پلنگ پر بیٹھی ہیں ٹانگیں ہلا رہی ہیں۔)

آنٹی: مجھے سب پتہ چلا گیا۔ نجیب تم نے ٹوٹو کے کمرے میں ڈھانچہ لا کر رکھا تھا اپنے کالج سے۔

نجیب: کونسا ڈھانچہ امی جی؟

آنٹی: مردے کا ڈھانچہ۔

نجیب: جی وہ تو انسانی ہڈیاں سیکھنے کے لئے لایا تھا گریز ایٹمی یاد کرنے کے لئے۔

آنٹی: وہ ڈھانچہ ٹوٹو کے کمرے میں کیسے پہنچا۔

(سب کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔)

عارفہ: آپ کچھ کہیں گی تو نہیں امی۔

آنٹی: نہیں۔

جہانگیر: میں لے کر گیا تھا جی اسے برقعہ پہنا کر آپ کا۔

امی: کیسے۔

جہانگیر: ایک برقعہ میں نے خود پہن لیا تھا۔ خود میں باہر نکل گیا تھا اور نقاب پوش ڈھانچے کو میں وہیں چھوڑ آیا تھا۔ دیوار کے ساتھ لٹکا کر۔

امی: وہ تو شکر ہے ٹوٹو ایسی باتوں سے خوفزدہ ہی نہیں ہوتا ورنہ کئی حادثے ہو جاتے ہیں۔

زاہدہ: ہم نے تو انہیں ایسے ایسے Shocks دیئے ہیں کہ اگر تھوڑی سی غیرت والے تھوڑی سی عقل والے تھوڑی سی انا کے مالک ہوتے تو کبھی کے چلے جاتے دھونکل---- شریف۔

امی: زاہدہ!

نجیب: آپ ہمیں بھی تو سچ سچ کچھ کہنے کا موقعہ دیں ناں امی۔

This is unfair.

جہانگیر: ہم ٹوٹو بھائی کی کمپنی ایک لمحہ بھی برداشت نہیں کرسکتے۔

امی: وہ بیچارہ تمہیں کیا کہتا ہے۔

سب ملکر: بور---- بور---- بور---- پینڈو

امی: آہستہ بولو---- تم سب---- خاموش۔

عارفہ: Excuse me امی! نجیب بھائی کدو نہیں کھاتے۔ آپ کہا کرتی ہیں۔ Force مت کرو نہیں کھاتا تو نہ کھائے۔ جہانگیر کو آملیٹ میں پیاز برے لگتے ہیں۔ آپ نے کبھی نہیں ڈالا پیاز۔ میں نیلا رنگ نہیں پہنتی۔ زاہدہ سیاہ رنگ سے نفرت کرتی ہے۔ نہ کدو برا ہے نہ پیاز۔ نہ نیلا رنگ نہ سیاہ---- آپ اگر ان باتوں میں ہماری پسند کا خیال رکھتی ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ٹوٹو بھائی کو

ہمارے سر پر لادے ہوئے ہیں۔ ڈیڑھ سال سے؟

امی: اس لئے کہ جتنی چیزیں تم نے گنوائی ہیں سب بے جان ہیں۔ انہیں اگر ناپسند کرو تو ان کا دل نہیں ٹوٹتا۔ لیکن تمہارے ٹوٹو بھائی انسان ہیں۔ انہیں اگر تم لوگ ناپسند کرو گے تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔

جہانگیر: اس بات سے یہ Logic نکلی کہ ہر انسان کو پسند کرنا ضروری ہے تاکہ اس کا دل نہ ٹوٹ جائے۔

(تالیاں بجاتے ہیں)

سب: Hear Hear

امی: اگر بحث کرو گے تو کئی گھنٹے درکار ہوں گے اور مجھے کئی کام ہیں۔

زاہدہ: ایک تو امی کے پاس یہ بہت اچھا بہانہ ہوتا ہے کہ مجھے کئی کام ہیں۔

نجیب: Don't be rude Zahida.

امی: ٹوٹو کا ہم پر حق ہے۔

عارفہ: کس قدر؟

جہانگیر: کب تک؟ کتنی دیر تک؟

امی: بس اسے B.Com کر لینے دو۔ واپس چلا جائے گا۔ چھ مہینے کی تو بات ہے۔

زاہدہ: وہ جائیں اپنے دھونکل شریف اور زمینوں کی دیکھ بھال کریں۔ اپنے مرحوم والد صاحب کا نام روشن کریں۔

امی: وقت ہی کتنا رہ گیا ہے؟

نجیب: یہ کہہ کہہ کر آپ نے تقریباً دو سال کر دیئے ہیں۔ امی مجھے پورا یقین ہے کہ پھر آپ کہنے لگیں گی کہ اب اسے نوکری تلاش کر لینے دو۔ نوکری مل گئی تو پھر آپ کہیں گی کہ اس کی تنخواہ کم ہے۔ جب تنخواہ بڑھ گئی تو آپ کہیں گی کہ اب اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں---- جب چھوٹے چھوٹے بچے جوان ہوگئے تو----

امی: نہیں نہیں بھئی اس قدر دیر تک نہیں۔ Believe me.

عارفہ: سارے خاندان میں ایک ہم ہی قربانی کے بکرے رہ گئے ہیں۔ اب انہیں بھیجئے تائی جان کے پاس آٹے دال کا بھاؤ پتہ چلے۔

جہانگیر: آج آخری بار بتایئے کی آپ کی ان سے رشتہ داری کیا ہے؟

زاہدہ: میں بتاتی ہوں میں۔ ان کی والدہ یعنی ٹوٹو بھائی کی ماں جی امی کی پھوپھی کی بھابھی کی بھانجی ہیں۔ نکال لیجئے آپ رشتہ بائی نومیل تھیورم کے ساتھ----

امی: رشتہ ہو یا نہ ہو۔ میں نے اس کی ماں سے وعدہ جو کر لیا تھا کہ میں اس کے بیٹے کو لکھا پڑھا کر واپس کروں گی گاؤں۔

جہانگیر: مجھ سے بھی کوئی وعدہ کر لیجئے امی----

(اس وقت غازی ٹوٹو بھائی کو پکڑ کر آتا ہے سب قہر بھری نظروں سے ٹوٹو کو دیکھتے ہیں۔)

غازی: نجیب بھائی نجیب بھائی ٹوٹو بھائی میرے پانچ روپے نہیں دیتے۔

(یکدم غازی کی نظر امی پر پڑتی ہے۔)

ٹوٹو: آنٹی جی دیکھ لیں آپ جی---- یہ مجھ سے پانچ روپے مانگ رہا ہے۔

امی: ادھر آؤ غازی---- کیا بات ہے؟

غازی: وہ امی جی---- وہ میں---- کچھ نہیں امی جی---- ٹوٹو بھائی کہتے تھے جی۔ امی جی بات یہ ہے۔

(کیمرہ ٹوٹو پر مرکوز ہوتا ہے۔ تصویر فیڈ آؤٹ ہوتی ہے۔)

فیڈ آوٹ

سین 7

ان ڈور

رات

(نجیب کا کمرہ، ایک کونے میں وہی مردے کا ڈھانچہ پڑا ہے سارے دروازے کھڑکیوں پر کالے پردے چڑھے ہیں۔ درمیان میں پلانچٹ کا میز سجا ہے۔ عارفہ اکیلی پاس کھڑی ہے زاہدہ آتی ہے۔)

زاہدہ: بس لا رہے ہیں ٹوٹو بھائی کو۔

عارفہ: کیسے مانے۔

زاہدہ: پون گھنٹہ بیٹھے Suggestion دیتے رہے کہ روحیں آجاتی ہیں گلاس کے اندر اور سچ بولتی ہیں۔

عارفہ: بس اب تو ٹوٹو بھائی کو Psychological Treatment دینا پڑے گا۔ محبت کے ساتھ، دوستی کے ساتھ پھر یہ بھوت نکلے گا ہمارے گھر سے۔

زاہدہ: ایسے ایسے Suggestion دیجئے باجی کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے بھوت۔ اور ساتھ ہی انہیں ہماری نیت پر شبہ بھی نہ ہو۔

عارفہ: اب تو Drastic Steps لینے پڑیں گے۔ ساری پالیسی تبدیل کرنا پڑے گی۔ ٹوٹو بھائی کے دوست بن کر گلا کاٹنا ہوگا۔

(اب نجیب اور جہانگیر درمیان میں ٹوٹو کو لئے آتے ہیں نجیب اور جہانگیر نے بڑی محبت سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔)

جہانگیر: اے۔ بی۔ سی۔ ڈی۔ لکھ لیا زاہدہ۔

زاہدہ: بالکل تیار ہیں ہم لوگ۔

ٹوٹو: یار میرا تو اعتقاد نہیں ہے ان باتوں پر---- دیکھو ناں----

عارفہ: یعنی آپ کا مطلب ہے کہ روحیں ہوتی ہی نہیں۔

ٹوٹو: ہوتی ہیں۔ لیکن انہیں کیا پڑا ہے کہ ایک چھوٹے سے گلاس کے اندر آجائیں ہماری خاطر اور ہمارا حکم مانیں۔

نجیب: ٹوٹو بھائی چلیے دو گھڑی کی تفریح ہی سہی۔ روح نہ سمجھئے بھوت سمجھ لیجئے جو زبردستی گھسا بیٹھا ہو اندر---- انگلی رکھئے۔ گلاس پر---- پلیز---- ٹوٹو بھائی----Come on----

(اب عارفہ ٹوٹو بھائی اور نجیب اپنی اپنی انگلی الٹے گلاس پر رکھتے ہیں۔ زاہدہ اور جہانگیر جھک کر دیکھتے ہیں۔)

Any good soul treavelling by kindly enter the glass and indicate by moving it to pl; Yes.

(عارفہ دو تین مرتبہ بڑی سنجیدگی سے یہ بات کہتی ہے۔ اب

گلاس چل کر Yes پر آتا ہے۔)

نجیب: پیاری روح کیا آپ گلاس میں ہیں؟

(گلاس پھر Yes پر جاتا ہے۔ ٹوٹو کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔

عارفہ: پیاری روح کیا میں پاس ہو جاؤں گی؟

(گلاس پھر چلتا ہے۔)

زاہدہ: پیاری روح کیا ٹوٹو بھائی B.Com میں پاس ہو جائیں گے۔؟

(گلاس مڑ کر "No" پر جاتا ہے۔)

ٹوٹو: نو----؟----کیوں---- پیاری روح؟

(گلاس جلدی جلدی حروف پر جاتا ہے عارفہ گلاس کی Move کے ساتھ ساتھ پڑھتی ہے۔)

عارفہ:

He will not take your exams.

ٹوٹو: کیوں پیاری روح۔

(خاموشی)

ٹوٹو: میں امتحان کیوں نہ دے سکوں گا؟

عارفہ: d--e--a--d

(گلاس جلدی جلدی چلتا ہے۔)

زاہدہ: کیا؟

عارفہ: D--E--A--D

(اب کیمرہ ٹوٹو بھائی کے چہرے پر آتا ہے اسے ٹھنڈے پسینے آرہے ہیں۔ سب اسے تھپک تھپک کر تسلی دیتے ہیں ٹوٹو کی شکل پر تصویر فیڈ آؤٹ ہوتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ

سین 8

ان ڈور

دن

(غازی لان میں غلیل کے ساتھ کھیل رہا ہے دوسری طرف سے ماتھے پر ٹوٹو دوپٹہ اس طرح باندھے آتا ہے جیسے سر میں درد ہو۔ ساتھ ہی گلاس میں پانی سے گولی نگلتا ہے۔)

غازی: ٹوٹو بھائی کیا بات ہے؟

ٹوٹو: کچھ سر میں درد ہو رہا ہے غازی میاں رات مچھروں نے سونے ہی نہیں دیا۔

غازی: میں بتاؤں آپ کو ٹوٹو بھائی آپ گاؤں چلے جائیں وہاں کھلی ہوا، صاف ستھری جگہ---- آپ کی صحت اچھی ہو جائے گی۔

ٹوٹو: یہی کچھ میں بھی سوچ رہا ہوں۔ شاید جانا ہی پڑ جائے۔

(امی کھڑکی میں سے جھانکتی ہیں۔)

امی: غازی۔

غازی: جی امی۔

امی: دودھ پیو اندر آ کر۔

غازی: منہ بنا کر اچھا جی۔

(غازی اندر چلا جاتا ہے، دوسری طرف سے زاہدہ آتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں پٹی ہے۔ سی سی کرتی آتی ہے----)

زاہدہ: ٹوٹو بھائی ذرا پٹی باندھ دیجئے پلیز۔

ٹوٹو: کیا ہوا؟

زاہدہ: کھیرا کاٹ رہی تھی چھری لگ گئی۔ آپ کو کیا ہوا سر باندھے پھر رہے ہیں۔

(ٹوٹو پٹی باندھتا ہے۔)

ٹوٹو: بھاری بھاری سر ہے یوں لگتا ہے بڑا تربوز رکھ لیا ہے۔ گردن پر۔

زاہدہ: ہائے ہاتھ دکھایئے۔

(ٹوٹو ہاتھ باہر کی طرف سے دکھاتا ہے۔)

ٹوٹو: جب میں چھوٹا تھا تو میرے ہاتھ بہت خوبصورت تھے اب آپ دیکھ کر کیا کریں

گی؟

(ہاتھ دیکھتی ہے)

زاہدہ: ہتھیلی دکھایئے---- آپ کے ہاتھ میں سن لائن ہے شہرت ملے گی آپ کو اخباروں میں نام چھپے گا۔

ٹوٹو: میرا تو سیاسی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔

زاہدہ: لیجئے---- مشہوری کوئی ایک طرح ملتی ہے؟ آرٹسٹ بن کر ادیب بن کر کھیلوں کا ریکارڈ قائم کر کے اور کچھ نہ ہو ٹوٹو بھائی تو قتل کر کے، خودکشی کر کے اس طرح بھی تو تصویر چھپتی ہے۔ آدمی کی----

ٹوٹو: اچھا اچھا اور کیا ہے میرے ہاتھ میں----

زاہدہ: جلدی آپ یہ جگہ چھوڑ دیں گے---- یہ دیکھئے Change of place.

ٹوٹو: میں----؟ لیکن یہ جگہ چھوڑ کر میں کیسے جا سکتا ہوں۔ اس گھر کے سوائے اور میرا ٹھکانہ ہی کہاں ہو سکتا ہے۔

زاہدہ: کیا پتہ کوئی بہتری ہو جائے ٹوٹو بھائی سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے۔ یہ دیکھئے آپ کی Luck Line کتنی Strong ہو گئی ہے Change کے بعد۔

ٹوٹو: (دکھ سے) لیکن میں جاؤں گا کہاں؟

زاہدہ: (نہ سنتے ہوئے) ٹوٹو بھائی---- یہ آپ کی لائف لائن ذرا ٹوٹی ہوئی ہے آپ اس پر Concentrate کیا کریں؟

ٹوٹو: کس پر؟

زاہدہ: رکشہ پر نہ سوار ہوا کریں کبھی بھی ستیلا مندر سے بس لیا کریں پلیز----

ٹوٹو: آپ سب کتنے اچھے ہیں۔ میرا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ میں آپ کا احسان کیسے اتاروں گا۔

زاہدہ: آپ کبھی کبھی ہمیں دھونکل شریف سے دیسی مرغیاں اور انڈے بھیج دینا ٹوٹو بھائی----

ٹوٹو: دھونکل شریف؟ وہاں جا کر میں کیا کروں گا؟ میں کوئی کھیتی باڑی کا کام تھوڑی جانتا ہوں۔ وہاں میری گزر کیسے ہو گی۔

زاہدہ: سیکھ لیں گے آپ دنوں میں ٹوٹو بھائی کھیتی باڑی کیا مشکل ہے۔

(امی کھڑکی میں سے)

امی: زاہدہ!

زاہدہ: جی امی؟

امی: ذرا میری ساڑھی استری کر دینا پلیز مسز نظامی کی طرف جانا ہے مجھے۔

زاہدہ: (منہ بنا کر) اچھا جی۔

(زاہدہ چلی جاتی ہے ٹوٹو پر کیمرہ C-U میں آتا ہے۔)

ٹوٹو: Change in Life؟ لائف لائن ٹوٹی ہوئی ہے---- قتل کر کے---- خود کشی کر کے---- رکشہ پر سوار نہ ہوا کریں ٹوٹو بھائی----

(اب عارفہ اندر سے آتی ہے۔)

عارفہ: ٹوٹو بھائی آپ کا سن پیدائش کونسا ہے؟

ٹوٹو: کیوں؟ ابھی تو میں نے کسی نوکری کے لئے Apply نہیں کیا۔

عارفہ: ٹوٹو بھائی یہ دیکھئے میرے ہاتھ میں کیا ہے؟

ٹوٹو: سر میں درد ہو رہا ہے اس کے یہ معنی تو نہیں کہ آنکھوں سے نظر آنا بند ہو گیا ہے---- کتاب ہے سیدھی سادی۔

عارفہ: Numerology کی کتاب ہے نمبروں سے غیب کا علم ہو جاتا ہے بتائیے سن پیدائش۔

ٹوٹو: چودہ مئی ۱۹۴۶ء

عارفہ: (حساب لگاتے ہوئے) ۱۹۴۶ء کے تو ہوگئے بیس نمبر۔ مئی کے ہوئے پانچ اور چودہ مئی کے ہوئے پانچ اب پانچ اور پانچ۔

ٹوٹو: دس۔

عارفہ: دس اور بیس۔

عارفہ: آپ کا نمبر ہے تین ٹوٹو بھائی۔

ٹوٹو: نہ تین میں نہ تیرا میں۔

(اب عارفہ کتاب کھول کر پڑھتی ہے۔)

عارفہ: آپ اپنے گروپ کے لیڈر ہیں۔ آپ کی مسکراہٹ وہ کام کرتی ہے جو دوسروں کی خدمت بھی نہیں کر سکتی ہے۔ آپ دراصل ایک پیدائشی آرٹسٹ ہیں۔

ٹوٹو: آرٹسٹ---- میں؟---- آرٹسٹ؟

عارفہ: آپ میں ایک گہرا احساس کمتری ہے جو آپ کو ابھرنے نہیں دیتا۔ لیکن اگر آپ اپنی تعمیری قوتوں کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ----

ٹوٹو: بشرطیکہ؟---- کیا بشرطیکہ؟

عارفہ: آپ کے Horoscope میں دیکھوں گی ٹوٹو بھائی یہ نیومورولجی Numerology کا علم تو یونہی ہے۔

ٹوٹو: تم مجھے دو کتاب عارفہ۔

عارفہ: نہ ٹوٹو بھائی (کتاب پیچھے چھپا لیتی ہے۔)

ٹوٹو: پلیز بتا دو عارفہ۔

عارفہ: پہلے وعدہ کریں۔

ٹوٹو: کیسا وعدہ؟

عارفہ: آپ اثر قبول نہیں کریں گے اس کا۔

ٹوٹو: وعدہ!

عارفہ: نمبر تین کے لوگ عموماً تیس سال سے ستائیس سال کی عمر میں بڑے حساس زود رنج اور شکی ہوتے ہیں۔ ان پر چھوٹی چھوٹی باتوں کا اثر دیر تک رہتا ہے۔ انہیں چاہئے کہ کسی ایک ہی جگہ سال چھ مہینے سے زیادہ نہ رہیں ورنہ----
اچھا Never Mind

ٹوٹو: کیا Never Mind

عارفہ: کچھ نہیں ہی ٹوٹو بھائی۔

ٹوٹو: پلیز بتا دو عارفہ۔

عارفہ: دیکھئے ٹوٹو بھائی یہ ستارہ شناسی Horoscope وغیرہ بالکل فضول باتیں ہوتی ہیں۔ محض دل لگی اور تفریح کے لئے کوئی Serious اثر نہ لیں آپ اس سے۔

ٹوٹو: ورنہ کیا عارفہ؟

عارفہ: ایک ہی جگہ مستقل طور پر رہائش ان کے اعصاب پر برا اثر ڈالتی ہے بسا اوقات یہ لوگ چھوٹی سی بات پر---- Oh Leave it.

ٹوٹو: بتاؤ عارفہ۔

عارفہ: توبہ کریں۔

ٹوٹو: تمہیں قسم اللہ پاک کی۔

عارفہ: قسمیں نہ دلائیں ٹوٹو بھائی---- بسا اوقات یہ لوگ چھوٹی سی بات پر اپنی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ دراصل آپ کی Sensitivity کی طرف اشارہ ہے۔

ٹوٹو: ہوں---- ہاں ہے تو۔

عارفہ: آپ گاؤں چلے جائیں ٹوٹو بھائی Much Better آپ کے لئے---- کم از کم آپ کی Sensitive نیچر پر ایک ہی ماحول کی یکسانیت کا بوجھ تو نہ پڑے گا۔

ٹوٹو: میں بھی سوچ رہا ہوں۔ کچھ کچھ۔

عارفہ: آپ کی والدہ بھی خوش ہو جائیں گی اور یہ جو---- یہ جو وہم سا پڑ گیا ہے آپ کو یہ بھی جاتا رہے گا۔

ٹوٹو: امتحان کی مشکل ہے عارفہ۔

عارفہ: امتحان کا کیا ہے ٹوٹو بھائی جان ہے تو جہان ہے۔ امتحان پھر اگلے سال سہی۔

(ٹوٹو کچھ سوچتا ہوا اندر جاتا ہے جہانگیر اور نجیب آتے ہیں۔)

نجیب: Any Success

عارفہ: موٹھ کی دال کا کوکڑو ہیں ٹوٹو بھائی بھی----

جہانگیر: کیا کیا Suggestions دیئے تم نے۔

عارفہ: میں تو ہر قدم پر ان کو یہ Suggestions دیتی ہوں کہ وہ چلے جائیں ڈھونگل شریف ورنہ ان کے لئے خطرہ ہے جان کا۔

جہانگیر: جان کا خطرہ؟ یار This is too much.

عارفہ: اس سے کم میں تو وہ جانے کے لئے---- کبھی تیار نہ ہوں گے۔ Psychological Shock بہت بڑا ہونا چاہئے۔

(کھڑکی کھول کر امی)

امی: عارفہ؟

عارفہ: جی امی جی۔

امی: کیا کہا تھا میں نے؟

عارفہ: جی امی؟

امی: سلاد بنا دیا تھا؟

عارفہ: ابھی بناتی ہوں جی---- ابھی----

امی: تم Swmming پر نہیں گئے جہانگیر----

جہانگیر: بس جی جا رہا ہوں۔

(جہانگیر اٹھ کر جاتا ہے عارفہ بھی اندر کی طرف جاتی ہے
منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

فیڈ آوٹ

سین 9

ان ڈور

دن

(ٹوٹو سامان پیک کر رہا ہے امی پانی کا گلاس لے کر آتی ہیں)

امی: قطیرہ گوند بھگوئی تھی تیرے لئے---- لے پی لے گلاس انشاء اللہ سر درد نہیں ہو گا۔ گرمی کی وجہ ہے ساری۔

ٹوٹو: شکریہ آنٹی جی۔

امی: یہ---- یہ سامان---- یہ کیا ہو رہا ہے ٹوٹو

ٹوٹو: میں گاؤں جا رہا ہوں آنٹی جی۔

امی: مجھ سے پوچھے بغیر؟ مجھ سے صلاح کئے بغیر۔ کیا مزے سے کہہ دیا گاؤں جا رہا ہوں۔

ٹوٹو: بس جی---- وہ۔

امی: اور بی کام کا امتحان تیرا باپ دے گا یہاں آ کر۔

ٹوٹو: امتحان کا کیا فائدہ آنٹی جی؟

امی: اتنے سال کی محنت کے بعد تو مجھ سے پوچھتا ہے امتحان کا کیا فائدہ۔ کھول دے سامان اور اطمینان سے بیٹھ کتابیں کھول کر۔

ٹوٹو: وہ جی اماں--- دراصل ماں کی--- میں آنٹی جی امی کے پاس جانا چاہتا ہوں۔

امی: لاکھ کھلاؤ پلاؤ لاکھ دیکھ بھال کرو پرائے پوت کبھی اپنے بنے ہیں تیری ماں سے میرا کوئی رشتہ ایسا نہ تھا نثار جو قابل ذکر ہوتا۔ پر میں نے دوستی رشتہ داری جو کچھ بھی سمجھ لے خوب نبھائی۔ تم لوگ ہی حرام کرتے ہو ہر محبت کو ساری سیوا کو---

ٹوٹو: آنٹی جی بات یہ نہیں ہے میں یہاں--- دراصل پتہ نہیں مجھ پر ایک خوف سا طاری ہوگیا ہے کہ ابھی کچھ ہو جائے گا۔ ابھی کچھ ہونے والا ہے۔

امی: مت دیکھا کرو فلمیں--- مت بیٹھا کرو ٹیلی ویژن کے آگے انگریزی پوئٹری اور غزلوں کا مطالعہ بند کردو سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ٹوٹو: مجھے آنٹی جی--- دراصل--- میری صحت ٹھیک نہیں۔

امی: تمہیں کچھ نہیں ہے نثار--- صرف تم امتحان سے جی چرا رہے ہو محنت سے جان جاتی ہے تمہاری۔

ٹوٹو: نہیں آنٹی جی یہ بات نہیں ہے۔

امی: یہی بات ہے اور کیا بات ہے؟

ٹوٹو: شاید میں یہاں سے چلا جاؤں تو بچ جاؤں--- نہیں تو بڑا خطرہ ہے۔

امی: یہاں سے تم جیتے جی تو جا نہیں سکتے ٹوٹو--- تمہیں امتحان دینا پڑے گا۔ نوکری تلاش کرنا ہوگی میں تمہیں نامکمل تعلیم کے ساتھ گاؤں جانے نہیں دوں گی--- میرے جیتے جی تمہارے جیتے جی یہ ناممکن ہے کہ تم یہ گھر چھوڑ جاؤ بِلا کام کئے بغیر۔

ٹوٹو: لیکن آنٹی جی۔

امی: تمہاری ہر فرمائش میں نے پوری کی--- میری یہ چھوٹی سی بات تم پوری نہیں کرسکتے--- خاندان کے لوگ کیا کہیں گے کہ چلی تھی نیکی کرنے۔

ٹوٹو: میں آنٹی--- کیسے بتاؤں۔

امی: تمہیں جان پر کھیل جانا پڑے ٹوٹو لیکن یہاں رہو--- اسی میں تمہارا بھلا ہے اور اب یہ قلیرہ گوند پیئو اور کتابیں کھولو۔ خبردار جو آخری سوئی نکالنے سے پہلے بھاگے یہاں سے یہ میری عزت کا سوال ہے--- میں نکو بننا نہیں چاہتی۔

(امی گلاس ٹوٹو کو پکڑاتی ہے اور کمرے سے باہر نکلتی ہے۔

دروازہ بند کرتی ہے۔ ٹوٹو گلاس ہاتھ میں تھامے وہی فقرے دہرانے لگتا ہے۔ کیمرہ اس کو چھوڑ کر کمرے کی دیواروں کا جائزہ لیتا ہے۔ اچانک پستول چلنے کی آواز آتی ہے۔ گلاس کے زمین پر گر کر چکنا چور ہونے کا چھناکا ہوتا ہے۔ امی بھاگ کر اندر کمرے میں آتی ہے اور ٹوٹو کے بستر کی طرف رش کرتی ہے۔)

ٹوٹو: بغاوت---- Revolution

Revolution abides in the heart of man. Molestation, molestation of the weaker party is cowardice Isolate. Isolate me from the tranny of man kind.

(ایک ایک کرکے سارے بچے اندر داخل ہوتے ہیں۔)

سب: کیا ہوا امی--- کیا ہوا۔

عارفہ زاہدہ: ٹوٹو بھائی؟

غازی: یہ پستول کہاں سے ملی انہیں؟

نجیب: (نبض پکڑ کر دیکھتا ہے)

جہانگیر: I told you, I told you, we took the joke too for.

عارفہ: ہوا کیا امی۔

امی: میں نے ٹوٹو کو مار دیا--- اچھا بھلا گاؤں جا رہا تھا بیچارہ--- چلا جاتا زندہ تو رہتا--- میں نے کہہ دیا میں جیتے جی تجھے نہیں جانے دوں گی--- مر کر چلا گیا بیچارہ--- اللہ میں نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں اس سے؟ (بچوں سے) تم سب کتنے اچھے ہو--- تم سب تنگ کرتے تھے اسے چھیڑتے تھے لیکن اسے مارنا تو نہیں چاہتے تھے---- میں نے تو اسے اپنے ہاتھوں مار دیا محبت کے مارے--- بہتری کے مارے خاندان میں نیک نامی کے مارے۔ تم سب کتنے اچھے ہو--- کتنے بہتر ہو مجھ سے--- کتنے اچھے ہو تم سب--- کتنے بہتر ہو مجھ سے ----- مذاق ہی کرتے تھے ناں بے ضرر سے--- کتنے اچھے ہو تم سب--- کاش میں تمہاری طرح ہوتی--- اس سے مذاق کرتی لیکن اس پر سختی نہ کرتی--- سختی نہ کرتی، سختی نہ کرتی۔

(امی پھوٹ پھوٹ کر روتی ہے باقی سب کے چہروں پر

(Guilt کے آثار آتے ہیں۔)
فیڈ آوٹ

ہیرامن

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام وقار عظیم

کردار:

- راشد
- گلبانگ
- جاوید
- عذرا
- سلمان
- سانپ
- تاج بی بی

(جاوید کا گانا)

رونے والے رو مت پیارے کوئی نہ آنسو پونچھے گا
پتھر دل دنیا میں کوئی تیرے لئے نہ سونچے گا
پھینک پیاز اور چھوڑ دے چاقو بن جا اس دنیا میں ہلاکو!

سین 1

ان ڈور

دن

(راشد، جاوید اور سلمان- باورچی خانہ---- اس وقت تینوں پر بڑے عذاب کا وقت کٹ رہا ہے سلمان پیاز کاٹ رہا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں جاوید تیل کا چولھا جلا رہا ہے اور راشد آٹا گوندھنے میں مشغول ہے- باورچی خانے کی دیوار پر بڑے حرف میں لکھا ہے- "تھری کلنڈر کمپنی میں"

ناشتہ	صبح سات بجے	ڈیوٹی سلمان اسسٹنٹ راشد
دوپہر کا کھانا	دن کو ڈیڑھ بجے	ڈیوٹی جاوید اسسٹنٹ سلمان
رات کا کھانا	رات کو نو بجے	ڈیوٹی راشد اسسٹنٹ جاوید
شام کو چائے	شام چار بجے	ڈیوٹی سلمان اسسٹنٹ راشد

جاوید: (گاتا ہے)

رونے والے رو مت پیارے کوئی نہ آنسو پونچھے گا
پتھر دل دنیا میں کوئی تیرے لئے نہ سونچے گا
پھینک پیاز اور چھوڑ دے چاقو بن جا اس دنیا میں ہلاکو!

سلمان: ایک میں پیاز کاٹ رہا ہوں- ایک تم گیت گا گا کر میرا دل ٹکڑے کر رہے ہو- میری قسمت ہی ایسی ہے-

جاوید: قسمت تو خیر تمہاری فسٹ کلاس ہے تھرڈ کلاس بی اے مخلص بک ڈپو میں

وقار اعظم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

نوکری مل گئی جعلی درسی کتابیں بیچنے کی اور کیا چاہیئے تمہیں۔

سلمان: میری ماں چاہتی تھی کہ میں کوئی بڑا افسر بنتا۔

راشد: ماں ہر ایک آدمی کی تھوڑی تھوڑی پاگل ہوا کرتی ہے۔ اگر ماں کی آنکھوں پر پٹی نہ بندھی ہوا کرے تو آدھی مائیں تو اپنے بچے چھوڑ کر بھاگ جائیں۔

جاوید: جلدی جلدی کرو۔ گیارہ بج گئے ہیں میری ڈیوٹی کا ریکارڈ خراب ہوتا ہے۔ لنچ وقت پر ملنا چاہیئے۔

سلمان: خود تو چولھے میں ماچسیں دکھاتے ہو اور مشکل کام سارا مجھ کو کرنا پڑتا ہے۔

(آرام سے دیگچی چولہے پر رکھتا ہے اور اپنے مکالمے کے بعد زانو کے گرد کنگھی ڈال کر سوچ میں مگن ہو جاتا ہے۔)

جاوید: پیاز کاٹنی مشکل کام ہے؟ آٹا گوندھنا مشکل کام ہے؟ یار ہماری قوم کا کیا بنے گا۔ اتنے چھوٹے چھوٹے کام تو ہم سے ہوتے نہیں ہم کب ہوائی جہاز بنائیں گے۔ کب ہمارا راکٹ چاند پر پہنچے گا؟ کب ہم تیل دریافت کریں گے جلدی پیاز لاؤ دیگچی لال ہو رہی ہے۔

راشد: کاش ان چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے کوئی ملازم مل جاتا تو میں بڑے بڑے کاموں کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتا۔

سلمان: اچھا بھلا تھا عنایت۔ تم اگر اسے ڈرائی کلینرز کے کم چکر لگواتے تو ٹکا رہتا ہمارے پاس راشد قلندر۔

راشد: عنایت گیا آپ کے ہاتھوں۔ نصیر گیا جاوید کی وجہ سے میں تو سب سے بھائی چارے کے اصول پر چلتا تھا۔

سلمان: میرے ہاتھوں گیا عنایت۔

راشد: گھٹنے کس کے دکھتے ہیں مالش کروانے کا مجھ کو شوق ہے کہ تمہیں۔

سلمان: میں اسے علیحدہ ٹپ کیا کرتا تھا اس خدمت کے لئے۔

راشد: اور اگر یہ جاوید کا بچہ ہر تیسرے دن اپنے چچا جان کے گھر نصیر کو نہ بھیجا کرتا تو وہ ٹکا رہتا آرام سے اس کی چچی جان تو ترپھلا پسوایا کرتی تھیں نصیر سے۔

سلمان: سن رہے ہو۔ Head Cook کیا کہتا ہے راشد؟ کیا سوچ رہے ہو؟

جاوید: یار میں سوچ رہا تھا بابر کے متعلق۔

راشد: بابر کے متعلق؟

جاوید: پانچویں سے لے کر اب ایم اے تک یہی پڑھتا آ رہا ہوں کہ بابر دو آدمیوں کو بغلوں میں دبا کر قلعے کی فصیل پر دوڑا کرتا تھا کبھی ان دو آدمیوں کی شکل نظر کے آگے گھومی ہے۔ جو دبدبہ شاہی کی وجہ سے گردن دبوانے پر مجبور تھے یار ذرا Imagine کرو اگر ان میں کوئی بھی بغل سے پھسل کر گر جاتا قلعے کی فصیل سے دھڑ دھڑ دھڑام ساٹھ فٹ نیچے۔

(سلمان دیگچی میں پیاز ڈالتا ہے جاوید کفگیر میں گھی ڈال کر بھوننے لگتا ہے۔)

ارشد: تم بھی خاص قسم کے Paranoia کے مریض ہو بادشاہوں کی باتیں کر کے خوش ہوتے ہو۔

سلمان: مان لیا تم ایم اے سائیکولوجی کر رہے ہو لیکن ہر ایک بات کے بخیئے ادھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ (جاوید ہنستا ہے اور ہنسے جاتا ہے)

راشد: یہ ہنسی کیوں آنے لگی تمہیں۔

جاوید: سوچ رہا تھا عدل جہانگیر کے متعلق۔

راشد: اپنی سوچ کی کھڑکی بند کرو۔ اور کفگیر ہلاؤ دیگچی میں تین بجے تک کھانا نہیں ملے گا۔

جاوید: اگر کبھی جہانگیر کی زنجیر عدل ٹوٹ کر فریادی پر گر جاتی اور وہ وہیں جاں بحق ہو جاتا تو اس کے وارث آ کر کونسی زنجیر کھینچتے؟ ذرا سوچو برادران تھری قلندر کمپنی یہ بات بڑی غور طلب ہے۔

(تینوں سوچ کے انداز میں چلے جاتے ہیں اس وقت عذرا گلبانگ کو لے کر آتی ہے۔ یہ ہزارے کا رہنے والا ہے۔ اور ملیشیا کا سوٹ پہنے ہوئے ہے۔ تینوں سنبھل جاتے ہیں۔)

عذرا: میں آجاؤں۔

سلمان، راشد: آیئے آیئے السلام علیکم

عذرا، جاوید: وعلیکم السلام

عذرا: میں آپ کے لئے ملازم لائی تھی گلبانگ سلام کرو۔

گلبانگ: السلام علیکم۔ جی

جاوید: خیر سے آپ جو بھی شہر کا ناکارہ ملازم لاتی ہیں وہ ہمارے پاس چھتیس گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹھہراتا۔

عذرا: آپ آٹا رہنے دیں راشد بھائی یہ خود گوندھ لے گا۔

گلبانگ: آٹھا تو اللہ قسم بی بی جی ہم نے کبھی نہیں گوندھا۔

عذرا: (لجاجت سے)

He will learn dont worry.

جاوید:

He will learn to smoke Lift up things and visit cinema house thats all they learn.

(عذرا، جاوید کے ہاتھ سے کفگیر لے کر ہانڈی دیکھتی ہے
جاوید سگریٹ سلگاتا ہے۔)

راشد: یار کوئی بات نہیں۔ میں نے پیڑے کر دیئے ہیں، سنو یار گلبانگ یہ پاس ہی تندور ہے بجلی کے کھمبے کے پاس دائیں ہاتھ جاکر ذرا روٹیاں لگوا لاؤ یہ لو چار آنے اور جلدی آنا۔

گلبانگ: ہم نیا آدمی ہے جی رستوں کو اچھی طرح علم نہیں ہے ہم کو۔

جاوید: جاؤ سلمان اسے تندور دکھاؤ۔

سلمان: یہ میری ڈیوٹی میں شامل نہیں۔

جاوید: ہو جائے گا۔ شامل

راشد: (پاس آکر گلبانگ کے سر پر پرات رکھتا ہے ساتھ ہی گاتا ہے۔)

گوش منت کش گلبانگ تسلی نہ ہوا

(عذرا ہنستی ہے، منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے)

فیڈ آؤٹ

سین 2

ان ڈور

دن

(تھری کلنڈر کمپنی کا) بیڈ روم دیوار پر بڑا سا کارڈ لگا ہے جس پر لکھا ہے تھری کلنڈر کمپنی شبستان

اوقات نیند — دو سے چار بجے شام

Excluding Sunday — رات دس بجے سے صبح سات بجے تک

گلبانگ: پانی میں برف ملا کر لاؤ جاوید صاحب ہمارا حلق سوکھ رہا ہے بخار سے۔ تم نلکے کا پانی لے آیا۔ (اس وقت سلمان اور راشد بستر بنا رہے ہیں دونوں کے ہاتھ میں چادر ہے جب سلمان چادر جھاڑتا ہے--- تو راشد اسے بچھاتا ہے جب سلمان بچھانے لگتا ہے تو راشد جھاڑنا شروع کر دیتا ہے گلبانگ پلنگ پر دراز ہے اور جاوید اسے کندھا دیئے دوا پلا رہا ہے۔)

گلبانگ: بڑا گرمی ہے آپ کے ملک میں، ادھر ہمارا طرف کلابھٹ میں تو ٹھنڈی ہوائیں چلتا ہے سارا وقت۔

جاوید: یار گلبانگ تھرموس تو تم سے کل ٹوٹ گئی تھی برف نہیں ہے گھر پر۔

راشد: Dont, dont, dont.

جاوید: کیا؟

راشد: اگر تم نے اسے accuse کیا تو یہ he will go away

جاوید: (پاس آکر آہستہ) تو بھاگ جائے۔ جب سے یہ آیا ہے کون سا کام کیا ہے اس نے۔ الٹا ہماری ڈیوٹیوں میں اضافہ کر دیا ہے۔

گلبانگ: سلمان صاحب جی۔

سلمان: کیا ہے گلبانگ۔

گلبانگ: خدا قسم ہم کو شرم آتا ہے۔

سلمان: نہیں نہیں کہو۔

گلبانگ: جو تکلیف نہ ہو برا نہ لگے آپ کو ذرا میرا سر دبا دینا جی۔

(سلمان چپ چاپ لہو کا گھونٹ پی کر سر دبانے میں مصروف

ہوتا ہے۔) اتنا درد ہے ایسا جو ہم بتا نہیں سکتا۔ آپ کو۔

راشد: Retribution

سلمان: تم ذرا اپنی انگریزی کم بولا کرو۔ نفسیات میں بھیگی ہوئی۔

راشد: سلمان قلندر صاحب بدلہ---- اولے کا بدلہ، یاد کیجئے کتنی مٹھی چاپی کروائی تھی آپ نے عنایت سے۔ یاد کیجئے۔ Remember؟

گلبانگ: ادھر ہم پیاس سے مر رہا ہے ادھر جاوید صاحب تم کو سگریٹ کا پڑا ہے۔ یرا کچھ تم کو خدا خوفی نہیں ہے۔ بالکل بھی۔

جاوید: مجھے برف لانے کے لئے جانا پڑے گا گلبانگ یار اتنی گرمی میں۔

گلبانگ: تو جاؤ نا بابا۔ ہم تگڑا ہو جائے گا۔ تو ساری خدمت کرے گا آپ کی۔

جاوید: This is the limit.

راشد: (پاس آکر) سنو جاوید یار۔ وقت کچھ اور طرح کا جا رہا ہے۔
Human beings are waking up all over the world.
سانٹا مار کر اب انہیں جانوروں کی طرح آگے نہیں لگا سکتے۔
اب tacties کام آتے ہیں۔
Equal rights justice fair play. مانگتے ہیں۔
These poor people. انہیں اب محبت عنایات اور شفقت کی زنجیر سے باندھنا پڑے گا۔ go go good boy. (جاوید منہ بنا کر بادل نخواستہ جاتا ہے)

(ارشد ساگودانہ پیالے میں ڈال کر پاس آتا ہے)

گلبانگ: میرا ساگودانہ تیار ہو گیا ارشد صاحب؟ بھوک بہت لگا ہے۔

سلمان: یار گلبانگ وہ جو مخلص بک ڈپو کا مالک ہے نا ہمارا وہ ذرا سخت آدمی ہے اگر تم اجازت دو تو میں دکان پر چلا جاؤں اب۔

گلبانگ: آپ نوکری چھوڑ دے صاحب جی۔ اپنے جیسا کوئی شریف آدمی تلاش کریں۔ نوکری کریں، غلامی مت کریں جی۔ (راشد پاس آتا ہے۔ Puts on a Smile کے ساتھ ساگودانہ کھلاتا ہے)

سلمان: وہ تو تمہاری بات ٹھیک ہے۔ لیکن اس پر عمل بھی صرف تم ہی کر سکتے ہو۔ اب جب تمہارا بخار اترے گا تم بھی کوئی شریف آدمی تلاش کرنا۔ ہم لوگ تو

درمیانے درجے کے آدمی ہیں۔ نہ شریف نہ غنڈے۔ انٹر کلاس میں سفر کرنے والے۔

(ارشد سلمان کو گھورتا ہے)

دال کو چمچی سے کھانے والے، تھری پیس سوٹ پہن کر رکشہ میں سیر کرنے والے۔

(ارشد ساگودانہ کھلا رہا ہے سلمان دبا رہا ہے منظر فیڈ آؤٹ ہوتا ہے۔)

راشد:
dont, dont, dont.
he will run away.

فیڈ آؤٹ

سین 3

ان ڈور

صبح کا وقت

(آنگن---- جاوید اس وقت بالٹی میں سے کپڑے نچوڑ کر تار پر ڈال رہا ہے ساتھ ساتھ گا رہا ہے۔)

جاوید: جب سے ملی تیرے در کی خاک۔
چندن کا لگانا چھوڑ دیا--- چھوڑ دیا--- چھوڑ دیا۔

(اس وقت عذرا آتی ہے اس کے ساتھ تاج بی بی ہے۔)

عذرا: کتنے پیسے فی کپڑا جاوید صاحب؟

جاوید: ہواز شی؟

تاج: سلام علیکم صاحب جی۔

جاوید: وعلیکم السلام۔

عذرا: تاج بی بی ذرا کپڑے ڈال دو تار پر۔

(تاج کپڑے تار پر ڈالتی ہے)

تاج: بسم اللہ جی---- میں تو سارا کام کر دوں جی پلک جھپکتے میں۔ کوئی تکلیف نہیں ہوگی صاحب جی میرے ہوتے ہوئے۔

(جاوید اور عذرا دونوں کیمرے کے سامنے آجاتے ہیں پیچھے بی بی کپڑے تار پر ڈالتی رہتی ہے۔)

جاوید: اب یہ کونسے باغ کی مولی پکڑ لائی ہو۔

عذرا: ایک آپ کے لئے ملازم گھیر گھار کر لاؤ۔ ایک باتیں سنو۔

جاوید: یہ گلبانگ کی بھی نانی نکلے گی۔ اس نے بھی خاک تسلی نہیں کی ہماری۔

عذرا: آپ کو رکھنا ہی نہیں آیا نوکر۔ بیچارے کا دل تو لگ جانے دیا ہوتا۔

جاوید: میرے امتحان ہیں فائنل کے اس جولائی میں For your kind information اور اگر بدقسمتی سے فیل ہوگیا تو آپ کے والد صاحب وہ نہیں کریں گے جو ہم چاہتے ہیں۔

عذرا: تو آپ کیا چاہتے ہیں۔

جاوید: آپ ہماری منگیتر ہی رہ جائیں گی فیل ہونے پر۔

عذرا: توبہ، ایک تو آپ لاڈلے بہت ہیں۔

جاوید: اس عورت کو آپ ساتھ ہی لے جائیں---- ہمیں Self help کی عادت ہوگئی ہے۔

عذرا: آپ یہ عورتوں والے کام کرتے رہے تو پڑھائی کیسے ہوگی؟ اور---- پڑھائی نہ ہوئی تو فیل ہونا یقینی ہے۔

جاوید: یہ بات ہے---- پھر تو چھوڑ جاؤ اسے---- پر کہیں برف نہ منگوایا کرے مجھ سے۔

عذرا: ہائے اللہ ایسی نہیں ہے تاج بی بی۔ (آواز دے کر) آپ اس سے کام کروائیں میں کل آؤں گی۔ عورت اچھی ہے۔

جاوید: اس طرح مت آیا کرو۔

عذرا: کس طرح؟

جاوید: یہی عید کے چاند کی طرح---- لمحہ دو لمحہ کے لئے۔

عذرا: توبہ بڑی گھسی پٹی مثالیں آتی ہیں۔ آپ سارا دن تاریخ پڑھتے ہیں۔ کوئی

نور جہاں، چاند بی بی، رضیہ سلطانہ کے پائے کی باتیں کیا کریں۔

جاوید: کریں گے امتحان کے بعد۔

(تاج بی بی پاس آتی ہے)

تاج: جی آپا جی؟

عذرا: دیکھو تاج بی بی میں نے صاحب کو سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ تنخواہ بھی بتا دی ہے۔ یہ بھی بتا دیا ہے کہ تم تھوڑا سا تمباکو کھاتی ہو۔ اور کوئی بری عادت تمہیں نہیں ہے۔

جاوید: تمباکو؟

تاج: (پاس زمین پر بیٹھتے ہوئے) وہ بات بھی بتا دی ہے آپا جی۔

عذرا: وہ بات؟ کونسی بات؟

تاج: صاحب جی میں بھادوں کے مہینے میں چڑھتے چاند پر دس دن کی چھٹی ضرور کروں گی۔

جاوید: یہ بھادوں کے مہینے اور چڑھتے چاند کی شرط کیوں ہے بی بی۔

تاج: سارا سال میں آپ کی خادم۔ جھاڑو بہارو۔ ہانڈی روٹی، کپڑے شپڑے۔ سب کام میں کروں گی۔ گھر کی طرح ساری خدمت کروں گی۔ پر دس دن کی چھٹی میری پکی ہے۔ بھادوں کے مہینے میں صاحب جی چڑھتے چاند پر۔

عذرا: Its a great rigmarole. She says that a snake bites her every year.

تاج: پردہ کوئی نہیں ہے آپا جی۔ سیدھی بات کی، نہ انہیں تکلیف نہ مجھے۔ صاحب جی میں بڑی دکھیاری عورت ہوں دکھوں نے میری کمر دوہری کر دی ہے۔ میرا مالک بیچارہ بڑا اچھا آدمی تھا۔

عذرا: تاج بی بی لمبی بات نہ کرنا۔ (گھڑی دیکھ کر) میری کلاس ہے پورے آدھے گھنٹے بعد۔

جاوید: بھئی کسی طرح تو آرام سے آدھ گھنٹہ یہاں بھی رک جاؤ۔

(عذرا گردن کاٹ دینے کا اشارہ کرتی ہے۔)

عذرا: امی کا پتہ ہے کچھ؟

تاج: اب جو کسی سے اپنا رنڈی رونا لے کر بیٹھ جاؤ صیب جی تو وہ کیا میرے دل پر

مرہم رکھ دے گا۔ پر کمالا تھا بہت اچھا۔ ہمارے لوگوں میں عادت ہوتی ہے جی۔ ساری غیر ہی کا غصہ عورت کو مار پیٹ کر نکالتے ہیں۔ پر اس اللہ کے بندے نے کھڑیاں کاٹیں مزدوریاں کیں۔ کوئلے چنے لائنوں پر سے پر جی مجھے کبھی کچھ نہیں کہا۔

عذرا: ہوا کیا تھا کمالے کو؟

تاج: کچھ پتہ نہیں لگا آپا جی رکھ ہے ہمارے گاؤں کے پاس رکھ نوراں والا۔ وہاں لکڑیاں کاٹنے گیا تھا چڑھے چاند پر پھر لوٹ کر نہیں آیا۔

عذرا: کوئی تلاش کرنے نہیں گیا تمہارے خاندان کا۔

تاج: سب گئے آپا جی پر اتنا گھپ اندھیرا ہوتا ہے ادھر جنگل میں دن کا چاننا بھی اندر نہیں جاتا۔ روحیں پھرتی ہیں، دن کے وقت سانپ بادشاہ درختوں سے لپٹے رہتے ہیں۔

عذرا: اور وہ جو تم کہتی تھیں کہ سانپ لڑ جاتا ہے تمہیں۔

تاج: ہاں جی لڑتا ہے ہر بھادوں کو چڑھے چاند پر---- پھر میں بیہوش ہو جاتی ہوں۔ پھر وہ ظالم آجاتا ہے کاٹنے کو۔ سارے ہڈ پیر درد سے بھر جاتے ہیں دس دن کے لئے۔ کوئی کہتا ہے کہ سانپ نہیں سنیاسی ہے۔ کوئی کسی بزرگ کی روح بتاتا ہے۔ بڑے دھاگے تعویذ کئے ہیں میں نے---- پھر تیسرے دن پھر کاٹتا ہے آپا جی۔

جاوید: ہمیشہ بھادوں میں آتا ہے۔

تاج: ہاں جی---- اس کی مرضی۔

(دونوں ایک طرف چلتے جاتے ہیں)

عذرا: These illitrate people they beleive such stories.

جاوید: اور جو کہیں وہ سانپ بادشاہ اس کی تلاش میں ادھر آنکلا عذرا جان تو---- اور کاٹ کھایا جناب کے خادم کو تو؟ اور مرگیا شیر افگن کی طرح نوعمری میں بیچارہ جاوید تو؟

(عذرا منہ پر جلدی سے ہاتھ رکھتی ہے)

عذرا: ہائے کتنا شوق ہے Pity حاصل کرنے کا۔ آپ اسے بھادوں کی پہلی تاریخ سے چھٹی کر دینا بابا----

فیڈ آؤٹ

سین 4

ان ڈور

دوپہر

(رات کا وقت ہے سلمان اور راشد اپنے اپنے پلنگوں پر لیٹے مزے سے سو رہے ہیں تاج بی بی دروازے کی دہلیز میں آگے کو ٹانگیں بڑھائے دروازہ کھولے چوکھٹ سے سر لگائے راہ روکے بیٹھی ہے۔ نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہیں۔ ایک دو بار نیند کے بوجھ سے اونگھ جاتی ہے۔ جاوید آتا ہے تاج بی بی کے گھٹنوں سے جوتے ہاتھ میں لئے الانگ کر اندر جاتا ہے۔ جونہی وہ دونوں قدم اندر رکھتا ہے پیچھے سے تاج بی بی اسے بوشرٹ سے پکڑ لیتی ہے۔)

تاج: ایک چور دوسرے چتر۔ کیا سمجھتا ہے آنکھیں بند ہوں تو آدمی مرجاتا ہے۔

جاوید: آہستہ بول بی بی۔ دیکھتی نہیں سو رہے ہیں راشد اور سلمان۔

تاج: اور میں جو جاگ رہی ہوں خصم نوں کھائی، کرماں پٹی، بدبخت کالے منہ والی۔

جاوید: تیری مرضی ہے۔

تاج: ٹھیک ہے میری مرضی ہے---- کمالا مرگیا اکیلا چھوڑ گیا مجھے دھکے کھانے کو میری مرضی---- تین بہنیں تھیں سب سہاگ بھاگ اجاڑے بیٹھی ہیں میری مرضی۔ اولاد نہ ہوئی کوئی، میری مرضی---- تیرے جیسا مالک مل گیا راتوں کو جگانے والا میری مرضی۔ (آسمان کو دیکھ کر) کر ظلم---- دے دکھ---- لڑا ہر سال سانپ---- توڑ دے کمر تاج کی۔ کون پوچھ سکتا ہے تجھے----

جاوید: (محبت سے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) بڑی گرم مزاج ہے تو بی بی یونیورسٹی میں دیر ہوگئی ذرا سی اور تو۔

تاج: ذرا سی---- یہ ذرا سی ہے ایک کا گجر تو بج گیا کبھی کا۔ کاکا مجھے تو پہلے ہی زندگی

نے ادھ موا کر دیا ہے۔ تو کیوں مجھے مارنے لگا ہے----

جاوید: تو سمجھے بھی۔

تاج: کیا سمجھوں ہیریا۔ جھگڑ چلتا ہے رکشا موٹروں کا۔ کار والے اپنے سواء کسی کو اللہ کی مخلوق ہی نہیں سمجھتے۔ تجھے کیا پتہ کتنے وہم گھیرتے ہیں گھر میں بیٹھنے والیوں کو---- (آنسو پونچھتی ہے) ہر وقت لگتا ہے اب تو ہسٹرڈ ہو گیا ہو گا جو نہیں آیا؟---- اب تو ہسپتال کے برآمدے میں پڑا ہو گا جو ایک بج گیا۔ کون جانے کس فٹ پاتھ پر پڑا ہے؟ ایک شہر اتنا بڑا---- دوسرے تم تینوں بچے اتنے پتھر دل۔ مائی بیچاری کتنے دن بیٹھی روتی رہے گی۔ مرجائے گی کسی دن بدبخت۔

جاوید: (ہاتھ بڑھاتا ہے) جو سزا چاہے دے لے---- جو وعدہ کرنا ہے کروالے۔ پر یہ تو روتی تو نہ جا بی بی۔

تاج: اول تو سورج کے ڈوبتے ہی گھر آیا کرو تم تینوں، جو توفیق نہ ہو تو پھر بتا کر جایا کرو کہ مدرسے سے کب لوٹو گے؟

جاوید: سلمان نہیں بتا سکے گا۔

تاج: کیوں؟

جاوید: کیونکہ وہ مدرسے سے نہیں مخلص بک ڈپو جاتا ہے---- اور کیا

تاج: (مسکرا کر) چل بیٹا کھانا کھالے میں نے پھلیاں پکائی ہیں تیرے لئے آ---- باہر کی روٹی مت کھایا کرو۔ مسالے بہت ہوتے ہیں گوشت باسی ہوتا ہے چل آ---- کھڑا کیوں ہے؟

کٹ

سین 5

ان ڈور

شام

(آنگن میں ارشد اور جاوید اپنی اپنی کتاب لئے پھرتے ہوئے کچھ اسطرح پڑھ رہے ہیں کہ سیٹ کے عین وسط میں وہ ایک

دوسرے کو Cross کرتے ہیں۔ دوبار یوں چلنے کے بعد جب ارشد اور جاوید ایک دوسرے کے پاس آتے ہیں تو یکدم ارشد کہتا ہے۔)

ارشد: یار ابھی میں ambavilance کے متعلق پڑھ رہا تھا تو عجیب انکشاف ہوا۔

جاوید: کس کے متعلق؟

ارشد: ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز کے متعلق دو مختلف اور متضاد قسم کے رد عمل---- یعنی بیک وقت نفرت اور محبت بیک وقت کنجوسی اور فراخ دلی۔

جاوید: غالب کی سادگی اور پرکاری بے خودی اور ہوشیاری۔

ارشد: ہماری مائی تاج اس جذبے کا شکار ہے۔

جاوید: کیا کیا کیا؟

ارشد: مائی جی کو بیک وقت ناگ بادشاہ سے محبت بھی ہے اور شدید نفرت بھی۔ وہ چاہتی ہے کہ بھادوں مہینہ نہ آئے لیکن وہ اسی مہینے کا گیارہ ماہ انتظار بھی کرتی ہے۔ سانپ کے کاٹے کی اسے جسمانی تکلیف بھی ہوتی ہے لیکن ذہنی راحت بھی ملتی ہے ساتھ ساتھ اسے۔

جاوید: پہلے ہی خاندان عباسیہ کی ہسٹری پڑھ پڑھ کر میرا دماغ کھوکھلا ہو چکا ہے اب تم رہی سہی چولیں بھی ڈھیلی کر دو اپنی نفسیات کے زور پر----

ارشد: اچھا پھر کیا وجہ ہے کہ مائی صبح سویرے اٹھ کر پہلی بات ہے کہ تاریخ پوچھتی ہے چاند کا مہینہ پوچھتی ہے---- کیوں؟

جاوید: کہیں بچپن میں ایک مرتبہ کاٹ جائے تو ساری عمر یہ واقعہ آدمی بھلا نہیں سکتا۔ وہ بیچاری تو خدا جانے کتنے سالوں سے اس حادثے کا شکار ہو رہی ہے۔

راشد: کون جانے تاج بی بی By nature Sadist ہو

جاوید: لیکن اذیت پسندی کی کوئی حد ہوتی ہے۔

راشد: اگر آدمی نارمل نہ ہو حالات نارمل نہ ہوں تو کوئی حد نہیں ہوتی۔

جاوید: دیکھو راشد قلندر۔ میں یہاں ایم اے تاریخ کا امتحان دینے کے لئے بیٹھا ہوں۔ تمہیں نفسیات کا ایم اے کر کے پروفیسر لگنا ہے۔ سلمان کو مخلص صاحب کی ساری درسی کتابیں بیچ کر اپنے باپ کا قرض اتارنا ہے ہم سب کے سامنے ایک ایک مشن ہے۔

راشد: فلموں کی طرح سجی سجھائی ہوئی باتیں سمجھا رہے ہو۔

جاوید: ہمیں اس وقت ایک تاج بی بی اور ایک عدد بڑے وضع دار ٹائم کے پابند اصولوں کے دھنی سانپ کی باہمی بکواس میں حصہ نہیں لینا چاہئے---- Right؟

راشد: Understood سر۔

(اس وقت مائی تاج گٹھڑی لئے آتی ہے اس کے ہاتھ میں چابیاں ہیں----)

تاج: لے ویر راشد یہ ہیں سٹور کی چابیاں۔ دو دن کی پتی باقی ہے چائے کی۔ مٹی کا تیل بھی ختم ہونے والا ہے اور چولہے میں بتیاں ڈالنا نہ بھولنا۔

جاوید: یہ تم اتنی لمبی چوڑی ہدایات کیوں دے رہی ہو بی بی۔

تاج: بتایا تو تھا تمہیں دس دن کی چھٹی ہوگی میری بھادوں میں۔

جاوید: اماں جی وہم نہیں کرتے۔ بادشاہوں کی سلطنتیں الٹ دیں اس وہم نے۔

تاج: ناں کاکا اب تم چاہے جو مرضی کہو میں رک نہیں سکتی۔

جاوید: ہمارے امتحان سر پر ہیں بی بی۔ تیرا مطلب ہے ہم فیل ہو جائیں دونوں کے دونوں۔

تاج: خیری صلاح۔ دس دن کی بات ہے میں خود آکر دہی کھلا کر بھیجا کروں گی تم دونوں کو۔ دس دن تم لوگ آگ شاگ نہ جلانا۔ ہوٹل پر کھانا کھا لینا میں کہہ چلی ہوں غفور سے۔ یہاں کھانا لے آیا کرے گا۔

(اب سلمان اندر آتا ہے وہ بخار میں ہیٹر کی طرح گرم ہو رہا ہے اس کا سر گھوم رہا ہے۔)

راشد: کیا ہوا ہے سلمان؟

جاوید: سلمان؟ Whats the matter?

(تاج آگے بڑھ کر سلمان کو سنبھالتی ہے)

تاج: تیری عمر کوئی لڑنے بھڑنے کی ہے لاکھ سمجھاؤ گرمی کے دن ہیں۔ گاہکوں سے نرمی برتا کر۔ ٹھنڈا پانی پی کر بات کیا کر۔ پر سمجھے بھی کوئی یہاں۔

راشد: ہوا کیا ہے سلمان قلندر But he has high fever توبہ---- اتنا گرم ہے جسم۔

(راشد اور جاوید سلمان کو پلنگ پر لٹاتے ہیں)
تاج گٹھڑی رکھ کر پیچھے پیچھے جاتی ہے پھر اندر باورچی خانے سے کدو اور برف اٹھا لاتی ہے۔)

سلمان: (ہذیان بکنے کے انداز میں) مخلص صاحب آپ ناشر ہیں۔ پبلشر ہیں۔ آپ کا پریس بہت بڑا ہے پر میں تتے توے پر بیٹھ کر کہوں گا آپ چور ہیں---- جعلی درسی کتابیں بیچ بیچ کر غریب طالب علموں کا خون چوس کر۔ بلیک میں کاغذ بیچ کر---- بیچارے لکھنے والوں کی رائلٹیاں چرا کر آپ نے لمبی سیاہ کار خریدی ہے۔ میں کہوں گا چاہے میری نوکری نہ رہے چاہے---- چاہے میرے باپ کا قرض ساری عمر نہ اترے ظلم خدا کا آپ اپنے آپ کو تاجر کہتے ہیں---- سلمان قلندر ہوش کرو یار۔

جاوید: میں ڈاکٹر کو بلاؤں۔

(مائی اندر آتی ہے پائنتی بیٹھ کر پیروں میں کدو ملتی ہے۔)

تاج: گرمی لگ گئی ہے لو کا ایک بھبکا لگ جائے تو آدمی کی سدھ بدھ ماری جاتی ہے۔ اس کا تو ٹائر بھی کل سے پھٹا ہوا ہے سائیکل کا پیدل گیا ہے ضدی۔ بولتی رہی ہوں کہتی رہی ہوں سلمان بس پر چلا جا---- رکشا لے لے---- ٹیکسی کروا لے۔ ناں جی یہ تو دو فرلانگ کا فاصلہ ہے بی بی---- پانچ منٹ میں پہنچ جاؤں گا۔ لے راشد سر پر برف رکھ اس کے ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔

جاوید: بی بی تیرے لئے لا دوں رکشہ۔

تاج: بس باتیں نہ بنا بیٹھ کر تلیاں مل اس کی۔

جاوید: تو جا بی بی اپنے گاؤں تیرا سانپ راہ دیکھتا ہوگا۔ سلمان نے تو مر ہی جانا ہے ہم دونوں ہانڈی روٹی میں لگے رہے تو فیل ہونا یقینی ہے۔ میری تو منگنی چھوٹ جائے گی عذرا سے اس کی ماں اسے گھر نہیں گھسنے دے گی۔

تاج: باتیں نہ بناؤ مریض کے دل پر بوجھ پڑتا ہے باتوں کا۔

راشد: خیر بی بی تیری چھٹی Due ہے۔ تنخواہ چاہے سارے مہینے کی لے لے پر ابھی کچھ دن باقی ہیں---- دیکھ ناں حساب کی بات ہے۔

تاج: چپ نہ کرنا کبھی کوے کہیں کے۔

جاوید: چپ کر بی بی---- کوئی سنے گا کہ اس طرح ملازمہ مالکوں کو جواب دیتی ہے تو

کیا سمجھے گا۔

تاج: ملازمہ ہوتی تو آرام نہ آجاتا۔ سکھ سے چلی نہ جاتی رحیم آباد اپنے گھر بچے نہ ہوئے۔ اور کیسا لوبھ پڑ گیا بچوں کا بیٹھے بٹھائے۔

راشد: لا دوں بی بی ٹیکسی۔

تاج: چپ کر کے بیٹھو۔

جاوید: اور ٹیکسی بی بی۔

تاج: دونوں اٹھو اور صندل کا شربت لاؤ جا کر حکیم صاحب کی بیٹھک سے۔

جاوید: بی بی یہ چلا جائے گا۔

تاج: چل پھر تو برف لا جا کر دو آنے کی اٹھ---- اٹھتا کیوں نہیں دیکھتا کیا ہے میری صورت۔

(دونوں چلے جاتے ہیں)

تاج: سلمان---- کاکا سلمان---- ہیرا---- کاکا سلمان! اٹھ آنکھیں کھول---- میں تجھے ملے بغیر ہی چل دی تھی۔ کیسی سزا ملی مجھے۔ پنج تن پاک کی قسم میں، میں تجھے بغیر ملے ہی چل پڑی تھی گاؤں سلمان---- سلمان کاکا---- آنکھیں کھول۔

(یہ بولتی جاتی ہے اور پھر دوپٹے کے پلو سے اس کا ماتھا پونچھتی ہے اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔)

کٹ

سین 6

ان ڈور

دوپہر

(تاج بی بی اپنے باروچی خانے میں اکیلی بیٹھی ہے۔ ہنڈیا چولہے پر چڑھا رہی ہے۔ سامنے پرات میں بھنڈیاں ہیں ان کو

چھری سے کاٹ رہی ہے۔ اچانک اس کی نظر کھڑکی کے نیچے موری پر پڑتی ہے۔ وہ دم بخود ہو کر ادھر دیکھنے لگتی ہے اور پھر چھری سے زمین پر کراس بنا کر کہتی ہے۔)

تاج: آگیا تو میری جان کا دشمن، ادھر بھی پہنچ گیا شہر میں---- دیکھ آج لڑکوں سے تیری کیسی گت بنواتی ہوں---- جا چلا جا اور چھوڑ میرا پیچھا۔

(یہ باتیں کہہ کر اٹھتی ہے اور الماری میں سے دہی کا کٹورہ نکال کر لاتی ہے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر ذرا سا نمک اس میں ملاتی ہے دو تین مرتبہ چمچے سے پھینٹتی ہے اور ذرا سا دہی ہتھیلی پر ڈال کر چکھتی ہے۔ پھر کٹورے کا دہی ہنڈیا میں ڈال دیتی ہے۔ ڈوئی ہلاتی ہے اور دوبارہ بھنڈیاں کاٹنے لگتی ہے۔ پھر ہاتھ روک کر موری کی طرف منہ کر کے کہتی ہے۔)

تاج: آٹھ سال سے کیوں سولی پر ٹانگ رکھا ہے تو نے مجھ کو۔ آ جائے تو تیری صورت زہر لگتی ہے۔ نہ آئے تو سارا وجود ہتھوڑا سا بن جاتا ہے۔ کس کنوئیں میں چھلانگ لگاؤں کس دیوار سے ماتھا پھوڑوں---- بیبا جا خدا تیرا بھلا کرے۔

(کیمرہ کٹ کر کے دکھاتا ہے کہ نالی کے پاس ایک سانپ سر اٹھائے کھڑا ہے اور تاج اس سے باتیں کر رہی ہے۔ سانپ کی Video پر تاج کے جملے اترتے ہیں۔)

سنا کہ نہیں میں کیا بکواس کر رہی ہوں؟ ایک چوری اوپر سے سینہ زوری۔ (سانپ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے۔) اپنا گاؤں چھوڑا---- ماں باپ چھوڑے۔ در در ٹھوکریں کھائیں پر تیرا ہر سال کا آنا نہ گیا---- بول اب کیا چاہتا ہے؟---- جان پیاری ہے تو چلا جا نہیں تو لڑکوں میں سے کوئی آجائے گا تیری زندگی حیاتی خطرے میں پڑ جائے گی۔

(یہ کہہ کر وہ پھر کام میں مشغول ہونا چاہتی ہے لیکن سانپ کے آگے مسحور ہو جاتی ہے۔ نہ اپنی جگہ سے ہل سکتی ہے نہ پلک جھپک سکتی ہے نہ بول سکتی ہے۔ بس آنکھیں کھولے سانپ کو تکے جاتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اسی طرح بیٹھی بیٹھی اپنا پیر آگے بڑھاتی ہے اور آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ میوزک بینگ کے ساتھ

سانپ اس کے ٹخنے پر کاٹتا ہے اور وہ زور سے چیخ مارتی ہے پھر بیہوش ہو کر فرش پر گر جاتی ہے۔ اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگتا ہے---- دور سے جاوید کی آواز آتی ہے جو گاتا ہوا آرہا ہے۔

بھوک کے رنگ نیارے۔
میری بھوک کے رنگ نیارے۔
گلی گلی میں بھوک کھڑی ہے ٹیڑھے پیر پسارے۔
میری بھوک کے رنگ نیارے (پلٹا)
بی بی بی بی بھوک لگی
کھالو بیٹا مونگ پھلی
مونگ پھلی میں دانا نہیں ہم تمہارے نانا نہیں۔

جاوید: (صحن میں داخل ہوکر) بی بی روٹی---- بی بی روٹی---- (باورچی خانے کی طرف) میری بھوک کے رنگ نیارے۔

(بی بی کو فرش پر بیہوش دیکھتا ہے تو ایک سیکنڈ کے لئے دم بخود رہ جاتا ہے۔ پھر جلدی سے آگے بڑھ کر اس کو سنبھالتا ہے۔ دیکھتا ہے کہ ٹخنے پر خون کی ایک لکیر ہے۔ فوراً جیب سے رومال نکال کر پنڈلی پر کس کر باندھتا ہے۔ پھر گلاس میں پانی لے کر زخم پر ڈالتا ہے اور زخم دھوتا ہے۔ نشان دیکھ کر خوفزدہ ہوجاتاہے اور سمجھ جاتا ہے کہ یہ سانپ کے کاٹے کا زخم ہے۔ چولہے کے قریب سے چھری اٹھاتا ہے اسے دھوتا ہے اور کاٹنے کا ارادہ کرتا ہے کہ راشد اور سلمان داخل ہوتے ہیں۔)

راشد، سلمان: روٹی پک گئی بی بی۔

جاوید: اندر آؤ جلدی بھاگ کر---- فوراً۔

(دونوں ہڑبڑا کر اندر داخل ہوتے ہیں۔)

راشد: کیا ہوا کیا ہوا۔

سلمان: بی بی، بی بی---- کیا ہوا بی بی کو۔

جاوید: سانپ نے کاٹ لیا ہے۔

راشد، سلمان: سانپ۔

جاوید: یہ دیکھو اس کے دانتوں کے نشان، خطوط وحدانی اندر دو نقطے۔

سلمان: بے شک یہ سانپ ہی کے دانت کا نشان ہے۔

راشد: اب کیا کریں۔

سلمان: بی بی ٹھیک کہتی تھی۔

راشد: اب کیا کریں بڑا زہری سانپ معلوم ہوتا ہے۔

جاوید: پہلے بی بی کو اٹھا کر باہر چارپائی پر تو ڈالو۔

راشد: میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔

جاوید: پہلے اسے اٹھا کر باہر تو لے چلو۔

(تینوں ڈنڈا ڈولی کرکے تاج بی بی کو اٹھاتے ہیں اور باہر صحن میں لاکر چارپائی پر ڈال دیتے ہیں۔ وہ اسی طرح بیہوش ہے اور اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا ہے۔ راشد اپنے رومال سے بی بی کا منہ پونچھتا ہے۔)

جاوید: زخم کا نشان بالکل تازہ ہے۔ سانپ ابھی یہیں کہیں ہوگا۔ باورچی خانے میں نہیں تو ساتھ کے غسل خانے میں۔

راشد: لیکن پہلے ڈاکٹر کو تو بلائیں۔

جاوید: پہلے سانپ کو ختم کریں۔ سلمان تم ہاکی سٹک اٹھاؤ کونے سے۔

(سلمان سٹک اٹھاتا ہے)

راشد: میں دروازہ بند کرتا ہوں باہر کا جاکر۔ (جاتا ہے)

جاوید: بند نہ کرنا دہلیز پر کھڑے رہنا۔

(خود کپڑے دھونے کا تھاپا اٹھاتا ہے۔)

جاوید: ادھر سے سلمان ادھر سے---- ناکا بندی کرو۔ ناکا بندی۔

سلمان: موری روک لو---- جاوید موری----

جاوید: راشد---- راشد---- جلدی سے اندر آؤ جلدی سے۔

سلمان: روک لو---- مارو---- مارو جاوید---- مارو۔

(جاوید اور سلمان آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے باورچی خانے میں داخل ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر سیٹ پر خاموشی رہتی ہے پھر باورچی خانے کے اندر سے آوازیں آنے لگتی ہیں۔ لیکن یہ

آوازوں والا سین ہم دکھاتے نہیں۔ ہمارے کیمرے کی توجہ تاج بی بی پر مرکوز رہتی ہے---- جب راشد کو بلایا جاتا ہے تو وہ ایک سوٹی اٹھائے ہوئے صحن کراس کرتا ہے اور باورچی خانے میں گھس جاتا ہے۔ اس کے بعد باورچی خانے میں ایک بھڑتول مچ جاتا ہے۔ "پھر لینا لینا---- ادھر سے---- راشد---- سلمان---- جاوید مارو---- مارو---- بچا کے۔ تمہارے پیچھے راشد--- تمہارے پیچھے---- خبردار----" یہ شور کوئی تیس سیکنڈ تک جاری رہتا ہے اس کے بعد ایک دم خاموشی چھا جاتی ہے۔ اس کے بعد تماشائیوں کی نظریں باورچی خانے کے دروازے کی طرف مرکوز ہوتی ہیں جاوید لکڑی پر ایک مردہ سانپ لٹکائے صحن میں آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سلمان اور راشد بھی ہیں تینوں آکر بی بی کی چارپائی کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

جاوید: بی بی---- بی بی---- تاج بی بی دیکھو ہم نے تمہارا دشمن مار دیا۔

سلمان: (جھک کر) بی بی آنکھیں کھولو۔

(بی بی کراہتے ہوئے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتی ہے اور سامنے سوٹی پر لٹکا ہوا مردہ سانپ دیکھ کر زور سے چیخ مارتی ہے اور اپنے سر کے بال کھینچ کر رونے لگتی ہے۔ تینوں لڑکے حیران ہو کر کہتے ہیں۔ "کیا ہوا بی بی---- کیا ہوا؟---- بی بی----")

بی بی: یہ تو نے کیا کیا جاوید---- کیوں مار دیا اسے---- اس نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔ کیا قصور کیا تھا تیرا۔

جاوید: یہ وہی سانپ ہے بی بی جو تجھے کاٹ کر گیا تھا۔

بی بی: (اپنے خیال میں) میں نہیں کہتی تھی چلا جا---- بھاگ جا---- چھپ جا لیکن تو نے پہلے بھی کبھی کب میری بات مانی تھی جو آج چلا جاتا---- (رونے لگتی تھی)

راشد: بی بی---- بی بی---- ہوش کر بی بی----یہ تو کیا کہہ رہی ہے۔

بی بی: جاوید میں نے تجھے ویروں کی طرح سمجھا اور بیٹے کی طرح پیار کیا پھر تو نے کمالے کو کیوں مار دیا۔

جاوید: کس کو بی بی؟

بی بی: تو کیوں آگیا تھا میرے پیچھے پیچھے کمالیا---- تجھ کو کس نے راہ بتا دی تھی میری---- جاوید---- تو نے کیوں کمالے کو مار دیا---- کیوں مار دیا کمالے کو---- اس نے تیرا کیا بگاڑا تھا---- میں نے تیرا کیا قصور کیا تھا۔

(آخری فقرہ کہتے کہتے بی بی زور سے ہچکی لیتی ہے اور دم توڑ دیتی ہے۔ جاوید سانپ والی چھڑی زمین پر پھینک کر آگے بڑھتا ہے اور بی بی کی نبض دیکھتا ہے۔ اس کی آنکھیں پلٹ کر دیکھتا ہے۔ اور پھر سر ہلا کر اپنے ساتھیوں سے گویا کہتا ہے بی بی ختم ہو گئی۔)

سلمان راشد: انا للہ وانا الیہ راجعون O

سلمان: واقعی بڑا زہریلا سانپ تھا۔

راشد: میں تم لوگوں کی منتیں کرتا رہا کہ پہلے ڈاکٹر کو بلا لائیں۔ پھر سانپ تلاش کریں گے لیکن---- لیکن----

سلمان: دیکھو اس کے زہر سے بی بی کا سارا چہرہ نیلا ہو رہا ہے۔

جاوید: سلمان! بی بی سانپ کے زہر سے نہیں مری۔

سلمان: تو پھر----

جاوید: وہ سانپ کے مرنے سے مری ہے۔

(جاوید بی بی کے چہرے پہ چادر کھینچتا ہے۔ راشد اور سلمان حیران کھڑے ہیں۔)

فیڈ آؤٹ

ماسٹر رحمت علی

کردار:

- رحمت علی
- عثمان
- بیگم
- پی اے عزیز
- چپڑاسی نمبر۱
- چپڑاسی نمبر۲
- بڈھا نمبر۱
- بڈھا نمبر۲
- بڈھا نمبر۳
- لاگی نمبر۱
- لاگی نمبر۲
- ماسٹر نمبر۱
- ماسٹر نمبر۲
- ماسٹر نمبر۳
- چند نقلئے اور جھومر ناچنے والے

سین 1

ان ڈور

دوپہر

(ایک ماڈرن دفتر جس میں دو تین رنگ کے فون لگے ہیں۔ کئی فائل کیبنٹ اور الماریاں ہیں۔

جس وقت ٹائٹل فیڈ ان ہوتا ہے ہم آفس کی دیوار پر آتے ہیں اوپر موٹے موٹے حروف میں لکھا ہے۔

یا قناعت پر کند یا خاک گور

عثمان صاحب اس وقت کرسی پر بیٹھے فائلوں پر سائین کر رہے ہیں پھر وہ ذرا درشتی سے گھنٹی بجاتے ہیں ایک باوردی چپڑاسی بھاگا بھاگا آتا ہے۔)

عثمان: پی اے صاحب کو بلاؤ---- جلدی۔

(چپڑاسی جلدی سے جاتا ہے عثمان پنسل نکال کر کچھ لکھنے لگتا ہے پنسل کام نہیں کرتی، غصے میں اسے دو ٹکڑے کرکے باسکٹ میں پھینک دیتا ہے۔ پی اے جلدی سے آتا ہے۔)

کلرک: یس سر۔

عثمان: میں آپ سے کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں عزیز صاحب کہ جن حضرات کے کیس ہم ایک بار بند کر چکے ہیں انہیں ہم دوبارہ نہیں کھول سکتے۔

They are finished closed.

Erazed totally forgotten understand.

کلرک: وہ تو ٹھیک ہے سر--- لیکن یہ جو ایپلیکیشن ہے یہ---- یہ نئی کمپنی کی طرف سے ہے۔

عثمان: آپ ذرا غور سے کیس تیار کیا کریں اس کمپنی کو فلوٹ کرنے والا کون ہے وہ ہی واجد مرزا۔ وہی غنڈہ۔ نئے لیٹر پیڈ اور نئی کمپنی کی رجسٹریشن سے کوئی واجد

مرزا تو نہیں بدل گیا۔

He is a defaulter.

پہلے یہ گورنمنٹ ڈیوز ادا کرے پھر---- ہم اس سے بات کریں گے۔

(چپڑاسی آتا ہے نظریں جھکا کر مودبانہ طریقے سے بات کرکے چلا جاتا ہے۔)

چپڑاسی: جناب---- جناب بیگم صاحبہ آئی ہیں۔

عثمان: بھیجئے۔ Do you understand. سیدھا مجھ پر رشوت کا الیکشن کیس بن سکتا ہے کہ جو آدمی پہلے حکومت کی رقم ادا نہیں کرسکتا۔

I should lease him out another factory.

(پی اے فائل اٹھاتا ہے بیگم آتی ہے بڑی فیشن ایبل عورت ہے عثمان بددلی سے ذرا سا اٹھتا ہے۔ پھر بیٹھ جاتا ہے۔)

عزیز: السلام علیکم بیگم صاحب

بیگم: (سر کے اشارے سے) وعلیکم کیسے ہو عزیز۔

عزیز: ٹھیک ہے بیگم صاحب آپ کی مہربانی ہے۔

بیگم: عثمان؟ آپ Free ہیں تھوڑی دیر کے لئے؟

عزیز: اچھا جی مجھے اجازت ہے۔ (عزیز چلا جاتا ہے)

عثمان: کیوں؟

بیگم: آپ نے مجھے چیئر بھی آفر نہ کی عثمان۔ تمہارا پی اے کیا سوچتا ہوگا۔ یہ قدر ہے صاحب کے دل میں ان کی بیوی کی۔

(بیوی ذرا چڑی ہوئی بیٹھتی ہے۔)

عثمان: (بغیر محسوس کئے) آئی ایم سوری بیٹھئے؟ فرمایئے؟

بیوی: میں ایک ضروری کام سے آئی تھی۔ ورنہ آپ کا ٹائم Waste نہ کرتی۔

عثمان: کہئے۔ کہئے۔

بیوی: فرہاد علی کا بھانجا بیروت سے آیا ہے۔ ابھی پیغام آیا تھا مسز فرہاد علی کا۔ ریفریجریٹر لایا ہے اپنے ساتھ Nine کیوبک فٹ کا۔ Absolutely--- بالکل Fabulous Black

عثمان: لیکن ہمارے پاس تو پہلے ہی دو فریج موجود ہیں۔

بیوی: ایک باورچی خانے میں ہے۔ ایک پینٹری میں، لیونگ روم میں تو۔ ڈیئر از

تھمنک۔ سچ میں خود دیکھ کر آئی ہوں۔ Its a Beauty عثمان فریج لگتا ہی نہیں۔ It is a peice of furniture

عثمان: شاہدہ۔

بیوی: جی؟

عثمان: تمہیں پتہ ہے میری تنخواہ کتنی ہے۔

بیوی: (اٹھتے ہوئے) چلئے نہ سہی۔ آپ سے تو جب بھی کوئی چیز مانگو آپ بھی پاس بکیں دکھانے لگ جاتے ہیں کبھی بینکوں کے ڈیمانڈ لیٹر سامنے رکھ دیتے ہیں ٹھیک ہے جی۔ اپنی اپنی قسمت ہوتی ہے۔ ہماری قسمت میں یہی کچھ سہی۔

عثمان: کیا مانگ رہا ہے اس فریج کا۔

بیوی: ساڑھے پانچ ہزار Black Beauty ہے عثمان آپ چلیں نا پانچ منٹ کے لئے میرے ساتھ۔

عثمان: اس وقت؟ آفس آورز میں۔

بیوی: چلئے شام کو سہی۔

عثمان: بیوی جان۔ بیگم صاحبہ۔ میں اس وقت ساڑھے پانچ ہزار کا فریج افورڈ نہیں کرسکتا۔ دیکھو شاہدہ ہم لوگوں کا کوئی پکا ٹھور ٹھکانہ تو ہے نہیں۔ آج یہاں ہیں کل وہاں آدھا سامان تو تبدیلیوں کی نذر ہو جاتا ہے۔

بیوی: اب تو خیر اتنے اچھے اچھے Packers ہیں پاکستان میں بلبلے پیک کرکے بھیج دیں کراچی سے پشاور تو ٹوٹنے نہ پائیں۔

عثمان: اینی وے۔

We don't meed another refrigrater and we cant afford another Black elephant.

(بیوی پرس کھول کر رومال نکالتی ہے اور رونے لگتی ہے اور اٹھ کر بولتی ہوئی چلی جاتی ہے۔)

بیوی: آپ ایسی پوزیشن میں جو ہوئے کہ ریفیوز کرسکیں۔ میں کب کہتی ہوں مجھے ہر چیز خرید کر دیں۔ لیکن آپ اچھی طرح بھی بات کرسکتے ہیں۔ Without insulting me

(عثمان کو برا لگتا ہے)

عثمان: شاہدہ۔

(شاہدہ رکتی ہے پھر چلی جاتی ہے چپڑاسی آتا ہے)

چپڑاسی: جناب ایک بزرگ ملنے کے لئے آئے ہیں۔

عثمان: میرے پاس کسی بزرگ کے لئے وقت نہیں ہے۔

چپڑاسی: اچھا جی--- (فون کی گھنٹی بجتی ہے)

عثمان: ہیلو عثمان Speaking میں بول رہا ہوں، کون میمن بھائی۔ ارے ارے۔ ارے کب ادھر آیا تم---؟ باہر بیٹھا ہے آفس کے باہر۔ آیئے آیئے۔ کافی لاؤ عبداللہ۔ آیئے نہیں نہیں وہ چلی گئی ہے آیئے۔

چپڑاسی: جی صاحب--- (پی اے آتا ہے)

عزیز: (ڈرتے ہوئے) جی دھریکاں والے سے ایک مدرس آئے ہیں بزرگ سے آدمی ہیں۔

عثمان: دیکھئے عزیز صاحب۔ آپ مجھے اگر کسی بوڑھے جنٹلمین Begger سے بچا سکتے ہیں تو بچایئے۔ میں یہاں ایک Specific Job کے لئے ہوں اس کے کچھ رابطے کچھ اصول کچھ hitches کچھ Short Commings ہیں۔ میں کوئی نیاز کی دیگ نہیں بانٹ رہا کہ اپنی من مانی کرتا پھروں
Let the old Baba go

عزیز: ٹھیک ہے سر۔

(اس وقت میمن بھائی داخل ہوتے ہیں)

میمن: السلام علیکم۔

(میمن بھائی سے عثمان صاحب کے بڑے دوستانہ تعلقات ہیں دونوں تپاک سے ملتے ہیں۔)

عثمان: (میمن کے پیٹ میں محبت سے گھونسہ مار کر) میمن بھائی ادھر پیٹ میٹ بہت بڑھا لیا ہے آپ نے؟

میمن: accidity بابا صبح شام بیٹھنا۔ کار میں بیٹھ کر ہارڈ بورڈ کا فیکٹری ادھر سے پھر کار میں بیٹھ کر Clip Board کا فیکٹری ادھر سے Plastic کنسرن میں سارا دن کرسی اور ہم۔

عثمان: کچھ کھیلا کھایا کرو میمن بھائی۔ دو دن کی زندگی کرسی پر بیٹھ کر مت گزار دیں۔

میمن: بابا کیسا کھیلا کھایا کریں ہم تو پاکستان کی کھدمت کے لئے پیدا ہوا ہے چپے چپے پر فیکٹری لگا دے گا جاپان بنا دے گا پاکستان کو۔ تم دیکھتا جاؤ (یکدم دیوار پر دیکھ کر) ارے بھائی عثمان یہ کیا لکھ کر ٹانگ دیا تم نے۔ دیوار کے ساتھ۔

عثمان: بس جی کوشش ہے کبھی کبھی ضمیر زندہ ہوتا ہے تو ہلکے اشارے سے سمجھ جاتا ہے۔

میمن: اس کو تو فوراً پھینکوا دو۔ یہ تو جدوجہد کے خلاف ہے۔ بابا اگر قناعت کی عینک لگا لے آدمی آنکھوں پر تو اندھیرا آجاتا ہے ساری جندگی پر---- ایسا تم بڑا افسر ہے۔ پنواڑی کی دکان کی باتیں مت کیا کرو۔

(چپڑاسی کافی کا ٹرے آکر لگاتا ہے)

عثمان: کس قدر کوشش میمن بھائی۔؟ کس کے لئے کوشش؟ اپنے لئے۔ قوم کے لئے؟ بنی نوع انسان کے لئے کس کے لئے۔

میمن: ایسا ہے عثمان بھائی۔ کہ پہلے آدمی اپنے لئے کوشش کرتا ہے پھر قوم کے لئے اور آخر میں دنیا کی مخلوق کے لئے بس پھر کھلاس۔

عثمان: اور یہ جو اولیاء اللہ قسم کے صالح آدمی آیا کرتے ہیں دنیا میں میمن بھائی۔ وہ تو اپنے لئے کبھی کچھ نہیں کیا کرتے۔

میمن: ان کا بابا امپورٹ ہی اب بند ہو گیا ہے۔ وہ تو اب بونس پر بھی نہیں آتے۔ اچھا عثمان یہ بک بک چھوڑو۔ تم کو عادت ہے ایسی باتوں کا۔ ہم تمہارے پاس ایک خاص کام کے لئے آیا ہے---- بولو کرو گے کہ نہیں۔

عثمان: دیکھئے کام کی نوعیت پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔

میمن: تم کو تو کچھ دن کے لئے سٹہ کھیلنا چاہئے۔ تم کو رسک لینا نہیں آتا۔ بالکل۔ ہم کو کہتا تھا تم جو Rayon Mill سینکشن ہم کو دلاؤ۔

عثمان: ایک اور مل۔

میمن: بابا کام تو آدمی کا گہنا ہے۔ کام نہ کرے گا تو ایک اور بی بی کرے گا آدمی یہ تو آدمی کا نیچر ہے۔ ایک فائٹ کر سکتا ہے۔ تم اس کے خلاف۔ بولو دوسری بیوی اچھی کہ دوسرا کام۔

عثمان: لیکن میمن بھائی۔

(اس وقت دروازہ کھول کر مدرس رحمت علی آتا ہے لمبا

کوٹ سر پر پگڑی اور نیچے شلوار۔ ذرا سا کھانس کر بات کرنے کا عادی ہے۔)

میمن: ہم تو بھائی کے پاس جاتا ہے۔ غلطی سے تمہارا پاس آگیا بھابھی کا Share ڈالے گا ہم اپنے کام میں۔

رحمت علی: جناب، میں اندر آسکتا ہوں۔

میمن: آؤ بابا آؤ۔ لو عثمان بھائی رات کو تم اور بھائی ہمارا ساتھ کھانا کھا رہے ہو۔ Capri ہوٹل میں۔ ہم تمہارا راستہ دیکھیں گے مغل لاؤنج میں۔ بیٹھو بابا کمڑا کیسا ہے تم؟

(میمن بھائی جاتا ہے اوپر سے چپڑاسی گھبرایا ہوا آتا ہے۔)

چپڑاسی: جناب میں نے اسے بہت منع کیا۔

راحت: ہرچند کہ اس نیک بخت نے مجھ مدرس کو بہت روکا ہے عثمان صاحب لیکن میں نے اس کی پروا نہیں کی۔

عثمان: تم جاؤ عبداللہ۔

چپڑاسی: (جان بچانے کے انداز میں جلدی سے جاتا ہے) جی صاحب۔

عثمان: (اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے) میرے پاس صرف پانچ منٹ ہیں۔ آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہے مختصراً کہیں اور بلا تمہید کہیں۔ اور اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ میں حکومت کا ملازم ہوں۔ حکومت نہیں ہوں۔ خدا کا بندہ ہوں۔ خدا نہیں ہوں۔

رحمت: میں پرسوں بھی آیا تھا اور کل بھی آیا تھا۔ میں نے کہا ایک مرتبہ اتمام صحبت ہو جائے۔ بعد ازاں راضی برضا ہونا آسان ہو جاتا ہے۔

عثمان: وقت کم ہے میرے پاس ماسٹر جی۔

رحمت: میرا نام رحمت علی ہے اور میں نارمل سکول میں جے وی کے معلمین کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ وہیں سے میں ۶۵ء میں اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی سے ریٹائر ہوا ہوں۔

عثمان: بات یہ ہے کہ آپ جس سلسلے میں مجھ سے ملنے آئے ہیں اس کے قریب قریب رہیے۔

رحمت: میری تین بیٹیاں ہیں۔ لڑکا میرا کوئی ہے نہیں۔ تینوں جواں سال بیٹیاں شادی کے قابل ہیں۔

عثمان: میری بھی تین بیٹیاں ہیں۔

(جیب سے سو روپے کا نوٹ نکالتا ہے۔)

رحمت: اللہ سلامت رکھے۔ نیک نصیب ہوں، ماں باپ کا نام روشن کریں۔ میرے حالات تو ٹھیک ہیں ایک اکیلی ذات کے لئے بائیس روپے کی پنشن بہت ہے لیکن ان تینوں کی شادی درپیش ہیں۔

عثمان: میں سو روپے سے زیادہ آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔

(رحمت علی سو روپے کا نوٹ لیتا ہے)

رحمت: یہ آپ کی ذاتی نوازش میں ہمیشہ یاد رکھوں گا لیکن----

عثمان: دیکھئے ماسٹر جی۔ آپ اب چلے جائیں۔ یہ وقت دفتر کا ہے اور مجھے بہت سے سرکاری کام کرنے ہیں۔

رحمت: جناب عالی میں ایک خاص وجہ سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے بندہ پروری سے اس ناچیز کی ذاتی طور پر مدد بھی فرمائی ہے لیکن دراصل مجھے آپ سے سرکاری کام بھی ہے۔

عثمان: آپ کسی سکول میں پھر سے تقرری چاہتے ہیں؟

رحمت: نہیں جناب میں بفضل تعالیٰ ریٹائرڈ ہو چکا ہوں اور ازبسکہ مسرور ہوں۔ عرض احوال یہ ہے کہ دھریکاں والے میں دو مربعے چک نمبر ۲۴۲/۳ موضع ٹانگن کے درمیان سرکاری زمین کے پڑے ہیں وہ اگر آپ مجھے عنایت کر دیں تو میں بچیوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ عنایت ہونے پر---- یہ ناچیز ساری عمر آپ کا دعاگو رہے گا۔

عثمان: دیکھئے رحمت علی صاحب۔ جو سرکاری زمین یہاں دھریکاں والے میں موجود ہے وہ ریٹائر افسروں کو دے رہے ہیں۔

رحمت: میں مانتا ہوں حضور والا کہ ایک ریٹائر مدرس اس کا استحقاق نہیں رکھتا۔ لیکن آپ کی قلم کی ایک جنبش سے تین زندگیاں بن سکتی ہیں۔ (اپنی پگڑی اتار کر میز پر رکھتا ہے) جناب! میں تنگ دستی سے خوفزدہ ہونے والا نہیں ہوں۔ لیکن بچیوں کی زندگی کا سوال ہے۔ دونوں بڑی لڑکیاں میرے عزیزوں کے گھر مانگی ہوئی ہیں وہ بڑے آدمی ہیں جناب---- وہ نہ ہو میری بچیاں گھر بیٹھی رہ جائیں----

عثمان: (پگڑی اٹھا کر واپس دیتے ہوئے) معاف کیجئے گا رحمت علی صاحب- یہ کام میرے بس کا نہیں- میں معذور ہوں-

راحت: (جاتے ہوئے) اچھا جی آپ مختار تھے---- چاہتے تو مدد ہو سکتی تھی بی بیوں کی----

(چلا جاتا ہے، لیکن عثمان پر جیسے اس بات کا ایک بوجھ سا پڑ جاتا ہے- فون کی گھنٹی بجتی ہے-)

عثمان: ہیلو---- عثمان---- Speaking - کون شاہدہ؟ کیا---- اتنی جلدی میمن بھائی تمہارے پاس بھی پہنچ گئے- ہاں کھانا کھا رہے ہیں ہم ان کے ساتھ---- کیا؟ تم ان کے ساتھ جا رہی ہو---- کہاں؟ ---- بوبی کے پاس----؟ Refrigerator دیکھنے- بھئی میری اجازت کی کیا ضرورت ہے- تمہاری اپنی کار ہے- اپنی Sweet will ہے جہاں چاہو جاؤ- نہیں نہیں اس میں اجازت کی کیا بات ہے بھلا- (ایک پگڑی نما کپڑے کی ٹوکری لا کر چپڑاسی بالکل اسی طرح میز پر رکھتا ہے جس طرح رحمت علی نے پگڑی رکھی تھی----)

عثمان: (فون رکھ کر ٹوکری کی طرف دیکھتا ہے) یہ کیا ہے؟

چپڑاسی: جناب الیچیاں بھیجی ہیں نوازش صاحب نے-

عثمان: (غصے سے) یہ سب تم لوگ کھا لو- اور باہر دیکھو وہ بزرگ آدمی چلا گیا کہ ابھی ہے-

چپڑاسی: بیٹھا ہے جناب باہر-

عثمان: اسے بھیجو اندر-

چپڑاسی: اچھا جناب-

(عثمان فائیلوں کو دیکھتا ہے- پھر سر پشت سے لگا کر دونوں مٹھیاں بچوں کی طرح آنکھوں پر رکھ کر بھینچتا ہے- رحمت علی آتا ہے----)

رحمت: میں حسب ارشاد حاضر ہوا ہوں جناب-

عثمان: بیٹھئے رحمت علی صاحب---- ہم نے زندگی میں کئی غلط کام کئے ہیں- یہ ایک اور سہی- بیٹھئے-

رحمت: (بیٹھتے ہوئے) شکریہ-

عثمان: لکھائیے اپنا نام-

رحمت: رحمت علی-

عثمان: عمر----

رحمت: عمر- باسٹھ سال تین مہینے-

عثمان: ذات-

رحمت: چیمہ-

عثمان: جدی کہاں کے رہنے والے ہیں-

رحمت: شیخوپورے کے جناب-

عثمان: ہفتے دو ہفتے میں زمین کی الاٹمنٹ سینکشن آپ کو مل جائے گی- لیکن میری عرض ہے کہ آپ دوبارہ مجھے اپنی شکل نہ دکھائیں- آپ کو اس سے فائدہ ہو یا نقصان- آپ مزید مراعات کے لئے میرے پاس نہ آئیں-

رحمت: انشاء اللہ-

عثمان: ہمیشہ یہ ہوتا ہے ماسٹر جی کہ بس کسی کو بارش سے بچنے کے لئے گھر میں گھسنے کی جگہ دو- وہ بالآخر پلنگ پر خود لیٹا ہوتا ہے اور آپ باہر بارش میں بھیگ رہے ہوتے ہیں-

رحمت: نہیں جناب---- میں ان آدمیوں میں سے نہیں ہوں-

عثمان: کسی کو ایک فیکٹری دو تو پھر اسے پانچ اور چاہیئے ہوتی ہیں کسی کو ایک ٹکڑا زمین کا دے دو تو پھر اسے تقاوی Loan چاہیئے- تقاوی Loan دلوا دو تو انگریزی کھاد کا انتظام کرنا پڑتا ہے- ہم تو سرکاری افسر ہیں خدا نہیں ہیں کہ بندوں کی ضرورتوں سے بوکھلا نہ جائیں-

رحمت: وہ بھی ضرور گھبرا جاتا ہو گا عثمان صاحب---- ورنہ دنیا اس قدر تنگ اور دل اس درجہ چھوٹے نہ ہوتے-

عثمان: (گھنٹی بجاتے ہوئے) دیکھئے یہ آپ کی مجھ پر میرے دفتر پر پہلی اور آخری Demand ہے- آپ اب کسی سلسلے میں میرے پاس نہیں آئیں گے---- سمجھ گئے ہیں نا آپ----

چپڑاسی: (آ کر) جی صاحب-

عثمان: رحمت علی صاحب کو عزیز صاحب کے پاس لے جاؤ- یہ سارا کیس سمجھا دیں

گے۔ میں نے تصدیق کر لی ہے وہ ان کی Application بنا کر مجھ تک لائیں۔
اچھا رحمت علی صاحب زمین آپ کو مبارک ہو۔ لیکن آئندہ کبھی لڑکیوں کی شادی کا بہانہ کر کے اس طرح سے Begging نہ کرنا۔

(رحمت علی خوشی سے جھک کر سلام کرتا ہے اور چپڑاسی کے ساتھ جاتا ہے۔ عثمان کرسی کے ساتھ پشت لگا کر پھر دیوار کی طرف دیکھتا ہے۔

فیڈ آؤٹ

سین 2

آؤٹ دور

دن

گاؤں میں مکانوں کے دو چار شاٹ۔
کھیتوں میں لگی ہوئی نسری ہوئی فصلیں۔ چلتے ہوئے کنویں۔ رحمت علی ان میں پھر رہا ہے۔
نہر سے آڈ میں جاتا ہوا پانی ان مناظر پر عقب میں ڈھول کی آواز آتی رہتی ہے۔
ایک دیہاتی برات کی نہر کے کنارے کنارے آمد۔
دو گھوڑوں پر دولہا بیٹھے ہیں۔ براتی باجے تاشے کے ساتھ آرہے ہیں۔
اگر دیہاتی منظر کچھ وجوہات پر نہ Develop کیا جاسکے تو پھر سٹوڈیو کے اندر سے شروع کریں۔
دیہاتی گھر کا "ویہڑا" کچھ نوجوان لکڑی کے تھنڈ پر بیٹھے ہیں۔ دو چار معمر آدمی موڑھوں پر بیٹھے ہیں۔ ان سے ہٹ کر دو دولہے چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ اور ریشمی رومال سے منہ ڈھانپ رکھا

ہے۔ پاس ہی چارپائی پر چار پانچ بچے جن میں دو تین بچیاں بھی ہیں۔ خوب دیہاتی قسم کی سجاوٹ کئے بیٹھی ہیں۔
دروازے پر چق پڑی ہے۔ لیکن اسے تھوڑا سا اٹھائے عورتیں کھڑی ہیں اور دولہاؤں کو دیکھ رہی ہیں۔ ایک طرف تین کرسیوں پر شہر کے معزز مہمان ہیں۔ یہ وہ سکول ٹیچر قسم کے لوگ ہیں جو کسی زمانے میں رحمت علی کے ساتھ کام کرتے ہوں گے۔ یا مدرسی کے زمانے میں جن سے رحمت علی کی جان پہچان ہو گی۔
یہ ٹکڑیاں نصف دائرے کی شکل میں ہیں۔ درمیان میں جو جگہ خالی ہے یہاں اس وقت ایک اکیلا آدمی وار گا رہا ہے دو ایک آدمی آگے بڑھ کر اسے ایک دو روپیہ دیتے ہیں۔ رحمت علی جیب سے نکال کر دس روپے دیتا ہے۔ وار ڈھول کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔ اور بائیں طرف سے چند جوان جو دیہاتی فیشن کے مطابق چھیلا بنے ہوئے ہیں۔ درمیان میں آتے ہیں۔ اب یا تو جھومر یا بھگی ناچ ہوتا ہے۔
دائرہ تنگ ہوتا ہے پھر کھلتا ہے۔ ڈھول کی آواز تیز ہوتی ہے۔ پھر ہاہاہا کی آوازوں میں یہ ناچ بند ہو جاتا ہے۔ سارے لوگ واہ واہ سبحان اللہ کے نعرے لگاتے ہیں۔ نوجوان ناچتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔
ان کے جاتے ہی ایک سائیں صفت آدمی آتا ہے ہاتھ میں اک تارہ ہے اسے بجاتا ہوا چق کی طرف جاتا ہے وہاں عورتیں اسے پیسے دیتی ہیں۔ وہ سیف الملوک گاتا ہوا باہر چلا جاتا ہے۔ اب چپراس مارتا ہوا مراثیوں کا جوڑا آتا ہے۔
نقلیے نقلیں کرتے ہیں اور داد وصول کرتے ہیں۔ آخری نقل کے بعد وہ چپراس مارتے ہوئے فیڈ آؤٹ ہوتے ہیں۔
اس ساری Festivity کے دوران رحمت علی بہت خوشی کے ساتھ پیسے لٹاتا اور Enjoy کرتا نظر آتا ہے۔

(نقلوں کے بعد وہ دودھ کے گلاسوں سے بھرا ہوا ٹرے لے

کر مہمانوں کی طرف آتا ہے۔ پہلے وہ دو بابوں کو دودھ دیتا ہے۔ جب وہ ٹرے لے کر آگے نکل جاتا ہے تو دو بچے باتیں کرتے ہیں۔)

لڑکا ۱: پرے ہو کر بیٹھ ہماری چارپائی ہے۔

لڑکا ۲: اس وقت تو چاچا رحمت علی کے گھر میں ہے نا؟

لڑکا ۱: بڑا چاچا رحمت علی لئے پھرتا ہے۔ جب سرکاری زمین نہیں تھی تو دو من دانوں پر میری بہن کو پڑھایا کرتا تھا۔

لڑکا ۲: پڑھانا کوئی بری بات ہے؟

لڑکا ۱: پڑھانا تو بری بات نہیں پر میری بے بے کہتی ہے شادی پر اتنا خرچ کرنا بری بات ہے۔

لڑکا ۲: جس کے پاس ہوا اس نے خرچ کیا جس کے پاس نہ ہوا اس نے کہہ دیا بری بات ہے۔

لڑکا ۱: (منہ چڑا کر) ایں۔

لڑکا ۲: (دانت کٹکٹا کر) ییں ییں ییں

لڑکا ۱: اخ تھو!

لڑکا ۲: اغ تھو تھو تھو۔

(کیمرہ ان کو چھوڑ کر یعنی چارپائی والوں کو چھوڑ کر آگے مونڈھے پر بیٹھے ہوئے تین رحمت علی کے ہم عمروں کے پاس آتا ہے۔ رحمت علی انہیں دودھ کے گلاس پیش کرتا ہے-----)

رحمت: پیئو سرکار میری۔ خالص دودھ ہے گھر کا۔

بڈھا ۱: رحمت علی ویسے بیٹیوں کی شادی میں تم نے ریجھ اتار لی ساری۔

بڈھا ۲: جہیز کتنا دیا ہے؟

رحمت: جہیز تو چوہدری جی میں نے کچھ خاص نہیں دیا۔ لیکن دل میں حسرت کوئی نہیں رہی۔ تین تین جوڑے تو ریشمی بنا دیئے ہیں پانچ پانچ باسن دے دیئے ہیں پرات سمیت اور دو دو بسترے اللہ نے قبول کیا تو بہت ہے۔ آپ پیئو ناں جی مرزا جی۔

(رحمت علی اس ٹکڑی سے آگے نکل جاتا ہے تو تینوں

بڈھے نہایت ترش روئی سے کیڑے نکالتے ہیں---)

بڈھا ۱: بڑا چلتا پرزہ آدمی ہے۔ مل ملا کر کیا نہری زمین پر قبضہ کر لیا۔

بڈھا ۲: آتش بازی جلائی اس نے۔ رات گولے چھوڑے برات کے آنے پر۔

بڈھا ۳: بڈھا مجرا کرانے چلا تھا۔ وہ تو مولوی صاحب نے منع کر دیا بدبخت کو کہ کہیں بیٹیوں کی شادی پر بھی مجرا ہوا ہے۔

بڈھا ۱: پیسے اچھلتے پھرتے ہیں۔ ٹکتے نہیں اس کی جیبوں میں۔

بڈھا ۲: میرے سے قرض لے رکھا تھا پانچ اوپر ساٹھ روپے اب اس کے یاد ہی نہیں۔

بڈھا ۳: اللہ اللہ عاقبت برباد کر لی رحمت علی نے۔ آخری وقت میں۔ مجھے تو ترس آتا ہے سچ۔

بڈھا ۳: ہر تیسرے دن شہر، ہر دوسرے دن شہر--- دھریکاں اور شہر ایک کر دیا ہے اس نے۔

بڈھا ۱: سرکاری افسروں کے جوتے سیدھے کرو تو تم کو بھی کوئی زمین مل جائے نہری۔ بہو بیٹے سے جان چھوٹے بڑے رحمت علی کی طرح حکم چلاؤ۔

بڈھا ۲: مر گیا تو آدھے آدھے مربعے کی مفت میں مالک ہو جائیں گی اس کی بیٹیاں۔

بڈھا ۳: یہ ہوتی ہے دور اندیشی--- اور کیا؟

(اب رحمت علی ٹھنڈ کی طرف آتا ہے یہاں لاگی قسم کے نوجوان بیٹھے ہیں۔)

جوان ۱: چاچا ہتھ بھرائی دے ساہنوں۔

رحمت: لو بھئی لو--- پر رواج یہی ہے کہ لاگیوں کا حق شادی کے بعد چکایا جاتا ہے۔

جوان ۲: چاچا اتنی خوشی کی ہے ہماری بہنوں کی اب ہماری باری تو سنجوڑا نہ ہو جانا۔

رحمت: لو بھائی لو۔

(ہر ایک کو پچاس پچاس کا نوٹ دے کر آگے جاتا ہے۔ لاگی حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔)

جوان ۱: اتنی لاگ تو چوہدری سلطان نے بھی اپنے بیٹے کی شادی پر نہ دی تھی۔

جوان ۲: کوٹھا دانوں سے نہیں نوٹوں سے بھرا ہے چاچے کا۔

جوان ۳: خدا قسم بیٹیوں کو تو کچھ بھی نہیں دیا۔ ادھر ادھر ہی پھوک دیا ہے سارا مال۔

جوان ۱: خوش رہے رونق میلا تو اچھا کر دیا گاؤں میں۔

(اب ہم شہری یا بوؤں کے پاس رحمت کو لاتے ہیں- وہ کرسیوں پر بیٹھے ہیں- پیچھے ایک دیہاتی پنکھا جھل رہا ہے-)

رحمت: آپ سب کی مہربانی ہے گھر سے تشریف لائے ورنہ آج کل وقت کہاں ہوتا ہے سکول کا کیا حال ہے-

ماسٹر۱: ٹھیک ہے سب-

ماسٹر۲: آپ کسی دن آئیں گھر--- ہیڈ ماسٹر صاحب بہت یاد کرتے ہیں آپ کو-

(چق کے پیچھے سے ایک عورت آواز دیتی ہے- "چاچا جی"
رحمت علی معاف کرنا جناب کہہ کر ادھر جاتا ہے ماسٹر آپس میں باتیں کرتے ہیں-)

ماسٹر۱: ساری عمر ماسٹر رحمت علی نے دینیات کے Lessons تیار کروائے لڑکوں کو--- اب یہ دینیات نکل رہی ہے اس کی-

ماسٹر۲: بائیس روپے پینشن والا آدمی تو یہ سب کچھ نہیں کر سکتا ناں--- اوپر سے درویشی اندر سے گڑا کھود کر اس میں روپیہ جمع کرنا-

ماسٹر۳: جمع کرنے سے کیا ہوتا ہے یہ تو تماشا لگا ہے ماسٹر نیاز--- زمینیں مل گئی ہیں اسے--- سرکاری افسروں کو جو زمین ملنی تھی اس نے الاٹ کرالی ہیں اپنے نام-

ماسٹر۱: واہ سبحان اللہ رحمت علی--- سبحان اللہ-

کٹ

سین 3

ان ڈور

دن کا وقت

(ایک مختلف قسم کے دفتر میں عثمان صاحب- سامنے ان کی بیوی بیٹھی ہے- دونوں کے بالوں میں گرے رنگ کے بال آچکے

ہیں- اور عمر کی باقی علامتیں بھی ظاہر ہونے لگی ہیں- بیوی پہلے جیسی بھڑکیلی نہیں رہی لیکن اب بھی اس کا taste بہت expensive نظر آتا ہے-)

بیگم: آپ میری تکلیف کو سمجھنے کی کوشش تو کریں-

عثمان: میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ اس معاملے کو بند سمجھیں آپ پتہ نہیں کیوں دفتر آگئی ہیں- خواہ مخواہ-

بیگم: (پرس سے رومال نکال کر آنسو پونچھتے ہوئے) ساری عمر آپ نے تو مجھے بیربل کی بکری سمجھا کھلایا سونے کا نوالا اور دیکھا شیر کی آنکھ سے کبھی میری دل سے عزت نہیں کی-

عثمان: دیکھئے شاہدہ کوئی آجائے گا تو کیا سمجھے گا؟

بیگم: میں اپنی کڈنی کا آپریشن کرانے سوئٹزرلینڈ جانا چاہتی ہوں اور آپ-

عثمان: میں کیا کہہ رہا ہوں اور آپ کیا فرما رہی ہیں-

بیگم: آپ کو ٹکٹ بھی خریدنا نہیں پڑے گا میں نوابزادہ ارشاد احمد کے ساتھ چلی جاؤں گی وہ مجھے both ways کا Passage دے رہے ہیں-

عثمان: کس خوشی میں--- کیوں؟--- آپ کا کیا خیال ہے آپ عمر کے اس دور میں ہیں جب مرد آپ کا too way passage خرچ کرکے خوشی حاصل کرسکتے ہیں- آپ کا کیا خیال ہے کہ میں نوابزادہ کا اتنا گہرا دوست ہوں کہ اسے میری بیوی کی صحت پریشان کر رہی ہے آپ کا کیا خیال ہے کہ نوابزادہ ارشاد احمد اتنے نیک طینت آدمی ہیں کہ اپنی دونوں ہاتھوں سے بٹوری ہوئی دولت کو وہ اس قسم کے گھروں کی نذر کرسکتے ہیں؟ ہر رعایت کے ساتھ ایک باریک ریشمی ڈوری بندھی ہوتی ہے جو مکڑی کے جالے کی طرح افسروں کو جال میں پھنساتی ہے--- کوئی مراعات بے قیمت نہیں چلتیں- یہ ڈنر پارٹیز--- یہ عید ملن پارٹیز یہ عصرانے یہ دعوتیں--- یہ چھوٹے چھوٹے موقعوں پر بڑے بڑے تحفے یہ سب کیا ہیں- کب سمجھو گی تم--- کس دن؟ کس گھڑی؟

بیگم: تو میں یہاں آپریشن کرالوں یہاں پاکستان میں؟

عثمان: یہاں پاکستان میں؟ کیوں پاکستانی ڈاکٹروں کو کیا ہے---؟ امریکہ سعودی عرب انگلستان کس ملک میں کام نہیں کر رہے تمہارے پاکستانی ڈاکٹر- تم ان لوگوں

میں سے ہو جو لندن جا کر افریقی ڈاکٹروں سے تو علاج کرا لیتے ہیں لیکن یہاں رہ کر پاکستانی ڈاکٹروں سے نہیں۔ تم گڑ کھا کر مرنا پسند کرو گی لیکن اس پر فارن مہر ضرور ہونی چاہئے۔

بیگم: کتنی سخت باتیں کہتے ہیں آپ---- کبھی آج تک آپ نے میرے دل کا خیال نہیں رکھا۔ کبھی ایک دن نہیں۔

عثمان: ہم لوگ کس سے جا کر کہیں کہ ہمارے ہاتھ کس طرح ملوث ہوئے بیویاں تم جیسی ملیں جنہیں رفیق کی جگہ رقیب بننا زیادہ پسند آیا دوست وہ ملے جنہوں نے اپنا Standard of living دکھا دکھا کر ہماری قدریں کھوکھلی کردیں۔ کام کروانے والے وہ اس دفتر میں آئے جن کے پاس ایک کرتب دکھانے کے سو ڈھب تھے۔ کبھی نوٹ دکھا کر رجھا لیا کبھی سفر کے ٹکٹ ہاتھ میں تھما کر منا لیا بچے وہ پائے جنہیں ہم نے خود لاڈ پیار سے اس سطح پر لا کھڑا کیا کہ ان کی Demands ہماری جیبوں سے پوری ہونے کا امکان ہی نہ رہا---- بچے کون ہاتھ سے گنوائے؟ خوشامد لالچ---- اور لالچ---- کیا کیا خواریاں ہیں اس زندگی کی---- کیا کیا پھندے؟ آدمی کس قدر سخت جان ہے کتنا سخت جان ایسی کھنکھریالی زمین میں بھی زندہ رہتا ہے۔

بیگم: (اٹھتے ہوئے) پہلے آپ اچھے ہوا کرتے تھے کم از کم خود ترسی کا شکار کبھی نہ ہوئے تھے سیدھی بات کردیتے تھے کہ بھئی پیسے نہیں ہے اب تو آپ کے کچھ اور ہی Tactics ہوگئے ہیں۔ ذرا Pressure ڈالو---- تو آپ کی تقریریں سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مجھے تو پہلے ہی پتہ ہے کہ آپ کب مانیں گے۔

عثمان: میں تمہیں اعلیٰ سے اعلیٰ ہسپتال میں بہترین ڈاکٹر کے حوالے کرکے تمہارا آپریشن کراؤں گا۔ تمہیں فارن ڈاکٹر پر اصرار ہے تو وہ بھی Arrange کر سکتا ہوں۔

بیگم: جانے دیجئے ایسی آپ کو میری پرواہ ہے---- شکریہ
(اٹھتے ہوئے)

عثمان: (آہستہ) تم میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرو تو پتہ چلے کہ میں کس قدر ٹھیک کر رہا ہوں۔

(بیگم غصے سے اٹھ کر چلی جاتی ہے۔ چپراسی آتا ہے یہ وہی

چپراسی ہے جو پچھلے سین میں تھا۔)

چپراسی: جناب ایک بزرگ آپ سے ملنے آئے ہیں۔

عثمان: آنے دو---- آنے دو---- دروازے کھول کے رکھو---- مرے ہوئے شیر کو سب ماریں---- سب---- سب کو کچھ نہ کچھ چاہئے۔ کوئی یہاں بے مطلب نہیں آتا۔ کھول دو دروازے آنے دو----

(آنکھوں پر بھنچی ہوئی مٹھیاں رکھ کر بے دم سا ہو کر کرسی کی پشت سے سر لگا لیتا ہے۔

ماسٹر رحمت علی آ کر رکتا ہے اور ہلکا سا کھنکھار کر کہتا ہے۔)

رحمت: السلام علیکم جناب والا۔

عثمان: (چہرہ اٹھا کر دیکھتا ہے لیکن پہچان کے آثار نہیں ہیں----) وعلیکم السلام فرمائیے؟

رحمت: میرا نام رحمت علی ہے میں ریٹائرڈ ماسٹر ہوں حضور والا۔ نارمل سکول میں، میں جے وی کے طالب علموں کو پڑھایا کرتا تھا۔

عثمان: کیا چاہتے ہیں آپ۔

رحمت: جناب والا میری تین لڑکیاں ہیں اور میں ایک ریٹائرڈ مدرس ہوں۔ میری پنشن بائیس روپے ماہوار ہے۔

(جیب سے دس روپے نکال کر)

عثمان: بس یہیں پر رک جائیے۔ یہ دس روپے لیجئے اور ٹھنڈے ٹھنڈے سدھاریئے---- آپ اول تو مدرس ہیں۔ دوئم بزرگ ہیں۔ دن کے ایسے وقت میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتا جبکہ میرا ذہنی توازن ٹھیک نہیں شکریہ۔

(رحمت نوٹ لے کر میز پر رکھتا ہے۔)

رحمت: آپ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں ایک گزارش کرنا چاہتا تھا----

عثمان: یہ فائلیں دیکھتے ہیں آپ----؟ یہ ساری فائلیں وہ بند الماریوں میں فائلیں یہ ساری گزارشات ہی ہیں۔

رحمت: جناب نے ایک دفعہ مجھ پر بڑا کرم کیا تھا---- مجھے دو مربعے زمین دھریکاں

والے میں دی تھی جناب، پر اب میں چاہتا ہوں----

عثمان : اب وہ زمینوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے رحمت علی صاحب۔

رحمت : آپ نے مجھے پہچانا نہیں حضور میں تو آپ کے پیچھے پیچھے ساہیوال، لائلپور اور خانیوال تک گیا ہوں۔ جہاں جہاں آپ کی تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ میں پہنچتا رہا ہوں لیکن ملاقات کی اجازت نہیں دی اہلکاروں نے۔

عثمان : میں نے تمہیں پہچان لیا ہے بڈھے۔ لیکن تم نے ابھی تک مجھے نہیں پہچانا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ آئندہ کبھی مجھے شکل نہ دکھانا میری نیکی کا صلہ یہ دیا ہے تم نے؟ میں نے Unauthorized decision لیا اور یہ اجر دیا تم نے مجھے اب کیا مانگنے آئے ہو۔

(رحمت علی جیب سے رجسٹری نکال کر میز پر رکھتا ہے۔)

رحمت : جناب میری ایک آرزو ہے۔

عثمان : میں آپ کی کوئی آرزو پوری نہیں کر سکتا سمجھے۔

رحمت : حضور جس غرض سے میں نے آپ سے مربعے لئے تھے وہ غرض پوری ہو چکی، اب میں آپ کو وہ دونوں مربعے لوٹانے آیا ہوں۔
یہ ہیں اس کے کاغذات، مجھے اب اس زمین کی ضرورت نہیں ہے۔

عثمان : کیا کہہ رہے ہیں آپ۔

رحمت : میری تینوں بیٹیوں کی شادی ہو گئی ہے عثمان صاحب جس روز میری تیسری بیٹی وداع ہوئی میں نے آپ کے کھیتوں میں ہل نہیں جوتا۔ آپ کو تلاش کرتا رہا ہوں۔

عثمان : لیکن زمین تو آپ کے نام ہو گئی ہے۔ اب آپ کیسا احمق پن کر رہے ہیں۔

رحمت : میں نے آپ کو اپنی ضرورت بتا دی تھی جناب والا۔ میں چاہتا تھا عزت کے ساتھ میری بیٹیاں رخصت ہو جائیں۔ وہ کام ہو گیا اب میری پنشن مجھے کافی ہے۔ ایک میرا کوٹھا ہے۔ ایک بھینس اور بائیس روپے پنشن۔

عثمان : لیکن میں اس رجسٹری کو کیا کروں رحمت علی---- یہ تو---- میں تو اب اس پوسٹ پر بھی فائز نہیں ہوں۔ آپ یہ زیادتی نہ کریں۔

رحمت : جو مرضی کریں حضور میں تو اسے گھر نہیں رکھ سکتا۔ (جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر) اور شاید جناب کو یاد نہیں کہ---- کہ یہ سو روپے بھی حضور نے

مجھے دیئے تھے۔ اس وقت میں نے انہیں اس لئے لے لیا تھا جناب کہ میں سائل کی حیثیت میں آیا تھا۔ جو کچھ بھی آپ دیتے میں سر آنکھوں پر اٹھا کر لے جاتا۔ یہ آپ کی امانت کو واپس کر رہا ہوں۔ برا نہ ماننا جناب خدا جانتا ہے میرا رواں رواں آپ کو دعا دیتا ہے بڑا بوجھ اتارا آپ نے میرے سینے سے---- سلام علیکم۔

(رحمت علی جاتا ہے عثمان گم سم کھڑا ہے فون کی گھنٹی بجتی ہے فون رکھتا ہے کیمرہ رجسٹری پر آتا ہے۔)

کٹ

یہ تیرے پُراسرار بندے

کردار:

- کپتان سرفراز — گال پر ایک لمبا کنکھجورے کا سا زخم کا نشان دراز قد۔ بالکل فٹ، خوش شکل۔
- کپتان عظمت — چھوٹا قد مونچھیں گھنی ہوئی وجود نظر آتا ہے۔ چلتا ہے، تو ٹانگ میں نقص کی وجہ سے پاؤں دبا کر چلتا ہے۔
- کپتان حق نواز — دبلا پتلا قدرے نسوانی طور طریق کا مالک۔
- صوبیدار صاحبداد — پرانی وضع کا صوبیدار نہایت بہادر جی دار۔
- نور جان — خوبصورت عورت۔
- خاوند — نورجان کا شوہر
- تھانیدار
- سپاہی
- سپاہی

(یونیورسٹی کے ساتھ ساتھ نہر کے پہلو میں سایہ دار سڑک پر کپتان سرفراز، کپتان عظمت اور کپتان حق نواز چلے جا رہے ہیں کیمرہ ان کی پشت پر ہے جس طرح فوجی لوگوں کی عادت ہے کہ اکٹھے چل رہے ہوں تو غیر شعوری طور پر ان کے قدم Rythem سے پڑنے لگتے ہیں اس وقت بھی گو وہ تیز نہیں چل رہے ان کے قدم ایک ساتھ پڑ رہے ہیں کیپٹن حق نواز کے کندھے سے تھرموس لٹک رہی ہے کپتان سرفراز کے پاس دوربین ہے اور کیپٹن عظمت کی کمر کے ساتھ پستول ہے۔ قریباً تیس سیکنڈ تک تینوں چلے جا رہے ہیں عقب میں "مجاہد چلا" کی دھن بجتی ہے۔

پھر یہ تینوں یونیورسٹی کے اس پل کے پاس جو نہر کو پار کر کے یونیورسٹی کی طرف جاتا ہے پہنچتے ہیں اس وقت پل پر صوبے دار صاحبداد کھڑا ہے اور پل پر ٹیک لگائے ان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ لیکن اس کی نظر میں Recogination نہیں ہے۔ صاحبداد کا فقط ایک کٹ دکھاتے ہیں۔ تاکہ یہ بات واضح ہو کہ وہ موقع پر موجود ہے۔ لیکن وضاحت نہیں کرتے۔ تاکہ بلی تھیلے سے نکل نہ جائے تینوں کپتان پل سے کچھ ہٹ کر رک جاتے ہیں کیمرہ قریب آتا ہے۔ تینوں کے چہروں پر عجب Relaxed قسم کی خوشی ہے وہ بات کرتے ہیں تو اس میں flaw finding irritation نہیں ہوتی۔ حق نواز تھرموس کھول کر اسے اوپر لگے ہوئے تین کپز میں کافی انڈیلتا ہے لیکن کافی ڈالنے سے پہلے وہ پیالے میں پھونک مار کر گرد اڑاتا ہے پھر رومال سے اسے پونچھ کر کافی ڈالتا ہے۔ تینوں آرام سے طریقے سے یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ سب کو حق نواز کافی دیتا ہے اپنا پیالہ رومال میں پکڑ کر پیتا ہے۔

سرفراز: Some Coffee

عظمت: ضرور۔

سرفراز: Exercises کا خاص تعلق ہے کافی سے۔

عظمت: کیا مطلب؟

سرفراز: They are bitter sweet both of them.

حق نواز: یار سرفراز یورپ بھی گئے اور پلاسٹک سرجری بھی نہ کروائی چہرے کی۔

سرفراز: پلاسٹک سرجری----؟ What for

حق نواز: for better looks, what else.

سرفراز: وی آئنا میں اس کا علاج کروانے لگا تھا ڈاکٹر موڈزر سے معاملہ طے بھی ہوگیا

Then somthing happed تھا۔

عظمت: کیا؟

(مغربی لہجے کا پی کرکے)

سرفراز: آپریشن سے دو دن پہلے میرے لینڈ لارڈ کی نواسی مجھے ملنے آئی وہ ہمیشہ میری گود میں بیٹھ کر مجھ سے ایک ہی سوال کیا کرتی تھی۔ کیپٹن تمہارے ساتھ کیوں جنگ کی تھی بھارت نے۔ میں اس سوال کا کئی بار جواب دے چکا تھا سوشیو پولیٹیکل، اکونومک Relgious Cultural کسی جواب سے اس کی تسلی نہیں ہوتی تھی۔

حق نواز: ذہین لڑکی تھی غالباً۔

سرفراز: بچے عموماً جواب سن تو لیتے ہیں لیکن دل سے مانتے نہیں بس اس روز وہ کہنے لگی کیپٹن مجھے پتہ چل گیا بھارت تم سے کیوں لڑتا ہے؟ میں نے پوچھا کیا وجہ ہے روتھ؟ تو وہ بولی پہلے تم مجھے وہ اوپیرا دکھاؤ جو ماما مجھے دکھانے نہیں لے جاتی۔ میں نے کہا بھائی ابھی تو میں ہسپتال جانے والا ہوں واپسی پر انشاء اللہ ضرور دکھاؤں گا۔

Do you know what she said when she came to know.

کہنے لگی تم یہ Scar اتار دو گے کیپٹن---- یہ تمغہ یہ Token ---- یہ Pride ہے تمہاری جنگ کا اتار دو گے میرے Grand father نے تو ساری عمر بیساکھی کا سہارا لیا لیکن جنگ کی نذر کی ہوئی ٹانگ نہیں لگوائی۔

I was thoroughly ashmed.

حق نواز: اور وجہ کیا بتائی تھی اس نے جنگ کی۔

سرفراز: پکا سا منہ بنا کر کہنے لگی بھارت کے لوگ دراصل man-eaters ہیں وہ سب کو کھا جانا چاہتے ہیں۔

عظمت: Guite right

سرفراز: میں نے اس سے کہا تھا کہ روتھ لیکن وہ تو گوشت خور نہیں ہیں تو بولی---- پھر انہیں Manure چاہئے ہوگی۔ Human Manure کھیتی باڑی ہوتی ہے نا مشرقی ملکوں میں زیادہ۔

حق نواز: ظلم کی کھیتی لہلہاتی ہے Man manure سے۔

عظمت: تمہیں صوبیدار صاحبداد یاد ہے حق نواز۔

حق نواز: Who can forget that kinglike soldier.

عظمت: ایک دفعہ مجھے کہنے لگا صاحب ظلم کو ختم کرنے کے دو طریقے ہیں یا تو آدمی اتنا ظلم برداشت کرے کہ باقی نہ رہے اور ظالم کو خدا کے انصاف پر چھوڑ دے۔ یا ظالم کا ایسا گلا دبائے کہ وہ مظلوم بن کر فریاد کرنے لگے۔ بہادر آدمی کا طریقہ دوسرا ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ عورتوں کے لئے ہے۔

(دوربین سے دور دیکھتے ہوئے)

سرفراز:

I can never forget his face Bullets.

نے اس کا سارا چہرہ Smash کر دیا تھا۔

حق نواز: یار اگر صوبیدار صاحبداد شہید ہوگیا تھا تو اس کی خبر ضرور ملتی ہمیں خدا جانے کہاں گیا۔ دشمن کے ہتھے چڑھ گیا---- unclaimed لاشوں میں دب گیا یا---یا----

عظمت: کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔

سرفراز: کبھی کبھی مجھے یقین ہوجاتا ہے کہ وہ مرچکا ہے لیکن لوگ اسے اس طرح یاد کرتے ہیں جیسے وہ کسی دوسرے شہر چلا گیا ہو۔

حق نواز:

You know how I am allergic to Hospital Smell.

لیکن میں صوبیدار صاحب داد کو ملنے گیا ہسپتال میں۔

سرفراز: I remember him وہ سٹریچر پر لیٹا ہوا تھا۔

Like a smashed toy Horrible Horrible

عظمت:

But he didnt wince.

حق نواز: ranks نے ایسا افسر پیدا نہیں کیا۔

Most dependable man.

عظمت: ranks تو فوج کا سینہ ہوتی ہیں۔ سارا بوجھ گولیوں کا انہی پر پڑتا ہے۔

حق نواز: میں ہسپتال میں گیا تو

He was still under anesthesia.

بارہ ستمبر کا دن تھا۔ مجھے خوب یاد ہے فرنٹ پر گرد گرم تھی آسمان تپا ہوا تھا اور نہر کے پانی سے ہوا میں گرمی کے بھیگے بھیگے بادبان سے اٹھتے تھے۔

I went to see Sahibdad All his face was coverd I went near him.

فلش بیک

سین 2

ان ڈور

دن

ایک make shift قسم کا ہسپتال۔ صاحبداد کا چہرہ کچھ اس طرح پٹیوں میں بندھا ہے۔ کہ شکل پہچانی نہیں جاتی۔ حق نواز کی داڑھی بڑھی ہے اور وہ جلدی میں ہے۔ وہ نرس سمیت پاس آتا ہے رومال سے اپنا چہرہ پونچھتا ہے۔

حق نواز: Buck up صاحبداد۔ خدا نے چاہا تو فتح ہماری ہوگی پھر یہ سارا مشکل وقت بھول جائے گا۔

صاحبداد: پہلے کس کافر کو یاد ہے سر؟

حق نواز: آپ نے پاکستان پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ پاکستان کی ساری قوم آپ کی خدمات کو یاد رکھے گی۔

صاحبداد: اگر ہم مرگیا صاحب تو بھی ہم نے قوم کو اپنی یاد سے آزاد کیا اگر ہم زندہ رہا تو بھی ہم اپنے لوگوں پر یاد کا بوجھ نہیں ڈالے گا۔ پاکستان ہمارا ملک ہے ہم ایک دفعہ چھوڑ سو دفعہ اس کے لئے لڑے گا۔ اور احسان نہیں کرے گا کسی پر۔ ماں کی جان بچا کر آدمی اپنے پر احسان کرتا ہے۔ سر ماں پر احسان نہیں کرتا۔

حق نواز: (بازو پر pat کرکے) تمہارا جذبہ قابل رشک ہے۔

صاحب: سر۔ ادھر چھ تاریخ کو حملہ کیا ہے اینی جی نے۔ اور ادھر ہم مہاندری میں تھا پانچ تاریخ کو شادی بنایا تھا ہمارا نور جان بولی صاحبداد خدا کے لئے دو چار دن کی چھٹی لے لو ہم نے جواب دیا نور جان تمہارے سر کی قسم اگر ہم رک سکتا تو رک

جاتا پر ہم تو ابھی زندہ ہے۔ جو مرگیا ہوتا تو بھی قبر سے نکل کر محاذ پر چلا جاتا تم ہمارا جان لو ہمارا ایمان نہ مانگو۔

(حق نواز دونوں پاؤں جوڑ کر صاحبداد کو سلیوٹ کرتا ہے پھر حق نواز اپنے بازو سے اپنی گھڑی اتار کر صاحبداد کو دیتا ہے۔)

حق نواز: صاحبداد تمہارے Valour کے سامنے ایک منٹ خاموشی سے سر جھکا کر کھڑا رہنا چاہئے۔ لیکن وقت کم ہے۔ I must return یہ گھڑی---- اگر تم قبول کرو ایک چھوٹا سا انعام۔ ایک معمولی سا۔

صاحبداد: کس لئے صاحب؟ کس لئے گھڑی۔

حق نواز: تمہارے صاحب کا معمولی سا تحفہ۔ اس وقت کی یادگار۔ اس جنگ کی یادگار--- اس لمحے کی یادگار۔

صاحبداد: اور اگر مجھے یہ پہننے کی مہلت نہ ملی سر؟ (گھڑی لیتا ہے)

حق نواز: یہی بات میں بھی کہہ سکتا ہوں۔

صاحبداد: میں نرس کو وصیت کرکے مروں گا سر۔ اگر میں، میں مرگیا تو یہ گھڑی وہ آپ کو واپس کردے گی۔ گھڑی کو ایک زندہ آدمی کے ہاتھ پر ہونا چاہئے صاحب نبض اور گھڑی کی ٹک ٹک ساتھ ساتھ چلنی چاہئے۔ (حق نواز ہاتھ ملاتا ہے)

حق نواز: ٹھیک ہے---- یہ گھڑی ہم دونوں میں سے اس کے پاس رہے گی جو زندہ ہوگا۔ Right؟

(کیمرہ حق نواز کے چہرے پر آتا ہے۔ یہاں سے ہم فیڈ آؤٹ کرکے سین نمبر ا میں واپس جاتے ہیں تینوں کیپٹن بیٹھے ہیں۔ کیمرہ پہلے حق نواز کی چہرے پر جاتا ہے پھر عظمت اور سرفراز کو بھی انکلوڈ کرتا ہے۔)

حق نواز: وہ گھڑی مجھے Passing out parade پر ڈیڈی نے دی تھی میرے تن پر اس وقت اس سے پیاری چیز اور کوئی نہ تھی۔

(دور بین سے فضاء میں دیکھ کر)

سرفراز: ایسا ہی دن تھا۔ بالکل اسی طرح مجھے لگتا تھا جیسے یہ جنگ نہیں تھی بلکہ میں ایکسر سائز پر آیا تھا۔ عجیب سا دن تھا خواب میں تیز بخار چڑھنے کی کیفیت مجھ پر طاری تھی آسمان اور زمین کے درمیان یا تو گرد تھی سب کچھ بے اصل تھا بے

حقیقت تھا۔

Have you ever felt like this Azmat?

عظمت: never---- میں جب سویا ہوتا ہوں اس وقت بھی alert رہتا ہوں مجھے احساس رہتا ہے کہ میں سو رہا ہوں اور اس وقت مجھے یہی کرنا چاہیے۔

my nerves need rest.

سرفراز: ایک بار پہلے، جنگ سے پہلے بھی مجھے ایسی ہی Eltherial feelings ہوتی تھیں آج میری شادی ہوئی اور دوسرے دن میری mother فوت ہوگئی۔ سارا دن عجیب سی feelings رہا۔ ایسے لگتا تھا کہ میں موجود نہیں ہوں۔ بیوی کی شکل دیکھتا تھا تو خوشی نہیں ہوتی تھی۔ مری ہوئی ماں کا چہرہ دیکھتا تھا تو---- تو غم نہیں ہوتا تھا۔

Something on the edge of life and death on the edge of love and hate. Something on the point danger and peace.

حق نواز: تمہیں صاحبداد کہاں ملا؟

سرفراز: بی آر بی نہر کے کنارے۔ ایک خاموشی کا وقفہ تھا اس وقت فائرنگ بند تھی پر ہم سب سانس روکے نئے دھماکے کا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے یاد ہے میری ٹرنچ سے ایک کیکر کا درخت نظر آ رہا تھا اس پر ایک گلہری کبھی چڑھتی تھی کبھی اترتی تھی۔

عظمت: تم ڈیٹیلز پر بہت نظر رکھتے ہو سرفراز۔

سرفراز: (اپنی ہی دھن میں) اس گلہری کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ ہم انسان۔ ہم اشرف المخلوقات اپنی نیندیں تو حرام کرتے ہیں ان جانوروں کا سونا جاگنا کھانا پینا ہم مفت میں برباد کردیتے ہیں۔ یار حق نواز ان جانوروں کی ہمارے متعلق بڑی Confused رائے ہوگی۔

حق نواز: حیرانی کی بات ہے کہ میں نے صاحبداد کو جس حالت میں ہسپتال میں چھوڑا وہ صرف چند گھنٹوں کا مہمان تھا اور دوسرے دن وہ تمہیں ملا۔ Quite impossible

سرفراز: میں سروے کرنے تھوڑی دیر کے لئے باہر نکلا تھا ہر لمحہ یوں گزر رہا تھا جیسے کوئی گردن پر آہستہ آہستہ آگے تلوار کھسکا رہا ہو۔

Then I saw Sahihdad. وہ اپنی پٹیوں سے لدا ہوا تھا۔ لیکن اس کا حوصلہ اس شیر کی طرح تھا جس نے زندگی بھر کوئی زخم نہ کھایا ہو۔

کٹ

سین 3

آوٹ ڈور

شام

(سرفراز کیکر کے درخت تلے کھڑا درخت کے اوپر کی طرف دیکھ رہا ہے۔ صاحبداد پیچھے کی طرف سے آکر سرفراز کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔)

صاحبداد: سر خطرہ بہت ہے۔ آپ ٹرنچ سے باہر نہ نکلیں۔

سرفراز: میں---- (دوربین سے دیکھ کر) میں Survey کرنے نکلا تھا۔ صاحبداد۔

صاحبداد: دشمن اصلی دو قسم کا ہوتا ہے، یا چھپ کر حملہ کرنے والا سر یا سینہ پھیلا کر کھلے میدان میں لڑنے والا---- لیکن یہ تیسرا قسم ہے سر۔ حملہ کرنے والے کا۔

سرفراز: تیسری قسم کونسی؟

صاحبداد: پیٹھ مین چھرا مارنے والا۔ ہم اس کو پرانا جانتا ہے۔

سرفراز: دس منٹ سے فائرنگ بند ہے۔

صاحبداد: مجھ کو O.P کا فکر ہے۔ سر آپ آرڈر دیں تو ہم نہر کے پار جاکر دیکھیں۔

سرفراز: messages آرہے ہیں صاحب داد o.p بالکل خیریت سے ہے۔

صاحبداد: زندگی میں ہم کو پہلی بار افسوس ہوا کہ ہم ملٹری میں کیوں ہے؟

سرفراز: تم جنگ لڑنا نہیں چاہتے۔

صاحبداد: ہم لڑنا چاہتے ہیں سر پر کسی سے آرڈر نہیں لینا چاہتا۔ ہمارا جی چاہتا ہے سیدھا دشمن کی فوجوں میں گھس جائے اور تہس نہس کردے اس بدبخت کو۔

سرفراز: تم جانتے ہو اب جنگ ڈسپلن سے لڑی جاتی ہے۔ اگر سب تمہاری طرح دشمن کی فوج میں گھس جائیں تو کیا انجام ہو؟

صاحبداد: اگر تھوڑا وقت ہوتا تو ہم اپنے جسم میں جونکیں لگوا کر آتا ادھر مورچے ہیں۔

سرفراز: جونکیں----؟ کیوں؟

صاحبداد: لہو کم ہوتا صاحب---- جوش کم آتا---- جب جوش آتا ہے تو صبر کرنا مشکل ہوجاتا ہے ہم کمبخت سے!

(اس وقت ایک لمبے Blast کی آواز آتی ہے ساتھ ہی Shelling شروع ہوجاتی ہے۔ صاحبداد اور سرفراز دونوں یکدم فرش پر لیٹ کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔

(کٹ)

سین 4

پہلا سیٹ دہرایا گیا

(کیمرہ واپس سرفراز کے چہرے پر آتا ہے وہ تینوں اسی طرح نہر کنارے بیٹھے ہیں۔)

سرفراز: عجیب شدت تھی صاحبداد کی طبیعت میں۔ خدا خبر کہاں گیا بیچارہ---- جنگ بھی کیا کیا شعلے ٹھنڈے کردیتی ہے۔

عظمت: بالکل میری طرح تھا صوبے دار صاحبداد۔ ایڑی مار کر کہا کرتا تھا ابھی اسی وقت آڈر دو---- صاحب میرے جوانوں کو Forward جانے کا اسی وقت نہیں تو ہم پیٹی اتار دے گا اور مجھے ہر بار کہنا پڑتا۔

Take it easy Sahihdad take it easy.

حق: یار عظمت یہ جنگ کیا چیز ہے؟----

This necessary evil ---- this blood sucking experience.

عظمت: یہ تجربہ بھی محبت کی طرح ہے انسان کو ختم کرکے نیا جنم دیتا ہے۔

سرفراز: کیا مطلب؟

عظمت: محبت اور جنگ یعنی محبت اور نفرت دونوں شدت کے جذبے ہیں۔ ان میں

ایک لمحے کے لئے نظر اپنے پر نہیں آتی۔

سرفراز: یار عظمت تمہارا کیا خیال ہے کہ سن ۶۵ء کی جنگ کیسی رہی؟

عظمت: Morally؟ Financialy؟ Statistically؟ or Politically؟

سرفراز: نہیں سوال یہ ہے کہ تم نے اس جنگ کے متعلق کیا محسوس کیا؟

How about it?

عظمت: کبھی تم نے پہاڑوں پر بجلی چمکتے دیکھی ہے؟ ایسی بجلی جو دیر تک کوندتی ہے اور پھر کسی اونچے چیڑھ کے درخت کو آگ لگادے۔

حق نواز: Its a terrible sight ہے۔

عظمت: ایسی لمبی چوڑی آگ جو چیڑھ کے جنگلوں میں لگ جاتی ہے تین تین دن بارش برسنے کے باوجود ٹھنڈی نہیں ہوا کرتی۔ مجھے لگتا ہے میں بھی بجلی کی ایک لہر تھا۔ ایک کوندا تھا۔ میری لگائی ہوئی آگ برسوں دشمن کے دل میں ٹھنڈی نہیں ہوگی۔

سرفراز: How Poetic! اور تمہاری Feelings کیا تھیں ان تیرہ دنوں میں----

حق نواز: میری Feelings؟ ---- ذرا مشکل ہے سمجھانا لیکن میں کوشش کروں گا۔ بالکل Jig saw puzzle کی طرح تھا سارا Pattern - جنگ کے دوران مجھے لگا کرتا تھا کہ یہ جنگ ایک لڑاکا ہوائی جہاز کی پہیلی ہے ہم سارے سپاہی، افسر، Civilians سب ٹکڑے ملا کر اس بمبار جہاز کی مکمل تصویر بناتے ہیں۔ ایک ٹکڑا بھی غائب کردو تو تصویر نامکمل رہ جاتی ہے۔ اور سرفراز تم کیا محسوس کرتے تھے ان تیرہ دنوں میں؟

سرفراز: میں فطرتاً pessimistic آدمی ہوں۔ جب رات کو دونوں طرفوں سے فائرنگ بند ہوجاتی تو نئے دھماکے کے انتظار میں ہم لوگ اپنے کانوں کی طرح Tense ہوجاتے۔ ان وقفوں میں کئی باتیں ذہن میں آتی رہتیں ایسے جیسے کوئی flash سے تصویر کھینچتا ہے۔

حق نواز: کس کی تصویر؟

سرفراز: مختلف چھوٹے چھوٹے غیراہم واقعات میرے ذہن سے گزر جاتے۔ عظمت کبھی تم نے دو چھوٹے بچوں کو دیکھا ہے جو لڑتے جاتے ہیں۔ چٹکیاں کاٹتے تھپڑ مارتے ہیں۔ لیکن ماں چپ چاپ تنگ کئے جاتی ہے۔

عظمت: ہزاروں بار۔

سرفراز: میں ٹرنچ میں بیٹھ کر اپنے اللہ سے باتیں کرنے لگتا۔ اس سے کہتا میرے رب تو دیکھتا نہیں---- یہ اپنے آپ کو اہنسا کا پجاری کہتا ہے اور مجھ پر ظلم کرتا ہے یہ غاصب ہے۔ تو اس کا محاسبہ کیوں نہیں کرتا۔ لیکن میرا رب چپ چاپ رہتا۔

حق نواز: دراصل سرفراز ساری غلطی انسان کی ہے۔ وہ اپنی Values اپنا ادراک اپنی سمجھ، اپنی نیکی اپنا انصاف، سچ، سمجھ بوجھ سب کچھ جب مجسم کرلیتا ہے تو اپنے خدا کی تشکیل کرلیتا ہے اگر خدا کا انصاف انسان کو سمجھ آنے لگے اگر انسانی سمجھ خدا کے کاموں کو محیط---- I mean encircle کرلے تو پھر---- تو وہ خدا نہ ہوا ناں man made idol ہوگیا۔

سرفراز: میں جنگ کے بعد دو چار دن اپنے خدا سے جھگڑتا رہا۔ میں اس سے کہتا کہ جب تو جانتا ہے کہ ہم راستے پر ہیں۔ جب تو جانتا ہے کہ زیادتی ہماری جانب سے نہیں ہے تو پھر تو ہمارے دشمن کو ملیامیٹ کیوں نہیں کردیتا۔ میں پوچھتا رہتا میں دشمن پر شلنگ کرتا رہتا۔ اور میرا رب خاموشی سے مسکرائے جاتا۔

حق نواز: But his ways are not our ways.

سرفراز: Eactly ! اس نے بھی وہی کچھ کیا جو میں چاہتا تھا۔ لیکن اس کا طریق مختلف ہے۔ اس نے مجھے جھنجھوڑا اور سمجھایا اور دشمن کو ملیامیٹ کرکے میری ناموس کو سلامت رکھا۔

عظمت: خدا اس ماں کی طرح ہے جو سزا دیتے وقت بھی انصاف ہی کئے جاتی ہے۔ سچے بچے کو اس لئے مارتی ہے کہ وہ اپنے سچ پر کہیں نازاں نہ ہوجائے۔ اور جھوٹے بچے کو اس لئے کہ اس کا قصور قابل گرفت تھا۔

سرفراز: جب میں آٹھویں جماعت میں تھا تو میرے چچا نے مجھے ایک Pen دیا تھا اور دیتے وقت کہا تھا بیٹا یہ Independent ذرا مہنگا ہے۔ اس کا دھیان رکھنا کبھی سائیکل پر چڑھ کر اسے پینٹ کی جیب میں ڈالے نہ پھرنا۔

حق نواز: Very interesting.

سرفراز: پھر میرے بی۔ اے میں پڑھنے والے بڑے بھائی نے یہ Pen مجھ سے یہ کہہ کر چھین لیا کہ جب میں بی۔ اے میں پہنچوں تو وہ یہ Pen مجھے باقی بہن بھائیوں سے مشورہ کرکے واپس کردیں گے۔

عظمت: یار اتنی Interesting شرائط۔ ونڈرفل۔

سرفراز: میں ٹرنچ میں بیٹھا اپنے رب سے کہتا اگر تیری رضا ہوتی تو پین میرے پاس رہتا۔ جب اسلحہ ختم ہونے کو آتا اور بمباری والے جہازوں کی گونج کانوں میں آنے لگتی تو میں اپنے خدا سے کہتا تو چاہتا تو آج یہ جنگ نہ ہوتی۔ کشمیر ہمارے پاس ہوتا---- پھر تو نے کیوں نہ چاہا---- کیوں کیوں کیوں؟

عظمت: صاحبداد بھی اسی طرح کا آدمی تھا۔ مجسم سوال؟ مجسم انصاف کا طالب---- مجسم حق کا پرستار۔

حق: صاحبداد جیسے لوگ بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ ranks کا آدمی ہو کر وہ بڑے بڑے افسروں کو پیچھے بٹھاتا تھا۔

عظمت: مجھے یاد ہے دوسری ستمبر کا دن تھا میس میں ڈنر تھا ڈنر کے بعد ہی Billiard کھیلنے چلا گیا۔

فلیش بیک

سین 5

ان ڈور

شام

(میس کا ایک کمرہ۔ درمیان کا ایک بلیئرڈ میز پڑا ہے عظمت سٹک سے بال کو مارتا ہے۔ اس کے اردگرد دوچار افراد ان کی بیویاں گھیرا کئے ہوئے کھڑی ہیں---- صوبے دار آتا ہے----)

صوبیدار: (سیلوٹ مار کر) جناب کچھ ضروری کاغذات دکھانے تھے آپ کو۔

(دونوں رش چھوڑ کر ایک کھڑکی کے پاس چلے آتے ہیں۔)

عظمت: I hope nothing is wrong in barraeks.

صوبیدار: یہ کچھ خط آپ کا آڈرلی کمرے میں لے جا رہا تھا سر میں نے اس سے لے لئے۔

عظمت: آپ نے یہ کام کیوں کیا صوبیدار صاحب۔

صوبے: مجھے آپ سے ویسے بھی کچھ کہنا تھا سر۔

عظمت: فرمایئے۔

صوبے: رات سر میں نے خواب دیکھا کہ بڑا گھپ اندھیرا ہے پھر جیسے اندھیرے میں سے ایک مورچہ نکل آیا ایک پورا فرنٹ اور---- سر پھر اس مورچے پر ایک بڑا سا Blast ہوا---- دھوئیں کی چھتری تن گئی سارے فرنٹ پر۔ پھر ایک لمبا سا شعلہ نکلا۔

عظمت: صوبیدار صاحبداد خواب سننے سنانے والے Civilians میں بہت ہوتے ہیں ملٹری کا آدمی خوابوں سے جنگ نہیں کرتا۔

صوبے: پھر---- بھی سر اگر آپ میرا خواب سن لیں تو---- فجر کی نماز کے بعد ہم سجدے میں سو گیا یہ خواب اس وقت ہی آیا تھا ہم کو----

عظمت: اچھا بتایئے۔

صوبے: Blast کی روشنی میں ہم نے دیکھا آپ بھی کھڑا ہے کیپٹن سرفراز بھی ہے۔ کیپٹن حق نواز صاحب بھی ہے---- شعلہ ختم ہوا سر---- تو---- صرف ہم کھڑا تھا۔ بیساکھی لئے---- نہ آپ تھا---- نہ کیپٹن حق نواز نہ کیپٹن سرفراز۔

عظمت: خوابوں میں لوگ عموماً غائب ہو جایا کرتے ہیں صوبیدار صاحب۔

صوبے: آپ کوئی صدقہ دیں سر---- ہم کو وہم آتا ہے۔

عظمت: (صاحبداد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر محبت کے ساتھ) صدقہ بھی دے دیں گے---- But ---- دیکھو صوبیدار بات یہ ہے کہ سپاہی کا سینہ نہیں ہوتا سارا دل ہوتا ہے تم کو یا ہم کو خوف آیا تو یوں سمجھو کہ خوف نہ صرف ہم کو کھا جائے گا بلکہ سارے جوانوں کو چاٹ جائے گا۔ اچھا سپاہی وہی ہے صوبیدار صاحب جو صرف خدا سے ڈرتا ہے---- صرف خدا سے---- دشمن سے نہیں----

صوبے: (سلوٹ کر کے) Yes Sir --- ہم بھول گیا تھا۔ اپنا محبت کی وجہ سے---- تھوڑی دیر کے لئے۔ آپ کو خدا لمبی عمر دے سر----

فیڈ آؤٹ

سین 6

ان ڈور

دوپہر

(دیہاتی پولیس چوکی کا منظر۔ اے ایس آئی صاحب کرسی میز لگائے ضمنی لکھ رہے ہیں۔ پاس بینچ پر ایک سپاہی آلات ضرب (کلہاڑی) کو کپڑے میں لپیٹ چکنے کے بعد اس پر لاکھ کی لہریں لگا رہا ہے۔ ایک اور باوردی سپاہی صوبیدار صاحب داد کو ساتھ لے کر آتا ہے۔ اور تھانیدار صاحب کو سیلوٹ کرتا ہے۔ تھانیدار صاحب کاغذات سے سر نہیں اٹھاتے۔)

سپاہی: جناب عالی اس فرد مشکوک کو میں نے پکی پکی پر مشتبہ حالت میں پایا ہے۔

تھانیدار: ہوں۔

سپاہی: میری تفتیش پر اس نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

دوسرا سپاہی: کیوں میاں جواب کیوں نہیں دیا تم نے۔

صوبیدار: (خاموش ہے)

تھانیدار: سنا نہیں سنتری نے کیا پوچھا ہے۔

صوبیدار: تھانیدار صاحب آپ کے سپاہی کو غلطی ہوئی ہے میں مشتبہ آدمی نہیں ہوں۔

سپاہی: تو پھر تم نے بتایا کیوں نہیں کہ تم کون ہو؟

صوبیدار: میں نے تم سے بولا تھا کہ مجھے چوکی لے چلو میں تھانیدار صاحب سے مل کر بات کروں گا۔

سپاہی: لے آیا ہوں چوکی اب کرو بات۔

سپاہی ۲: کس گاؤں کے رہنے والے ہو۔

صوبیدار: ضلع جہلم کا۔

تھانیدار: ادھر کیا کر رہے ہو۔

صوبیدار: (خاموش ہے)

سپاہی: اس کو میں تین چار روز سے ادھر موضع ڈالیاں میں دیکھ رہا ہوں۔ وقوع کے روز بھی یہ پیپل کے نیچے بیٹھا تھا۔

تھانیدار: میاں کس کے پاس رہتے ہو۔

صوبیدار: کسی کے پاس بھی نہیں۔

تھانیدار: اس موضع میں کوئی تمہارا واقف ہے۔

صوبیدار: جی نہیں۔

تھانیدار: تو پھر میاں رہتے کس کے پاس ہو؟

صوبیدار: کسی کے پاس بھی نہیں۔

تھانیدار: جب نمبردار طالع چند کے ڈنگر چوری ہوئے تو تم کہاں تھے۔

صوبیدار: ہم کو کسی نمبردار کے ڈنگروں کا پتہ نہیں۔

تھانیدار: ---- اس کا نام پتہ پوچھ کر اسے شامل تفتیش کرو نیاز علی۔

سپاہی: بہت اچھا جناب عالی---- آؤ بھئی۔

صوبیدار: میں پرائیوٹ میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

تھانیدار: کرو بات یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔

صوبیدار: نہیں Sir - میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔

تھانیدار: اچھا نیاز علی---- غلام محمد تم دونوں چلو ادھر۔

(دونوں سپاہی بادل نخواستہ چلے جاتے ہیں۔)

تھانیدار: ہاں جی فرماؤ۔

صوبیدار: (جیب سے Identity کارڈ نکال کر دیتے ہوئے) یہ میرا شناختی کارڈ ہے۔

تھانیدار: (صوبیدار صاحبداد۔ منہ اوپر اٹھا کر حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔) تشریف رکھو صوبیدار صاحب۔

صوبیدار: (نیچے بیٹھتے ہوئے) شکریہ صاحب۔

تھانیدار: آپ آرمی سے ریلیز لے چکے ہیں۔

صوبیدار: وہ تو ظاہر ہی ہے سر۔

تھانیدار: لیکن آپ ادھر کیا کر رہے ہیں اس گاؤں میں؟

صوبیدار: ادھر ہمارا یونٹ exercise پر آیا ہوا ہے اس کو دیکھنے آیا تھا۔

تھانیدار: اگر آپ اپنے یونٹ کو دیکھنے آئے تھے صوبیدار صاحب تو آپ کو

exercise area میں ہونا چاہئے تھا گاؤں میں نہیں۔

صوبیدار: ایک ریلیز سپاہی کس طرح exercise area میں جاسکتا ہے تھانیدار صاحب؟ وہ تو بڑا خوش قسمت ہے صاحب اگر دور سے ہی اپنے یونٹ کو exercise کرتے دیکھ لے۔

تھانیدار: آپ اپنے پرانے ساتھیوں سے نہیں ملے؟

صوبیدار: جی نہیں۔

تھانیدار: کیوں؟

صوبیدار: میرا کوئی حق نہیں بنتا تھانیدار صاحب۔

تھانیدار: میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

صوبیدار: ایک ریلیز ہٹڑ سپاہی خوبصورت صحت مند سوہنے جوانوں میں جا کر ان کا مورال ڈاؤن نہیں کر سکتا صاحب۔

سپاہی کو اپنے یونٹ سے بڑا پیار ہوتا ہے۔ جس طرح سویلین کو اپنے گھربار سے ہوتا ہے۔

تھانیدار: بے شک۔

صوبیدار: کوئی سپاہی اپنے یونٹ کا مورال ڈاؤن نہیں دیکھ سکتا۔ میں اگر جا کر گرائیوں سے ملوں گا تو وہ میری کنڈیشن دیکھ کر ضرور رنج ہوں گے اس لئے میں ان کو اپنی شکل نہیں دکھاتا۔

تھانیدار: پھر آپ کیا کرتے ہیں؟

صوبیدار: میں دور سے ان کو exercise کرتے دیکھتا ہوں اور خوش ہوتا ہوں۔ کبھی درختوں کی اوٹ سے، کبھی پل پر کھڑے ہو کر کبھی ٹیلے پر چڑھ کر exercise میں جوان کی جان ہوتی ہے۔

تھانیدار: صوبیدار صاحب آپ کی ٹانگ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ضائع ہوئی تھی؟

صوبیدار: جی صاحب---- جنگ کی آخری رات---- دشمن نے فائر بندی کے وقت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہمارے مورچوں پر زبردست حملہ کیا۔

تھانیدار: مجھے یاد ہے۔

صوبیدار: ہم کو اس کی فطرت مالوم تھی۔ ہمارے جوان بے جگری کے ساتھ لڑے۔ بہت نقصان ہوا لیکن ہم نے ہمت نہیں ہاری۔ میں اپنی ٹرنچ سے بہت آگے نکل

گیا۔ میرے ساتھ تین اور جوان تھے بڑے جی دار اعلیٰ درجے کے نشانچی۔ ہم نہر کے اس پار پکی سڑک کراس کرگئے پھر ایک بلاسٹ ہوا اور ہمیں کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا ہوا ہے۔

تھانیدار: اس رات بڑی شدید گولہ باری ہوئی تھی۔

صوبیدار: میرے تینوں ساتھ مٹی کے تودے تلے دفن ہوگئے اور میں دشمن کی قید میں آگیا۔ مجھے قید سے بڑی نفرت ہے تھانیدار صاحب، لیکن میں مجبور تھا۔ میری ٹانگ کٹ چکی تھی اور جنگی قیدیوں کا کیمپ وطن سے بہت دور تھا۔

تھانیدار: آپ نے اپنے گھر والوں کو ریڈیو پر کوئی میسج دیا ہوگا۔

صوبیدار: نہیں صاحب میں اپنے گھر والوں کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ میں جنگی قیدی بن گیا ہوں اس لئے میں نے کوئی میسج نہیں دیا۔

تھانیدار: پھر انہوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ آپ شہید ہوگئے ہیں۔

صوبیدار: جی صاحب انہوں نے یہی سمجھا اور مجھے شہید declare کر دیا گیا۔ میرا سامان اور کپڑے میرے گھر پہنچادیئے گئے اور میری ماں نے گاؤں میں میرا ختم بھی دلا دیا۔

تھانیدار: پھر جب آپ اپنی والدہ سے ملے ہوں گے تو اسے کس قدر خوشی ہوئی ہوگی۔

صوبیدار: نہیں صاحب میں اپنی والدہ سے نہیں مل سکا میرا ختم دلانے کے پورے ایک مہینے بعد خدا کو پیاری ہوگئی اور مجھے جنگی کیمپ سے فرار ہونے اور بارڈر کراس کرنے میں پورا ڈیڑھ سال لگ گیا۔

مجھے جنگی قیدی بننے سے سخت نفرت ہے تھانیدار صاحب میں زیادہ دیر کیمپ میں نہیں رہ سکتا تھا۔ ایک اندھیری رات کو میں پہرے داروں کی نظر بچا کر کیمپ سے فرار ہوا اور صبح ہونے تک اس علاقے سے بارہ میل دور نکل گیا۔

تھانیدار: (کٹی ٹانگ کی طرف اشارہ کرکے) اس حالت میں۔

صوبیدار: جی صاحب--- اگر کہیں میری دونوں ٹانگیں سلامت ہوتیں تو میں بہت جلد پاکستان پہنچ چکا ہوتا۔

تھانیدار: لیکن ڈیڑھ سال کی مدت بہت ہوتی ہے صوبیدار صاحب۔

صوبیدار: ضرور ہوتی ہے صاحب لیکن دشمن کا ملک ہو۔ فاصلے لمبے ہوں جنگی قیدی مفرور ہو اور قدم قدم پر پہرے ہوں تو ڈیڑھ سال کوئی خاص مدت بھی نہیں

ہوتی--- جس رات میں نے دریا پار کرکے اپنے وطن کی زمین پر اپنا اکیلا پیر رکھا تو میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے--- میں کبھی نہیں رویا تھا تھانیدار صاحب۔ ساری زندگی نہیں رویا لیکن اس رات پتہ نہیں کیوں روتے روتے میرا سارا منہ آنسوؤں سے تر بتر ہوگیا۔

تھانیدار: وہ خوشی کے آنسو تھے صوبیدار صاحب۔

صوبیدار: پتہ نہیں سر۔ خوشی کے تھے یا خوف کے دکھ کے تھے یا تھکن کے لیکن تھے آنسو۔

تھانیدار: پھر آپ سیدھے چھاؤنی گئے یا اپنے گاؤں۔

صوبیدار: میں اپنے گاؤں گیا تھانیدار صاحب۔ میرے پٹے اتنے لمبے اور میری داڑھی اتنی گھنی تھی کہ کوئی مجھے پہچان ہی نہ سکا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اچھا ہی ہوا جو کوئی مجھے پہچان نہ سکا--- یہ پہچان بھی کبھی کبھی بڑا دکھ دیتی ہے--- بڑا دکھ دیتی ہے--- بہت بڑا دکھ دیتی ہے۔

فلیش بیک

سین 7

ان ڈور

صبح کا وقت

(مہاندری گاؤں کا سین--- جہلم کے بے آب وگیاہ ضلع کا ایک گاؤں۔ صوبیدار صاحبداد زلفیں اور داڑھی بڑھائے بیساکھی کے سہارے گاؤں میں داخل ہوتا ہے۔ دو چار جھونپڑے اور کچے گھر گزرنے کے بعد ایک کچے گھر کی جانب بڑھتا ہے۔ اس کے باہر چھپر تلے ایک عورت اور ایک مرد دکھائی دیتے ہیں۔ مرد چارپائی پر بیٹھا کھانا کھا رہا ہے عورت ہاتھ کی پنکھیا جھل رہی ہے۔ چھپر کے ایک بانس کے ساتھ بکری بندھی ہے۔ صوبیدار اس کو دیکھ کر

ٹمٹماتا ہے اس کے چہرے کے کٹ دکھاتے ہیں۔ پھر عورت اور مرد کے کٹ دکھاتے ہیں۔ مرد کھانا کھا کر گلاس سے ہاتھ دھوتا ہے اور اپنے بھیگے ہوئے ہاتھوں کے چھینٹے نور جان کے چہرے پر مارتا ہے۔ وہ ہنستی ہے اور اوڑھنی سے اپنا چہرہ پونچھتی ہے۔ پھر وہ دونوں جدا ہوتے ہیں۔ مرد کھیت کی طرف اور عورت خاموش چھپر تلے اس کی راہ دیکھ رہی ہے اس دوران میں صاحبداد کے کٹ دکھائے جاتے ہیں۔)

کٹ

سین 8

پہلا سیٹ دہرایا گیا

(کیمرہ واپس تینوں کپتانوں پر آتا ہے اور عظمت کے چہرے پر آتا ہے۔)

عظمت: صاحبداد was a great soldier

سرفراز: اچھی exercise پر آئے ہیں ہم لوگ سارا وقت ایک صاحبداد کی باتوں پر صرف کردیا۔

حق: یاد رکھنا عظمت کل میری بٹالین تمہاری پوزیشن کی اچھی طرح licking کرے گی۔

عظمت: تم فکر مت کرو۔ ہمارے جوان بھی تمہاری سب Moves سمجھتے ہیں۔

سرفراز: جنگ کے بعد جتنی exercises ہوئی ہیں۔ وہ ہم تینوں نے attend کی ہیں اور ہربار نیا لطف پایا ہے میں نے What about you?

عظمت: یوں ہوتا ہے ہربار جیسے جنگ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے مجھے یوں لگتا ہے جیسے لوگ ابھی جنگ کو بھولے نہیں۔

سرفراز: Talking of Sahib-Dad again تم ٹھیک کہتے ہو عظمت He was a great soldier

حق: تم نے کیسے اندازہ لگایا۔

سرفراز: کیونکہ ایک سچے سپاہی کی طرح اس کے دل میں محبت کا ایک لمبا چوڑا دریا موجزن تھا۔ وہ میرے پاس بھی آیا تھا اور مجھے بھی اپنا خواب سنایا تھا اس نے۔

حق: Quite strange --- اس کے خواب کے تیسرے دن جنگ شروع ہوگئی۔

سرفراز: Its quite late--- get up boys آج تو سارا دن صاحبداد کو یاد کرنے میں صرف ہوگیا۔

حق: Time well spent.

سرفراز: Meet you tomorrow.

عظمت: Best of combat for all of us.

یہ کہہ کر تینوں اٹھتے ہیں۔ ایک پل کی طرف جاتا ہے دوسرا سیدھا نکل جاتا ہے اور تیسرا دوسری جانب چلا جاتا ہے۔

عظمت

سرفراز حق نواز

(کیمرہ کچھ فاصلے سے ان کو دیکھتا ہے چند قدم کے بعد سرفراز غائب ہوجاتا ہے۔ پھر حق نواز--- اور بعد میں عظمت سکرین پر نہیں رہتا---)

سین 9

ان ڈور

دوپہر

(چوکی پولیس کا وہی پرانا سین--- صوبیدار صاحبداد اسی طرح بنچ پر بیٹھا ہے اور تھانیدار اسی اشتیاق کے ساتھ اس کی باتیں سن رہا ہے۔)

تھانیدار: لیکن صوبیدار صاحب--- میرا خیال ہے آپ کو گاؤں پہنچ کر اپنا آپ بتادینا چاہئے تھا۔

صوبیدار: نہیں سر ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہوتے جو کسی پر احسان جتا کر محبت کی بھیک مانگا کرتے ہیں۔ ہم تو بس کرنا جانتے ہیں جتلانا نہیں جانتے۔

تھانیدار: لیکن صوبیدار صاحب آپ کی بیوی اور پھر آپ کی----

صوبیدار: نور جان نے پورا ایک سال میرا انتظار کیا۔ میرا سوگ منایا۔ پھر اس کے والد نے اس کی شادی کر دی---- میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ بہت خوش تھی۔ اس کا چہرہ پہلے سے صحت مند تھا اور اس کی آواز پہلے سے خوبصورت ہو گئی تھی---- میں نے دل میں کہا ٹھیک ہے گرائیں نور جان کو خوش رہنے دو اور اپنے آپ کو اس علاقے سے دور لے جاؤ۔

تھانیدار: آپ کی جگہ میں ہوتا صوبیدار صاحب تو----

صوبیدار: میری جگہ کوئی بھی ہوتا تھانیدار صاحب تو وہی کرتا جو آپ نے سوچا ہے پر میری سوچ میری اپنی ہے آپ اس کو الٹی ہتھکڑی لگا کر اپنی سوچ میں تو نہیں بدل سکتے۔

تھانیدار: بڑی عجیب بات کی آپ نے صاحب۔

صوبیدار: دراصل ہم ہوتے ہی عجیب لوگ ہیں۔ بارود سے کھیلتے ہیں اور اوس چاٹ کر اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ ہم کہیں رہیں کہیں چلے جائیں ہمارا دل بیرک میں رہتا ہے اور ہمارا وجود گرائیوں کے درمیان گھومتا رہتا ہے۔ ہم تو خیر جاندار ہیں تھانیدار صاحب ہمارے ساتھ بے جان چیزیں بھی ہماری طرح کی ہو جاتی ہیں۔

تھانیدار: کیا مطلب؟

صوبیدار: یہ گھڑی مجھے میرے صاحب کپتان حق نواز نے ہسپتال میں دی تھی۔ اور کہا تھا صوبیدار آپ جس طرح سے بی این آر پر لڑا ہے یہ اس کا ایک چھوٹا سا انعام ہے---- یہ گھڑی صاحب کو اس کے والد نے پاسنگ آؤٹ پریڈ پر انعام میں دی تھی---- اب میرا دل اور یہ گھڑی ایک ساتھ چلتے ہیں۔ لیکن ہر سال چودہ ستمبر شام کے سوا پانچ بجے یہ گھڑی خود بخود بند ہو جاتی ہے۔ نہ سوئیاں آگے چلتی ہیں نہ اس کی ڈیٹ بدلتی ہے۔ پانچ سال سے اس کی یہی حالت ہے۔

تھانیدار: یعنی----

صوبیدار: چودہ ستمبر شام کے سوا پانچ بجے کپتان حق نواز صاحب بارہ مولے پر شہید ہوا

تھا----

تھانیدار: لیکن---- شاید----

صوبیدار: شاید واید کی کوئی بات نہیں تھانیدار صاحب---- صاحب کے شہید ہونے کے دوسرے دن کپتان عظمت صاحب شہید ہوئے اور بیس ستمبر کی رات کو کپتان سرفراز صاحب---- لیکن تھانیدار صاحب سپاہی زندہ رہے یا اس دنیا سے چلا جائے اس کا دل بیرک میں اور اس کا وجود یونٹ میں رہتا ہے میرے تینوں صاحب اس دنیا میں موجود نہیں---- (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) لیکن مجھے یقین ہے کہ جہاں بھی ایکسرسائز ہوتا ہے۔ میری طرح میرے صاحب بھی اس کے ساتھ ساتھ جاتے ہیں۔ میں انہیں دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن میرا دل کہتا ہے جب جوان ایکسرسائز کرتے ہیں تو صاحب بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں گو میری طرح سے جوان بھی انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

(یہ کہہ کر صوبیدار صاحبداد علیک سلیک کئے بغیر اپنی بیساکھیاں لے کر وہاں سے چل دیتا ہے۔ اور تھانیدار کھڑا ہو کر اسے جاتے ہوئے دیر تک اور دور تک دیکھتا رہتا ہے۔)

میوزک

(اے شہیدان وطن تم پر سلام)

فیڈ آؤٹ

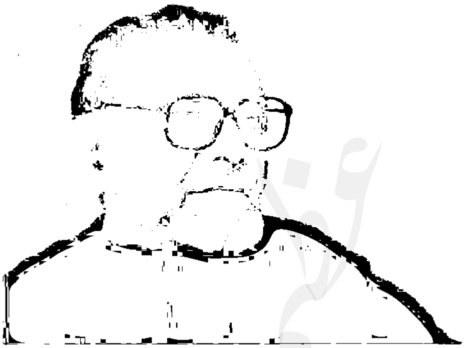

زاویہ

جناب اشفاق احمد ملک کے جانے پہچانے افسانہ نویس، ناول نگار، ڈرامہ نگار، صدا کار اور دانشور ہیں۔ اُن کی تخلیقات تمام تر فنّی محاسن کے ساتھ ساتھ فکر و دانش سے آراستہ ہوتی ہیں اور وہ قارئین کے ذہن کو سوچ کی نئی راہوں سے متعارف کراتی ہیں۔ اُن کے فکری رویوں پر صوفیانہ تصورات کی گہری چھاپ ہے اور یہ نہ صرف اُن کی تحریروں میں بلکہ اُن کے ریڈیائی اور ٹی وی پروگراموں اور ڈراموں میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اُن کے ایسے مقبول عام ٹی وی پروگراموں میں ایک ''زاویہ'' بھی ہے، جس میں وہ ذاتی تجربات، مشاہدات اور اہل تصوف کے واقعات و فرمودات کو اپنے مخصوص انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اب اسی پروگرام کی کچھ گفتگوؤں کو پہلی بار کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔